UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224176

UNIVERSAL
LIBRARY

رجسٹرڈ ٹیلیگرافک ایڈریس "انگلشیہ"
رجسٹرڈ ٹیلیگرافک ایڈریس "سرکار آصفیہ"
(۶۵)

دارالاشاعت

انجمن امداد باہمی مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن کا

ماہوار

علمی و ادبی مجلہ

مکتبہ

(مدیر)

عبدالقادر سروری
ایم اے ال ال بی

جلد (۱۰) بابتہ ماہ خورداد ۱۳۴۲ف مطابق ماہ اپریل ۱۹۳۳ء شمارہ (۱)

(فہرست مضامین)

شذرات ... مدیر

۲	ہندوستان اور وفاقیت	جناب پی کشن راو صاحب	۵
۳	دل کی آرزو	" مفتوں اجمیری	۱۱
۴	سعید	" رازقاسمی صاحب	۱۲
۵	پامر کا خاندان	" تمکین کاظمی صاحب	۱۷
۶	انتقام الفت	" ظفر قریشی صاحب بی اے (دہلوی)	۲۵
۷	قربانی	" ج نقوی صاحبہ	۳۰
۸	ان الحکم الا اللہ	حضرت امجد حیدرآبادی	۳۳
۹	تین مچھوے	مترجمہ یس بی اننتا صاحب	۳۵
۱۰	عزرائیل کی ملاقات	شمس النسا رشہلا	۳۷
۱۱	رائے سینیا نائی دہلی کے متعلق ایک قدیم شاہی سند	جناب سردار علی صاحب	۴۲
۱۲	ماتم قوم	" مرزا اسد اللہ بیگ صاحب حیدر	۴۸
۱۳	نوائے راز	" ابوالفاضل راز چاندپوری	۴۹
۱۴	بلبل اور قمری	" محمود اسرائیلی صاحب	۵۰
۱۵	ساون	" سجاد حیدر صاحب	۵۱
۱۶	مرجانے تو دو	" مانی جائسی صاحب	۵۱
۱۷	خمسہ	" امی حیدرآبادی	۵۲
۱۸	غزل	نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز	۵۵
۱۹	غزل	جناب وجودی شمسی حیدرآبادی	۵۵
۲۰	رباعیات	" جلال الدین صاحب اکبر	۵۶
۲۱	تاثیر محبت	" جناب ام اسلم صاحب	۵۷

شذرات

گذشتہ چند ماہ سے انجمن امداد باہمی کتبہ ابراہیمیہ کے قواعد کی نئی تشکیل عمل میں آرہی ہے۔ اسی سلسلے میں رسالے کا سوال بھی لازماً زیر بحث آگیا۔ لیکن ابھی اس کا کوئی قطعی تصفیہ ہونے نہ پایا تھا کہ پلیگ کی بلا نازل ہوگئی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "نزلہ بر عضو ضعیف" کے مصداق اس کا اثر سب سے زیادہ مطبع کے غریب ملازمین پر پڑا۔ جو جان بچانے کے لئے اپنے کام کے ساتھ ہمارے مفاد کو بھی قربان کر کے جنگلوں میں بھاگ بھاگ گئے۔ فورمین صاحب جو ڈر کے بھاگے تھے ابتک ان کا پتہ نہیں۔

یہ خود پیدا کردہ اور ناگہانی امور ایسے تھے کہ مجلس انتظامی کے کسی تصفیہ سے پہلے ہی رسالہ نے آپ ہی آپ چند ماہ کے لئے آرام لینے کا تہیہ کرلیا اور برابر چار مہینے تک ہم بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے سونے والے کی نگہداشت کرتے بیٹھے رہے گذشتہ مہینے میں جب مطلع صاف ہونے کو آیا تو ہم نے محسوس کیا کہ اب ہم کتنی ہی سرگرمی سے کام کیوں نہ کریں، لیکن جیسے شست سے چھوٹا ہوا تیر واپس نہیں آسکتا۔ اسی طرح ہماری زندگی کے یہ پانچ مہینے کبھی ہمیں نہیں مل سکتے بھلے بُرے جیسے بھی ہوں اگر چار پانچ پرچے ملا کر نکالے تو مطلع ---

مرتب بھی گھبرائیں

کے خراج نازک کیا کیا جائے۔ ناچار یہ طے کرنا پڑا کہ دسویں جلد کا شمار آذر ۱۳۴۲ ف (اکتوبر) کے بجائے خرداد ۱۳۴۳ ف (اپریل ۱۹۶۴) سے کرینگے۔ اسطرح خریداران کرام کا بھی کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ کیونکہ جن کے چندے آذر ۱۳۴۲ ف میں وصول ہو چکے ہیں۔ ان کا سال خرداد ۱۳۴۳ ف میں ختم ہوگا۔ اور رسالے کے کارکنوں کے شش ماہ آرام کا خمیازہ انہیں تلافی کی غیر معمولی دوڑ دھوپ کی صورت میں بھگتنا بھی نہیں پڑیگا۔

لیکن "مکتبہ" کے بہی خواہوں سے بھی ہم یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ رسالہ کی ترقی کچھ آپ کی خاطر عنایت کی بھی محتاج ہے اشاعت کی توسیع اس کی کارگزاری میں بہت کچھ اضافہ کر سکتی ہے۔

ہندوستان اور وفاقیت

از پی۔ کشن راؤ صاحب

قبل اس کے کہ وفاقیت جیسے نازک و پریشان کن سیاسی مسئلہ پر تبصرہ کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ وفاقیت کے مختلف عناصر کی تحقیق کرکے اس کے پیچیدہ اجزائے ترکیبی کو واضح و مجمل طور پر بیان کیا جائے یہی مابہ النزاع مسئلہ وفاقیت ہے جس کو حل کرنے کے لئے ہندوستان اور انگلستان کے بہترین دماغ ایک عرصہ طویل تک مصروف کار اور جس کی گتھیاں سلجھانے کی الجھنوں میں ایک مدت دراز تک مبتلا رہے۔ لفظ وفاقیت یا FEDERATION کا مادہ لاطینی اصطلاح Foedus ہے جس کے معنی معاہدہ یا راضی نامہ کے ہوتے ہیں۔ اس اصطلاحی لفظ کا اصلی مفہوم کے سمجھنے کے بعد واضح ہو جائے گا کہ Federal یا وفاقی طرز حکومت کی لازمی خصوصیت معاہدہ یا باہمی راضی نامہ ہے۔ بدیں وجہ ازمنۂ موجودہ کی وفاقی مملکت کا لابدّ خاصہ یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ آزاد ریاستیں باہمی مفاہمت کے ذریعہ اپنے حکومتی اختیارات اور اقتدار اعلیٰ متحدہ طور پر کسی مرکزی قوت کے تفویض کرتے ہیں۔ بقول پروفیسر ڈالکی بساط سیاست پر اتحاد قومی کا مہرہ حاصل کرنے کے لئے وفاقیت کا قیام ایک شاطرانہ چال ہے۔ موجودہ علمائے سیاست کے مطابق وفاقی مملکتیں دو طرح سے بنائی جا سکتی ہیں۔

ایک تو کسی ریاست یا خطۂ ارض کو بزور شمشیر زیر کرکے وفاقی مملکت کی اکائی بنایا جا سکتا ہے مثلاً سنہ ۱۹۱۰ء تک کوریا کی حیثیت ایک مملکت کی سی تھی جب کہ جاپان بہ وسیلہ جنگ بازی اس پر قابض ہو گیا۔ دوسرے

کوئی ریاست وفاقی مملکت کی وحدت اس طرح بن سکتی ہے کہ اپنے بچاؤ، تجارتی فروغ اور بیرونی دست برد سے محفوظ رہنے کی خاطر اپنے چند اختیارات شاہی کسی مرکزی قوت کے سپرد کردے اور باقی ماندہ اختیارات کی باگ اپنے ہاتھ میں رکھے۔ اس طرح کی وفاقی مملکت کی مثال ہمیں وفاقیہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے مل سکتی ہے۔ جہاں کی مختلف ریاستوں نے برطانیہ جنگ آزادی امریکہ تحفظ ذاتی کی خاطر اپنے اختیارات حکومت ایک مرکزی قوت کو سونپ دیے تھے۔ بالفاظ مختصر وفاقیت کی صریح تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ چند ریاستیں ترقی اغراض اور باہمی استمداد کی غرض سے ازخود اتحاد کے رشتے میں منسلک ہو جائیں۔

آجکل دنیا میں تمدن مغرب کا سکہ رواں ہے کائنات مادیت کی فضائے وسیع میں محو پرواز ہے۔ علم کسی خاص طبقہ کی میراث یا نشان امتیاز نہ رہا نیز حصول علم کے واسطے طرح طرح کی سہولتیں مہیا ہیں اور گوناگوں معاشی ترقیوں کا دور دورہ ہے تو ہر گوشۂ عالم سیاسی معاشی و مالی اور معاشرتی اختیارات سے روبہ عروج و برتری ہو گیا ہے ہاں ہند بھی اس عطیۂ قدرت و مساعد حالات سے بہرہ اندوز ہونے کی ہر چند سعی ہے۔ یہاں کے ابر آلود مطلع سیاست پر قومیت کی جھلک نظر آرہی ہے۔ علم نے جاہل عامۃ الناس کے دماغوں کو منور و مجلی کیا ہے۔ اشاعت تعلیم نے عام قومی بیداری پھیلا دی ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے رہنمایان ملک اور رہبران وطن نے ملکی آزادی کا مطالبہ کیا ہے واضح رہے کہ گزشتہ گول میز کانفرنسیں سوراج کے گوہر مراد سے ہندوستانیوں کا دامن آرزو بھرنے کے لئے اور ہندوستانی عایا کے ان قومی جذبات کی تسکین کے لئے منعقد کی گئی تھیں۔ اخبار میں حضرات سے یہ امر پوشیدہ نہ ہوگا کہ قبل از قبل پہلی گول میز کانفرنس ہی کے مندوبین نے متفق الرائے ہو کر وفاقیت کو ہندوستان کے آئندہ نظام دستور کا بنیادی اصول قرار دیا۔ اب یہاں یہ پیچیدہ بحث چھڑ جاتی ہے کہ کن واقعات و حالات نے ان کو آئندہ ہندوستانی حکومت کو وفاقیہ بنانے کی تجویز کرنے کی ترغیب دلائی۔ کسی ملک کے ہر سیاسی مسئلہ کی تحقیق و تدقیق سے قبل وہاں کے جغرافی حالات کا غائر مطالعہ نہایت ضروری ہے ہر ملک کی تاریخ اس کے جغرافیائی خصوصیات کا عکس ہوتی ہے۔ کسی مورخ نے بالکل صحیح کہا ہے کہ :-

"تاریخ اس متحرک گاڑی کا نام ہے جس میں جغرافیہ ہی کی بنا پر قوت حرکت پیدا کی گئی ہے۔ یہ مسلمہ اصول تاریخ عالم کی ورق گردانی سے پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتا ہے۔ باشندگان انگلستان اپنی جغرافی امتیازات ہی کی بدولت

فن جہاز رانی میں اتنی مہارت تامہ حاصل کئے ہوئے ہیں۔ اور اسی کمال کی بنا پر دنیا کے تمام ممالک ان کی بحری سیادت کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ ازمنہ قدیم سے مملکت فرانس کو اپنی جغرافی حالت کی مجبوری ہی سے ہر یورپی جنگ میں اخلت کرنی پڑی بارہا جنگوں کی شرکت کے باعث اس کے خزانہ کو ناقابل برداشت نقصان اٹھانا پڑا واضح ہو کہ جغرافیہ اور تاریخ کے اس باہمی گہرے تعلق ہی نے فرانسیسی سیاس مانٹیسکیو کو اپنی مشہور تصنیف "روح قوانین" میں جغرافی نظر کو جگہ دینے پر مجبور کیا۔ ایک طویل بحث کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ہر ایک مملکت جغرافیائی اسباب کا فوری نتیجہ ہوتی ہے پھر اس بیان کو اس جملے پر ختم کئے دیتے ہیں کہ ہندوستان بھی اس مسلم جغرافی اصول سے مستثنیٰ نہیں ہے یعنی ہندوستان کے جغرافی حالات کا اس کے سیاسیات پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ واضح رہے کہ ہندوستان ایک ملک نہیں بلکہ وہ ایک براعظم کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں مذہب کا سوال معرکۃ الآرا مباحث کا مرکز ثقل بن گیا ہے بسا اوقات اس کو سیاسیات و فرقہ وارانہ تنظیموں کا رنگ دیا جاتا ہے۔ یہاں نہ صرف مذاہب موجود ہیں بلکہ طریقہ یہ ہے کہ اس کے کئی فرقے اور ذاتیں ہیں جیسے کہ اعداد شمار کی رپورٹ منظر ہے کہ ہندوستان میں ۶۵ ٪ کے قریب ہندو اور یہاں کی آبادی کے ۳۰ ٪ مسلمان ۲۱ ۳ لاکھ سکھ ۱۱ لاکھ جینی ۱۵ لاکھ بدھ ۷۰ لاکھ عیسائی اور ۹۰ لاکھ پارسی آباد ہیں شاید اسی متعدد فرقہ جات سے تیار ہو کر کسی مورخ نے ہندوستان جیسے نشان کو قومی عجائب خانہ کا خطاب دیا ہوگا جیسے کہ کسی عجائب خانہ میں متعدد انواع و اقسام کے جانور چرند پرند فنون لطیفہ کے نمونے اور فنون صانعہ کی یادگاریں رکھی جاتی ہیں اسی طرح اس زرخیز خطہ ہند میں بھی متعدد ذاتیں اور فرقہ جات موجود ہیں گویا معلوم ہوا کہ یہاں کی سرزمین کئی مذاہب و فرقہ جات کا مسکن ہے۔ ان متعدد ذاتوں کے علاوہ ہندوستان میں مختلف حالات کے کئی صوبہ جات ہیں جو دماغی معاشرتی اور معاشی اعتبارات سے بالکل مغائر وجود ہیں۔ یہاں یہ بیان لطف سے خالی نہ ہوگا کہ افراد کی طرح قوم اور فرقوں کے شوق و مذاق بھی کم و بیش جداگانہ و مخصوص ہوتے ہیں شلاً پٹھان۔ سکھ اور مرہٹے۔ راجپوت اب تک فوجی خدمت کے شائق ہیں۔ بالعموم پنجابی لوگ ہیں تو کچھ ایسے ہیں مگر جفاکش خاص طور پر ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف بنگالی نہایت ذہین اور طباع دیکھنے میں بھی جسیم مگر جسمانی محنت سے کترانوس ہوتے ہیں۔ معاشی اصول کے مطابق آب و ہوا اور خوراک کا انسان کی زندگی و کارکردگی پر بڑا اثر پڑتا ہے زبانیں بھی ان صوبجات میں مختلف بولی جاتی ہیں۔ الغرض ثابت ہوگیا کہ صوبجات ہند کے معاشی معاشرتی اور دماغی حالات میں حد درجہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہاں کے ہر فرقہ کی کئی ذاتیں ہیں اور چھوت چھات کا خیال لوگوں کے دماغوں

پر بہت حاوی ہے سچ پوچھئے تو ذات پات کے بندھن نہ صرف جذبۂ اتحاد کے تباہ کن بلکہ قومی ترقی کے سخت منافی ہیں علاوہ ازیں یہ انسانی ہمدردی کے دائرے کو تنگ کرتے ہیں ایسی مخدوش حالت میں متحد قومی جذبہ کا پیدا ہونا بالکل ناممکن سا ہو جاتا ہے ہندوستان کے دو بڑے مذاہب اسلام اور ہندومت کے عقائد رسوم و رواج میں بڑا اختلاف ہے ان دونوں کے پیروؤں میں ہمیشہ سے تصادم چلا آرہا ہے یعنے نااتفاقی و مخالفت یہاں کا مرض متعدی ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ ہندوستان میں مذہب قومیت کی جگہ لیتا ہے اس کے برخلاف یورپی ممالک میں قومیت تمام مذہبی مناقشات کو مٹا دیتی ہے ہندو مسلم مسئلہ ناجائز اہمیت حاصل کر چکا ہے اور اس حالت ناچاقی کے باعث دستوری اصلاح میں دشواریوں کا سامنا ہو رہا ہے۔ واضح رہے کہ لارڈ منٹو اور وزیر ہند لارڈ مارلے کے عہد حکومت میں اصلاحات کے اجراء کے وقت یہی دشواری سد راہ ہوئی تھی ان ہی ناموافق جغرافیائی کیفیات اور ذات پات کے قیود کو ملحوظ رکھ کر گول میز کانفرنس نے ہندوستان کے آئندہ دستور کے لئے وفاقیت کی تجویز کی تھی اس کی رائے تھی کہ اس قسم کے ناگفتہ بہ صورت حال میں فردیہ حکومت قایم کر کے صوبوں کی آزادی پایمال کرنی نامناسب ہے صورت حال کے اس تعدد پر نظر رکھتے ہوئے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں فردیہ حکومت عوام الناس کے لئے فائدہ بخش ہوگی فردیہ حکومت ایک وسیع ملک میں کسی طرح قایم نہیں کی جا سکتی اس قسم کی حکومت صرف اسی ملک میں قائم ہو سکتی ہے جہاں کے باشندے ہم خیال ہوں اور ان کے عقاید و رسومات میں تطابق پایا جائے۔ فردیہ حکومت کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ لوگوں میں بھی خواہش تعاون پائی جائے جو علی العموم کم رتبہ کے ممالک میں پائی جاتی ہے۔ گو اب یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے مذکور الصدر صفات بھی بتائے دینے کے باعث ہندوستان میں وفاقاً حکومت قایم نہیں ہو سکتی؟ اس قسم کے وسیع رقبے میں صرف وفاقیت ہی قایم ہو سکتی ہے۔ اب ہم اس امر کی طرف رجوع ہوتے ہیں کہ ہند میں وفاقیت قایم کرنے کی راہ میں کا دیں حائل ہو رہی ہیں اور ان کو کس طرح رفع کیا جا سکتا ہے۔ اسی تفرق مذہبی کی بنا پر گول میز کانفرنسوں کو باقاعدہ نظام سلطنت مرتب کرنے میں اتنی دقت پیش آرہی ہے۔ یہ امر کس قدر قابل تضحیک اور تذلیل قومی ہے کہ تقریباً دو سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود ان سیاسی مشکلات کو رفع کرنے میں کانفرنس کامیاب نہ ہو سکی یہ متنازعہ فیہ مسئلہ اصل میں جملہ مخلوط انتخابات کا ہے جس کے متعلق مختلف نقطۂ نظر کی تحقیق اور یہاں ان کا بیان کوہ کندن و کاہ برآوردن سے کچھ کم نہیں اس معاملہ میں میری ذاتی رائے یہ ہے کہ مسلمان اور اہل ہنود اپنے مذہبی تفریقات کو بالائے طاق کر دیں اور فی الفور

کسی نہ کسی مفاہمت پر متحد ہو جائیں۔ ہر دو فرقہ جات کے لیڈروں کو پورے ہندوستان کے مفاد کا لحاظ کرنا چاہئے نہ کہ اپنے فرقے یا ذات کا۔ وفاقیت کا ملخص جذبہ ایثار ہے اور جب تک ایثار نفسی کا عملی مظاہرہ نہ کیا جائے وفاقیت حقیقی معنوں میں مکمل نہیں ہو سکتی۔ ان کو سمجھنا چاہئے کہ وہ ہندوستانی ہیں ان کے اس تصادمی صورت حال سے۔ جذبات قومیت کے زریات پر کاری ضرب لگیگی۔ ہندوستانی قومیت کو بحالت موجودہ ایک بار آور درخت سے تشبیہ دی جا سکتی ہے اگر درخت کے پھل سب آپس میں تقسیم کر لیں اور فی الوقت اس درخت کو اسی حالت میں رہنے دیں کہ پانی وغیرہ پہنچایا جائے تاکہ آئندہ پھل کر بھی اس کے پھل حاصل کرنے کا موقع نصیب ہو۔ بھلا اس سے کیا فائدہ کہ درخت کو کاٹ کر اس کا خاتمہ کر دیں اور اس طرح آئندہ کے ثمرات شجر سے محروم ہو جائیں۔

بحالت موجودہ ہندوستانی وفاقیت کے اہم شرکا تین ہیں جن کے حقوق و اختیارات کا تحفظ ضروری ہے اور جن کے تعاون سے ہی ہند کے آئندہ دستور کی گاڑی متحرک کی جا سکتی ہے وہ حسب ذیل ہیں (۱) حکومت ہند (۲) برطانوی حکومت (۳) دیسی ریاستیں۔ یہاں اس امر کا بیان ضروری ہے کہ بعض دیسی رئیس وفاقیت ہند میں شرکت سے لیت و لعل کر رہے ہیں۔ گول میز کانفرنس میں رہنمایان وطن کی تقاریر کے مطالعہ سے طلبائے سیاسیات نے نتیجہ اخذ کر لیا ہوگا کہ ہندوستان کی موجودہ متعدد مشکلات و نزاعات کا واحد حل وفاقیت اور صرف وفاقیت ہی ہے۔ وفاقیت کے ذریعہ قوم کے ان قومی جذبات کو عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے جو ان کے دل میں موجزن ہو رہے ہیں۔ واضح رہے کہ برطانوی ہند کے صوبجات کے علاوہ ہندوستان میں ۶۰۰ دیسی ریاستیں ایسی پائی جاتی ہیں جو قانونی طور پر اندرونی معاملات کی حد تک خود مختار ہیں ماسوا اس کے ۵۰۰ ریاستیں ایسی ہیں جو ایک حد تک داخلی امور میں بھی تحت مطیع متصور ہیں۔ یہ صورت حال فرد یہ حکومت کے قیام کے بالکل منافی ہے۔ اس ملک میں جہاں کہ مختلف مذاہب اور متعدد ریاستیں کا وجود ہو وہاں تجربے سے ثابت ہوا کہ وفاقی طرز حکومت ہی زیادہ منفعت بخش ثابت ہوگی۔ وفاقیت کے قیام کے بعد جب ہر صوبہ کو آزادی دی جائیگی تو وہ اپنے پاؤں پر آپ کھڑے ہونے کی تگ و دو میں منہمک ہوگا اور اپنی مالی حالت کو سدھارنے کی جان توڑ کوشش کرے گا اور اس طرح عام مرفہ الحالی میں قابل قدر اضافہ ہوگا۔ سر جان سیمن اور دیگر اصحاب کا خیال ہے کہ ہندوستانیوں کے سوراج کے نصب العین کی تکمیل وفاقیت ہی سے ہو سکتی ہے لہذا اگر باہمی امتیازات اور فرقہ واری مناقشات کا خاتمہ کرنا منظور ہو تو ہندوستان میں وفاقیت کا قیام ہی زیادہ مناسب و موزوں معلوم ہوتا ہے جو اسی وقت پایۂ تکمیل کو پہنچیگی جب کہ سارے

دیسی روسا رہند شرکت و فاقیت کے لئے رضامند ہوں۔ و فاقیت کی بدولت اس ملک کے سیاسی اجزا مرکز
و مجتمع ہوسکیں گے اور شاہان مغلیہ اور راجگان مرہٹہ کی وہ ناتمام خواہش کہ ہندوستان کے وسیع خطہ ارض کے گوشہ گوشہ میں
واحد فرمانروا کا گزو سکہ جاری ہو بدرجہ اتم پوری ہوسکیگی ماہ جون میں تحصیل کمیٹی نے اپنی رپورٹ شایع کی ہے اس میں سفارش
کی گئی ہے کہ و فاقیت کی مرکزی مجلس مقننہ (۵۰ ۴) ارکان پر مشتمل ہو اور اس کے ایک تہائی یعنی (۱۵۰) ارکان دیسی
ریاستوں کے نمایندے رہیں۔ اس لئے دیسی ریاستوں کو چاہیئے کہ اس سنہری موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیکر ہندی و فاقیت
میں شریک ہوجائیں اور اپنی حب الوطنی کا ثبوت دیں ایوان روسا نے اپریل ۱۹۳۲ء میں ایک رزولیوشن منظور کیا ہے
کہ وہ و فاقیت ہند میں حسب ذیل شرایط کی تکمیل پر شریک ہوں گے کہ معاہدوں اور سندوں کے ذریعہ ان کے حاصل شدہ
حقوق کو شرکت و فاقیت کے بعد کوئی ضرر نہ پہونچایا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ ریاستوں کی حد تک ان کا اقتدار اعلیٰ
اور ان کی اندرونی آزادی حسب سابق برقرار رہیگی۔ مذکور الصدر مباحثہ کا لب لباب یہ ہے کہ و فاقیت ہی وہ بہتر
و شاداب خطہ ارض ہے جس پر اتحاد و تعاون کی تخم بوکر بارآور درخت پیدا کئے جا سکتے ہیں اسی سے مختلف فرقے
اور ذاتوں کے افراد ایک مشترکہ قوم کی سلک میں منسلک ہوجائینگے۔ قومیت کے شیر خوار بچے کی پرورش و فاقیت ہی کے
گہوارے میں بہتر طریقہ پر ہوسکتی ہے۔ الغرض و فاقیت ہی مذہبی تنازعات و فرقہ وارانہ مناقشات کو دفع کرنے کا
مجرب علاج اور اساسی ذریعہ ہے اور آیندہ دستور ہند میں اسی قسم کی طرز حکومت کا قیام ہی باعث ترقی و الحالی
اور موجب ترقی ثابت ہوگا۔

کردار اور افسانہ

از مولوی عبدالقادر سروری ایم۔ اے ایل۔ ایل بی

یہ دنیائے افسانہ کا گویا دوسرا حصہ ہے فاضل مولف نے افسانہ نگاری میں کردار (کیرکٹر) کی اہمیت کیا
ہے اس پر جامع بحث کی ہے اور جگہ جگہ انگریزی اور اردو افسانوں کے کرداروں کی مثالیں دینے کے
علاوہ اردو کے افسانوی ادب کے مشہور کردار عمرو عیار (داستان امیر حمزہ) (نجم النسا) مثنوی میر حسن
نسیم اور نصوح / توبتہ النصوح / عون و محمد / مرثی انیس پر تنقیدی مقالے بھی لکھے ہیں۔

ضخامت ۲۳۲ صفحات۔ مجلد سادہ قیمت (عہ)

مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن

دل کی آرزو

اندھیری رات میں تاروں سے دل بہلائیں گے اپنا

از

جناب امین الدین خاں صاحب مفتوں اجمیری

نظر آتی ہے اے یارو خدا کی شان جنگل میں
رہیں گے ہم تو اب جا کر کسی سنسان جنگل میں

زمیں کے فرش پر سوئیں گے سر پر آسمان ہوگا
بچھونا ہوگا یہ اپنا وہ اپنا سائبان ہوگا

یہاں بگڑی ہے جو حالت وہاں جانے سے سدھرے گی
بڑے آرام سے یہ زندگی جنگل میں گذرے گی

نہ شہروں کی طرح دن رات ہر دم غل پکارا ہے
نہ تو تو اور میں میں ہے نہ جھگڑا ہے نہ ٹنٹا ہے

نہ دشمن جان کا کوئی نہ دشمن مال کا کوئی
قسم اللہ کی پرساں نہیں ہے حال کا کوئی

یہاں جب تک رہیں گے ساری دنیا کو ستائینگے
مریں گے جب تو ماتم میں عزیزوں کو رولائیں گے

بچیں گے غم سے ہم پائیں گے تکلیفوں سے چھٹکارا
وہاں جاتے ہی ہو جائے گا کل باتوں سے چھٹکارا

لگے گی بھوک تو کھانے کو ہے خوراک پتوں کی
پہننے کے لئے موجود ہے پوشاک پتوں کی

کسے اس بات کا غم ہوگا۔ پانی کی کمی ہوگی
ہمارا حلق تر کرنے کو شبنم کی نمی ہوگی

نہ جینے کی خوشی ہوگی نہ مرنے کا الم ہوگا
نہ راحت کی طلب ہوگی نہ کچھ سختی کا غم ہوگا

اگر آیا کبھی جی میں ہوا سے گفتگو ہوگی
نہ مطلب اس میں کچھ ہوگا نہ کوئی آرزو ہوگی

نہ روئیں گے نہ آنکھوں سے لہو برسائیں گے اپنا
اندھیری رات میں تاروں سے دل بہلائینگے اپنا

بڑے آرام سے تنہائی کی راتیں بسر ہونگی
نہ دل میں ہوک اٹھیگی نہ آنکھیں اپنی تر ہونگی

کسی کے ہم نہ اپنا کوئی۔ پھر کس بات کا جھگڑا
ملی آزاد ہوگی، دل سے مٹا دن رات کا جھگڑا

نہ ہوگا دفن کا اندیشہ، غربت اپنا مدفن ہے
کفن کے واسطے کافی ہمیں صحرا کا دامن ہے

الم میں دکھ میں منظارہ کریں گے بے نیازی کا
مزہ آئے گا بیماری میں اس کی چارہ سازی کا

اسی کو یاد رکھیں گے اسی سے دل لگائیں گے
فنا ہو کر اسی کے سامنے اک روز جا میں گے

سعیدہ

از

از جناب راز قاسمی صاحب حیدرآبادی

حرص و آز کی اور بات ہے یہاں تو قارون کا خزانہ پانے کے بعد بھی ہل من مزید باقی رہتی ہے ورنہ تمام چیزیں جن پر نعمات دنیوی اور اقبال مندی کا بجا اطلاق ہو سکتا ہے مولوی محمود علی صاحب کو حاصل تھیں مال دولت عزت شہرت والا دو غیرہ اللہ کا دیا سب ہی کچھ موجود تھا اور مولوی صاحب اپنی حالت پر قانع اور شکر گزار تھے انکا شمار ریاست حیدرآباد کے عمائدین میں تھا رفیق دیرینہ کی جدائی محرم راز کی مفارقت یعنی بیوی کے انتقال نے مولوی صاحب کو اس کرسی میں تا حال تلافی صدمہ پہونچایا اس لئے مولوی صاحب نے اپنے ہونہار بیٹے یوسف کو گھر کا مختار بنا دیا تھا یوسف کی ابھی شادی نہیں ہوئی کیونکہ اس نے یہ عزم بالجزم کر لیا تھا کہ جب تک ملازمت نہ ملے اور سعیدہ گھر دار سے نہ لگ جائے خود اپنی شادی نہ کریگا سعیدہ جیسی لڑکی کیلئے پیامونکی کیا کمی تھی کئی پیام آئے اور آرہے ہیں مگر کوئی لڑکا اس قابل نظر نہیں یا جو سعیدہ کے تمنا کا مالک اور زندگی کا شریک بننے کا لائق ہو

(۲)

سعیدہ صرف حسن نسائیت اور تناسب خدوخال کا مکمل نمونہ ہی نہیں بلکہ شرافت اکتسابی و وہبی کی منیطر تصویر اور عفت و حیا کی لائق پرستش دیوی تھی ایک دو ہی سمجھتی تھی کہ محبت کیے جانیکے حقدار ماں باپ بھائی بہن وغیرہ ہی ہیں مگر شیت ٹلتی نہیں اور شدنی بات ایک نہ ایک دن ہو کے رہتی ہے خدا جانے وہ کونسی منحوس گھڑی یا منحوس ساعت تھی کہ حسن و عشق کا تصادم ہو گیا سعیدہ اور حامد نے چھپتی ہوئی نظروں سے سہی مگر ایک دوسرے کو دیکھ لیا اس دن سے وہ محسوس کرنے لگی کہ ماں باپ بھائی بہن کے علاوہ اس کا معصوم دل ایک اور شخص کے بھی حسن صورت

ویسرت کا مسکن بن گیا ہے اس کو حامد سے بیحد محبت تھی اور یہ بھی اچھی طرح جانتی تھی کہ حامد بھی اس کے زاہد فریب صورت تو شکن حسن کا دیوانہ ہے مگر سعیدہ کے اس خیال کو حد یقین تک پہونچانے کا باعث ذریعہ پیام و سلام یا حامد سے گفت و شنید نہیں بلکہ اس تیقن کا تنہا ذمہ دار وہ قدوم میمنت ہے جسکو سعیدہ دن میں کئی بار اتفاقی طور پر صبح و شام دو وقت سنگار کے لئے بطور خاص دیکھ لیا کرتی ہے اور سعیدہ کے ان کیفیات نہانی کا اندازہ جذبۂ اختیاری ہے جو بسا اوقات ہنگام خود بینی حیا آمیز تبسم کی صورت میں اس کے پان خوردہ لب نازک پر رونما ہو کر ایک خاص خیال کے زیر اثر اسے محجوب کر جاتا ہے کفر کو ایمان سے نور کو ظلمت سے شاید اتنی دشمنی نہ ہوگی جسقدر عشق کو صبر و قرار سے بیگر واہ ری سعیدہ قربان جائیے تیری خود داری اور غیرت سیاست کے کہ ملنا یا خط کتابت کرنا تو کجا حامد کو یہ تک باور کرنیکا موقع نہ دیا کہ تیرے دل میں بھی اس کا خیال ہے آخر وہی ہوا جو ضبط و عشق کی باہمی کشمکش کا لازمی نتیجہ تھا سعیدہ کی صحت میں نمایاں فرق آگیا نیند خواب خیال بن گئی اس کے شگفتہ رخسار زرد پڑ گئے آنکھیں شوخی کے جگہ آنسوؤں کا مسکن بن گئیں دل میں بیوقت بیٹھا بیٹھا سا درد اور ایک قسم کی گھبراہٹ رہنے لگی۔

حامد ایک سر برآوردہ خاندان کا رکن اور امیر کا بیٹا تھا والد کا انتقال ہو گیا اور والدہ حیات تھیں زمانہ تعلیم سے ہی حامد اور یوسف میں بہت محبت تھی اس لئے روزانہ حامد یوسف کے پاس آکر تقریباً دو تین گھنٹہ بیٹھا کرتا تھا اور بعض اوقات شب کا کھانا وہیں کھا لیتا تھا

(۳)

ایک دن شام کے پانچ بجے جبکہ ایک چھوٹا سا ابر کا ٹکڑا برس کے کھل گیا تھا اور دھوپ ہر کچھ کچھ چمکنے لگی تھی سعیدہ اپنے کمرے کے ورانڈے میں آرام کرسی پر نیم دراز لیٹی ہوئی کشیدہ کاڑھ رہی تھی یا بالفاظ دیگر دل یار دست بکار کا عملی ثبوت دے رہی تھی کہ ایک دوازدہ سالہ لڑکا جو ملازم معلوم ہوتا تھا۔ دیوانخانہ کیطرف سے دوڑتا ہوا آیا اور کہا حامد میاں آئے ہیں پان دیجئے" خدا جانے ح۔ ا۔ م۔ د کے مجموعہ میں کس بلا کا جادو کس قیامت کا اثر تھا یا اس لڑکے کی مختصر خنیش لب نے ہوا کی مدد حاصل کر کے سعیدہ کے پردۂ سماعت سے ٹکراتی ہوئی دل و دماغ میں پہنچکر کیا وجدانی کیفیت پیدا کر دی کہ سعیدہ جو لیٹی ہوئی تھی ایک جذبہ اضطراری کے زیر اثر بلا ارادہ اٹھ بیٹھی اس کے ان رخساروں کے نیچے جو آٹھ دن کی پریشانیوں اور شب بیداری کی وجہ سے زرد پڑ گئے تھے آن واحد کے لئے ہلکی سی سرخی دوڑ گئی دل دھڑکنے لگا اور چشم زدن میں اس کی نیم باز مستیلی آنکھیں جن میں اب نیند کا خمار بھی رہنے لگا تھا اپنی حد معینہ سے کچھ زیادہ وا ہو کر تھوڑی دیر کے لئے اس لڑکے کے چہرے پر جم گئیں جس نے پان مانگے تھے۔

سعیدہ کی ان کیفیات قلبی کا بیک نظر انداز کر لینا کسی فاضل نفسیات کے لئے بھی آسان کام نہ تھا۔ بچوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ مگر چور کا دل کتنا اس خوف سے کہ کہیں اس کی موجودہ حالت سے لڑکا واقف نہ ہو جائے سعیدہ نے گھبرا کر کہدیا کون حامد لڑکے نے وہی جواب دیا جس سے سعیدہ پہلے بھی واقف تھی۔ وہی جو چھوٹے نوکر کے دوست ہیں اور روزانہ آیا کرتے ہیں چھوکرا جب پان لیجا چکا تو سعیدہ چاہتی تھی کہ پھر کشیدہ کاڑھنے میں مشغول ہو جائے مگر کسی کے خیال نے چپکے سے دل میں ایک چٹکی لے لی شوق دید کا تقاضہ ہونے لگا کہ ایک نظر چل کے دیکھ لو سعیدہ اٹھی اور دو قدم بھی چلنے نہ پائی تھی کہ اس کی خلقی حیا خاندانی عفت نے بڑھ کر دامن کھینچ لیا اور کہا کہ ہر غریب پھر ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی لیکن آخر جذبۂ عشق نے فتح پائی جو یقینی تھی اور سب کے نظروں سے بچتی بچاتی تیزی کے ساتھ مکان کے بالائی حصہ یعنی دیوانخانہ کے قریب پہنچ ہی گئی اور ایسی جگہ کھڑی ہو گئی جہاں سے حامد برابر نظر آسکتا تھا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ سعیدہ نے دیوانخانہ میں جو منظر دیکھا وہ روح پرور تھا یا جانکاہ یہ تو اس کا دل ہی جانے اس نے دیکھا کہ حامد کی آنکھوں سے پیہم آنسو جاری تھے۔ اور یوسف اس کی تسلی و دلدہی میں اس طرح مصروف تھا یوں ہی روتے رہو گے یا کچھ بتاؤ گے بھی کہ آخر تم جس پر جان دے رہے ہو وہ ہے کون ہلا بھئی جب تک کچھ نام نشان اور حالات معلوم نہوں کوئی کیا رائے قائم کر سکتا ہے۔

حامد نے اپنے بڑھے ہوئے جوش گریہ کو کسیقدر روک کر ریشمی رومال سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا میں جانتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ مجھ سے زیادہ نہیں تو میرے برابر ضرور تم اس راز کو محفوظ رکھو گے آج تک میں نے اپنے دل کی کوئی بات تم سے چھپائی نہیں ہر کام میں مشورہ لیا مگر ہائے مجبور ہوں سخت مجبور ہوں ایک دو لفظ بھی زبان پر نہیں آسکتا ——— ہاں نہیں کہہ سکتا ——— کچھ نہیں کہہ سکتا اور کہوں بھی تو کیا خاک جس کے کارن اس حال کو پہونچا جس بے درد کی خاطر عیش و آرام تج بیٹھا اس ظالم کے دل میں میری محبت ہونا تو بڑی بات ہے۔ خدا جانے وہ میرے اس ناگفتہ بہ حال سے واقف بھی ہے کہ نہیں بھائی یوسف تم جانتے ہو بدنصیب کہنا یا سمجھنا میں پرلے درجہ کی بزدلی خیال کرتا تھا کیونکہ میرے عقائد کے لحاظ سے ماشاء اللہ کوئی چیز انسانی قوت سے باہر نہیں مگر اب کہتا ہوں کہ میں بدنصیب ہوں اور نہایت بدنصیب

کسی نے سچ کہا ہے

ارے ناداں دل نہیں آتا
موت آتی ہے اس بہانے سے　　(راز قاسمی)

محبت کے اس یقینی انجام اور لازمی نتیجہ کے استقبال کو میں بخوشی تیار ہوں جس کو عرف عام میں موت کہتے ہیں میں یہ نہیں چاہتا کہ اس کا ارادہ میرے ارادے کا پابند ہو سکی مرضی میری مرضی کی تابع ہو جائے بلکہ اس دن سے پہلے کہ میں تمام مادی تعلقات کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہدوں اس ساعت سے پیشتر کہ میری تمام آرزوئیں دو گز زمین میں دفن ہو جائیں ایک اور صرف ایک آخری تمنا ہے کہ اس کو ایک بار اچھی طرح دیکھ لوں اور وہ اپنے ترنم خیز انداز تکلم میں چپکے سے میرے کان میں کہدے کہ تمہاری ہوں۔

حامد نے بمشکل اپنی تقریر کا آخری حصہ ختم کیا تھا کہ اس کی قوت گویائی نے جواب دیدیا آگے کہنے کی طاقت نہیں رہی اور دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر زار و قطار رونے لگا۔ حامد جیسے مستقل مزاج اور متین شخص کو روتا دیکھکر یوسف سے بھی ضبط نہ ہو سکا آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے حامد کی باتیں ایسی نہ تھیں کہ بغیر اپنا کچھ اثر کئے فضا میں ملکر منتشر پریشان ہو جاتیں دل سے نکلی تھیں اور ان کے ٹھہرنے کا مقام دل ہی ہونا چاہیے تھا آخر حامد کی اس پر از حسرت یاس تقریر کا ایک ایک لفظ مجسم اثر بن کر کانوں کی راہ سے ہوتا ہوا سیدھا سعیدہ کے دل میں پہنچ گیا قریب تھا کہ بے اختیار سعیدہ کے منہ سے نکل جاتا۔ تمہاری ہوں۔ مگر اس نے بہزار دشواری اپنی بگڑی ہوئی حالت کو سنبھالا اور نہایت تیزی کے ساتھ اپنے کمرے میں پہنچکر چپکے چپکے آنسوؤں کی صورت میں دل کا غبار نکالنے لگی وہ تو کہئے کہ بڑی غیریت گزری کہ اُدھر کوئی آ نہیں نکلا۔ ورنہ اتنی مدت کے ضبط تحمل پر ایک دن کے قطرہائے اشک نے پانی پھیر دیا ہوتا۔

نانکہ اعلیٰ تعلیم و تربیت سے آراستہ۔ شائستہ سوسائٹی میں پرورش یافتہ اور شریف و معزز خاندان کا چشم و چراغ ہونیکے لحاظ سے یوسف ایک بلند حوصلہ آزاد خیال انسان کہلانیکا بجا طور پر مستحق ہے یہ سب ہی یقین لاکھ بھی کچھ ہو لیکن وہ انسان ہی ہے فرشتہ نہیں غلطی اور غصہ جب انسان کی سرشت میں رکھا گیا ہو تو یوسف کا اس سے بچ جانا کیا معنی

سعیدہ کی روز افزوں تغیر پذیر حالت وقت بے وقت کی ٹھنڈی سانس حرکات و سکنات کی بے ربطی اور حامد کے بعض معنی خیز الفاظ یہ سب باتیں ایسی نہ تھیں جن پر ہر ایک صحیح العقل صاحب نظر انسان بار بار دیکھنے کے باوجود بھی کچھ اعتنا نہ کرتا یوسف کے دل میں ایک خلش سی پیدا ہو گئی کہ کچھ نہ کچھ دال میں کالا ضرور ہے اور ہو نہ ہو حامد کی آہ وزاری کا سبب سعیدہ ہی ہو گی مگر ایک کوئی بات ایسی نظر نہیں آئی کہ جس سے اس کا شک درجہ یقین کو پہنچتا ایک دن ناشتہ کے بعد سعیدہ کو کچھ حرارت ہو گئی اور شام تک تو بہتا ہی بھننے لگی تھرمامیٹر لگا کے دیکھا تو پارہ (۱۰۶) درجہ پر تھا پھر کیا تھا سارے گھر میں بھینی کی رو دوڑ گئی بچارے ضعیف باپ کے ہوش اڑ گئے یوسف بھی پریشان ہو کر ڈاکٹروں کے پاس دوڑ دھوپ کرنے لگا۔ کئی ڈاکٹر آ گئے سب نے بالاتفاق کہا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں صرف ملیریا ہے اور دل و دماغ زیادہ کمزور ہونے کی وجہ غشی کے دورے ہو رہے ہیں مریضہ کے اعضائے رئیسہ کو ممکنہ آرام دیا جائے ڈاکٹروں کی ہدایت پر فوراً عمل کیا گیا سعیدہ کے کمرہ میں سے سب لوگ ہٹا دئے گئے صرف تنہا یوسف رہ گیا بخار کی شدت سے سعیدہ پر کچھ ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ ایک یاس آمیز لہجے میں کئی بار . . . .

تمہاری ہوں۔ تمہاری ہوں!!" . . . . . .

کہہ کے رونے لگی۔ یوسف جو سعیدہ کے پلنگ کی پٹی سے کرسی ملائے ہوئے خاموش بیٹھا تھا یہ معنی خیز گوش آشنا جملہ سنکر بے اختیار اچھل پڑا اور پردۂ سینما کی متحرک تصاویر کی طرح گذشتہ چند ماہ کے محض غیر معمولی واقعات دفعتہً یکے بعد دیگرے اسکی آنکھوں کے سامنے آ گئے اس کا شک یقین کامل سے بدل گیا یہ خیال کر لینا کہ یوسف کو اپنی بہن سے محبت نہ تھی سراسر انصاف کا خون ہو گا اس کو سعیدہ سے بیحد محبت تھی اور وہ اس کی ہر بجا خواہش کی تکمیل کے لئے ہر وقت تیار رہتا مگر غصہ اور جوش بری بلا ہے۔ پھر وہ بھی جوانی کا یوسف بزعم خود اس خیال خام پر مستحکم ہو گیا اور عہد کر لیا کہ چاہے کچھ ہو جائے حامد اور سعیدہ کی محبت کا سد باب کر کے رہوں گا۔ خدا خدا کر کے آٹھ دس دن کے بعد جب سعیدہ کی طبیعت کچھ درست ہوئی غریب بہ لطائف الحیل خالہ کے پاس بھیج دیگئی اور یہاں رازمیں اس کی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں خالہ کے گھر جانے کے چندہ روز بعد سعیدہ کی حالت بد سے بدتر ہو گئی غریب حامد حسب معمول یوسف کے پاس ہر روز آیا کرتا تھا اور یوسف بھی بظاہر وہی

(بقیہ صفحہ ۶۳ و ۶۴ پر ملاحظہ فرمائیے)

پامر کا خاندان

(تاریخ ہند کا ایک رومان)

"رسالہ انڈیا (انگریزی) بابتہ ماہ اکتوبر ۱۹۲۹ء میں جو انڈین پبلیکیشنز لمیٹڈ گلوسٹر ہاؤس نمبر ۹ لندن سے شائع ہوتا ہے ایک مضمون "دی ہاؤس آف پامر" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ جسے بریگیڈیر جنرل آر۔ جے۔ برٹن نے "تاریخ ہند کا ایک رومان لکھکر شائع کیا ہے یہ مضمون میرے مربی اور محسن حضرت مولانا سید خورشید علی صاحب قبلہ نظم دفتر دیوانی وغیرہ سرکار عالی نے مجھے عنایت فرمایا۔ جس کا ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ اس افسانے میں جو تاریخی غلطیاں اور بدحواسیاں جنرل برٹن صاحب سے صادر ہوئی ہیں۔ ان کی تردید آئندہ فرصت میں کیجائیگی۔"

"اصل واقعہ یہ ہے کہ مسٹر ویراسوامی ایک مدراسی بزرگ نے ریجنٹ اسٹریٹ لندن میں ایک "ہندوستانی رسٹارنٹ" قائم کی ہے اور انہوں نے اپنے تئیں پامر خاندان سے ظاہر کرکے یہ افسانہ تصنیف فرمادیا ہے۔ جسے روایت کرکے مسٹر برٹن نے مسٹر ویراسوامی پامر کے حق نمک سے سبکدوشی حاصل کی ہے۔"

(تمکین کاظمی)

جن لوگوں کو ریجنٹ اسٹریٹ کے "ہندوستانی رسٹارنٹ ویراسوامی" میں ٹھیرنے کا اتفاق ہوا ہے اُن کو یہ معلوم کرکے تعجب ہوگا کہ اس ہوٹل کے منتظمین اسی خاندان پامر کے نمائندے ہیں جس کو تاریخ ہند کے حیرت انگیز ابواب سے تعلق رہا ہے۔ لیکن ان لوگوں کے لئے جو شرق سے ناواقف ہیں یہ ہوٹل خود افسانوی فضاء رکھتا ہے۔ ایک زرق برق وردی پوش دربان جس میں شاید اتنی مشرقیت نہیں ہوتی جتنی کہ وہ ظاہر کرتا ہے۔ دروازہ پر کھڑا ہے اوپر کی منزل پر پہونچنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ جہاں شاندار کھانے کے کمرے ہیں جن میں شیر کی کھالیں

بچھی ہوئیں اور دیواروں پر ہندوستانی جانوروں کے سر لگے ہوئے ہیں۔ ہندوستانی خدمتگار[1] خاموشی کے ساتھ مصروف بکار ہیں۔ بہترین چٹنیاں جو ہندوستان سے منگوائی گئی ہیں ایسے ہندوستانی موسمی میوؤں کے ساتھ چنی ہوئی ہیں جو انگلستان میں شاذ و نادر ہی مل سکتے ہیں۔ تمام چیزیں دیکھنے والے کے سامنے مشرقی فضا، کو ایک نازک اور دلکش منظر کے ساتھ پیش کرتی ہیں۔ خلیق مالک ہوٹل سٹر (دیر اسوامی) پامر اور اُن کے فرزند اپنے مہمانوں سے گفتگو کرتے ہوئے خوش ہوتے ہیں خواہ وہ ہندوستان میں کچھ عرصہ رہے ہوں یا اپنی زندگی کا بڑا حصہ گذارے ہوں یا وہ اُس الف لیلیٰ والے ماحول کی بوالعجبی اور بہترین اکل و شرب سے محظوظ ہوئے ہوں۔

۱۸۰۵ء میں مرشد آباد کی فوجی چھاؤنی میں جس کا مستقر برہان پور تھا۔ ولیم پامر رہتا تھا جو دارن ہسٹنگز کا معتمد فوج اور بعد میں دربار پیشوا کا رزیڈنٹ مقرر ہوا ہے۔ ولیم پامر کے مزید حالات جان لیسٹر کی ڈائری سے مل سکتے ہیں۔ جان لیسٹر نے دسمبر ۱۹۰۵ء میں جنرل لیگ کے ساتھ ہندوستان میں محض مہمات سر کرنے کے بعد کلکتہ جاتے ہوئے جنرل پامر کی دعوت قبول کی تھی۔ اُن کا بیان ہے کہ :-

"جنرل نے ہماری شاندار دعوت کی اور رات کے دس بجے راگ و رنگ کے ساتھ کھانا ختم ہوا یہ پہلا موقع تھا کہ تھیٹر کی باہر میں نے اس قدر بہترین گانا سنا۔ تیسری بنگال انفنٹری کے کیپٹن اسکاٹ کی بیوی کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنی موسیقی سے بھی مجھے محظوظ کیا۔ یہ لوگ (پامر وغیرہ) اُس زمانہ میں بڑی شاندار زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک دوسرے شخص مسٹر پائل رزیڈنٹ مرشد آباد اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹر بھی تھے۔ اُن کے پاس سات جوڑیوں (جوڑی کی گاڑیوں) کے علاوہ سواری کے اعلیٰ نسل کے گھوڑے بھی تھے اور اُن کے انگریز کوچوان کے ماتحت متعدد سائس اور کل (۱۲۰) ملازمین تھے۔ پائل کے مکان پر (۳۰) آدمیوں کی دعوت ہوئی اور مختلف قسم کی شرابیں شامپین کلارٹ، ہاک پورٹ، اور ٹڈیرا خوب دل کھول کر اڑائی گئیں۔ بہر حال یہاں ہم کو پائل کے ہمسایہ جنرل پامر کا قصہ بیان کرنا ہے۔ جس نے لکھنؤ کی مشہور اور حسین شہزادی[2] سے شادی کی تھی۔

---

[1] ۔ میرا کرام اللہ صاحب کچھ نہ سمجھیں [2] یہ بھی لطیفہ ہے کہ یورپ سے جو کوئی ہندوستانی کسی واچنگ کمپنی یا ٹیلرنگ مارٹ یا ٹیلیفون کی مغلوک الحال لڑکی کو بیاہ کر لاتا ہے اُسے ہمیشہ کسی نہ کسی لارڈ کے خاندان سے مشہور کر دیتا ہے اور جو انگریز کسی مجہول الحال ہندوستان کی عورت سے تعلقات پیدا کر لیتا ہے تو اُسے شہزادی مشہور کر دیتا ہے (نگین) ۔

زوفنی جس نے اٹھارھویں صدی کی ہندوستانی زندگی اور شخصیتوں کی مختلف تصاویر کھینچی ہیں۔ اس شہزادی کے خدوخال کو بھی محفوظ کر دیا ہے۔

جنرل[1] پامر کے کئی ایک لڑکے تھے بڑا لڑکا ولیم پامر پہلا انگریز ہے جس نے نظام گورنمنٹ کی ملازمت[2] سنہ ۱۷۹۹ء میں قبول کی۔ دوسرا لڑکا گیارھویں بنگال انفنٹری میں نوکر تھا اور اس نے فروری سنہ ۱۸۰۱ء میں گوالیار کو مطیع کیا تیسرا لڑکا جان پامر تھا جو کلکتہ کا ملک التجار اور بڑا غریب دوست تھا جس کا مجسمہ کلکتہ کے ٹاؤن ہال میں موجود ہے۔ لیکن ہم یہاں پر صرف ولیم اور اُس کی اولاد کے حالات بیان کریں گے۔

سنہ ۱۸۰۰ء کی فہرست افواج حکومت نظام میں کرنل فنگلاس کے ماتحت عہدہ داروں کے تحت ولیم کا نام بھی "کپتان ولیم پامر" درج ہے۔ فنگلاس[3] ارلینڈ کا باشندہ تھا اور اُس کی اولاد ابتک ریاست حیدرآباد کی نمک خوار ہے فنگلاس اُس زمانہ میں بلکہ اُس کے پیشتر کے اُن خوش قسمت سپاہیوں میں سے تھا جو ہندوستان کے رئیسوں کی ملازمت میں تھے۔ سرکار نظام کی فوج میں ایک زمانہ میں اور اُس کے بعد ایک عرصہ تک بڑے بڑے مہمات کرنیوالے بہادر افسر ہوتے رہے۔ جن میں انگریزی بری اور بحری فوج کے شاہی افواج فرانس، اسپین، پرتگال اور ڈچ لوگ بھی شامل ہیں۔ انہیں میں میڈوز ٹیلر[4] جیسے مشہور قسمت آزما کا شمار بھی ہے جو سنہ ۱۸۲۴ء میں بمبئی کی تجارتی کوٹھی کا منشی بنکر آیا۔

---

[1] گرل صاحب نے تاریخ دکن جلد دوم صفحہ (۱۵۰) و (۱۶۱) پر لکھا ہے کہ جنرل پامر ایک مخلوط النسل شخص تھے اُن کے والد جنرل پامر سے ایک ہندوستانی لڑکی بیاہی گئی تھی جس کے بطن سے جارج پامر ولیم پامر ہنری ٹنگس پامر تین لڑکے تھے۔ جارج پامر نے کلکتہ میں بینکنگ شروع کی تھی۔ ولیم پامر اور ہنری ٹنگس پامر دونوں نے حیدرآباد آکر ایک بنک کھولی حضور نظام نے بھی فوجی ضروریات کی وجہ سے اس بنک سے قرضہ لیا تھا۔ اس کے حصہ داروں میں رمبولڈ نامی ایک مالدار شخص بھی تھا۔ پامر نے اپنی بنک اور ایجنٹ کی حیثیت سے ولایتی سامان منگوانے اور امراء و کمن کو دیکر اور اُن کی فرمائشوں کی تعمیل کر کے اسقدر رسوخ حیدرآباد میں پیدا کر لیا تھا کہ ریذیڈنٹ سے زیادہ شہرت ہو گئی تھی۔

[2] گرل صاحب کا بیان ہے کہ پامر نے سنہ ۱۷۹۹ء میں علاقہ فوج میں نوکری کی اور سنہ ۱۸۰۱ء میں وظیفہ لیا۔ (دیکھو تاریخ گرل ص ۱۶۰ و ۱۶۱)

[3] جان فنگلاس جو حیدرآباد میں بہت مشہور رہے ہیں اور تالاب میر جملہ کے متصل جن کا کوٹھا ابتک جانگلس کا کوٹ کہلاتا ہے۔

[4] یہ وہی کرنل میڈوز ٹیلر ہیں جنہوں نے امیر علی ٹھگ، چیتا ہمارا، سیتا وغیرہ لکھی ہیں لکھیں یہ ابتداءً اورنگ آباد اور پھر نلدرگ (دارہ سیون حال عثمان آباد) میں رہے۔ بالکل ہندوستانی طریقہ پر زندگی بسر کرتے تھے۔ مشہور ہے کہ ایک مرہٹہ عورت بھی ان سے متعلق تھی۔ نلدرگ کے قریب ایک قصبہ ٹیلر نگر کے نام سے آباد کیا تھا جو اب ویران ہے۔ البتہ اسی قصبہ میں ایک قبرستان ہے جس میں میڈوز ٹیلر اور اُن کے متعلقین کی قبریں ہیں۔ (تمکین)

بنج زوفنی کی جس تصویر کا حوالہ اس مضمون میں مسٹر برٹن نے دیا ہے اور جس کا بلاک بھی شائع کیا ہے یہ وہی تصویر ہے جو مسٹر کرک پیٹرک اور خیرالنساء سے متعلق مشہور کی جاتی ہے خیرالنساء اور کرک پیٹرک کے قصے پر انشاء اللہ آئندہ کسی فرصت میں روشنی ڈالی جائیگی (تمکین)

لیکن بعد میں اُس نے کلایوک کی اتباع میں قلم کو تلوار سے بدل دیا اور نظام کی فوج میں ملازمت کر لی - ہندوستانی ریاستوں میں اس قسم کے قسمت آزماؤں کے لئے نادر موقع تھا - جو لوگ چالیس سال پہلے کسی ہندوستانی ریاست میں رہ چکے ہیں اُن کو یاد ہوگا کہ اصطبل کی داروغگی جیسی معمولی خدمت انجام دینے کے باوجود وہ "میں اور دیگر امراء"[1] بات بات پر کہا کرتے تھے مختصر یہ کہ میڈوز ٹیلر نے کپتان ولیم پامر کی لڑکی سے شادی کی تھی -

۱۸۰۳ء میں جب مراہٹہ جنگ ہوئی تو ولیم پامر نظام کنٹیجنٹ کا بریگیڈ میجر تھا جو کرنل اسٹیونس کے ماتحت حیدرآباد کی امدادی (کمکی) فوج تھی - جس کے کارنامے ڈیوک آف ولنگٹن کے مضامین میں ملیں گے اس طرح ولیم کو انگریزوں کے سب سے نامور سپاہی کے ماتحت برار سندھیا کے راجہ گوالیار سرداروں کی مشترکہ فوجوں کو اسائی اور ارگام میں شکست دینے کے موقعوں میں ساتھ دینے کا موقعہ ملا -

بہرحال یہ بات یقینی نہیں ہے کہ پامر اُن دونوں لڑائیوں میں سے کسی ایک میں بھی شریک رہا ہو - ورنہ وہ نظام کی فوجوں کو قابو میں رکھتا - جن کے متعلق مشہور ہے کہ جب انگریزی فوج اسائی کے میدان میں لڑ رہی تھی تو یہ لوگ اُن کے ساز و سامان کو لوٹ رہے تھے - پامر اُس وقت اورنگ آباد میں فوج کا سردار اور کمانڈر تھا - جہاں پر اُس نے فارسی مترجم اور مشیر کی خدمات بھی انجام دئے اور ولزلی کو دشمن کی نقل و حرکت کی صحیح ترین اطلاعات بھی بہم پہونچائیں جسکی وجہ سے جرنل کو بارہا اس کا شکر گزار ہونا پڑا -

جنگ کے اختتام پر صلح کے شرائط کے تحت مفتوحہ مقبوضات (جن میں برار بھی شامل تھا) کا تصفیہ کرنے کے لئے پامر کو مقرر کیا گیا -

۱۸۰۸ء میں سرکار نظام کے خلاف راجہ مہاپت رام نے بغاوت کی تو یہی پامر کی خدمات حاصل کیگئیں اور اُس نے بکمال جرأت و ہمت راجہ کے گھر میں تنہا جاکر راجہ سے گفتگو کی اور بہ تو قائل کر کے شورش فرو کرادی -

۱۸۱۰ء میں پامر نے حیدرآباد میں ساہوکارہ شروع کیا یہ ایسا کام تھا کہ اس کا اثر ابتک باقی ہے کیونکہ اس کو برار کی تاریخ سے گہرا تعلق ہے اور مسئلہ برار کی ابتک یکسوئی نہیں ہوئی - پامر کے اس ساہوکارے میں

---

[1] - معلوم ہوتا ہے کہ صاحب لوگوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو امراء میں شمار کیا ہے -

سر ولیم رمبولڈ[1] کا حصہ بھی تھا۔ جنھوں نے حیدرآباد میں ۱۸۳۳ء میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے۔ سر ولیم۔ سر تھامس رمبولڈ کے پوتے تھے جو پلاسی کی لڑائی میں کلایو کے ایڈی کیمپ تھے اور اسی لڑائی میں زخمی بھی ہوئے، رمبولڈ کے خاندان نے ملک کی ممتاز سیاسی خدمات انجام دی ہیں۔

ولیم پامر کے کاروبار کرنے سے اس کی فوجی خدمت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ ۱۸۱۲ء میں سرکارِ نظام کی کچھ فوج نے شورش کی جسے پامر ہی نے فرو کیا اور اس شورش کے سرغنوں کے مقدمہ کی سماعت بھی فوجی جج کی حیثیت سے اسی نے کی۔

لیکن تاریخ دکن[2] میں خاندان پامر اور راجہ چندو لعل وزیر اعظم ریاست نظام کے تعلقات رقمی لین دین کے لحاظ سے دلچسپی اور خاص اہمیت رکھتے ہیں یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ساہوکاری شروع کرنے کے لئے پامر کے پاس اسقدر رقم کہاں سے آئی۔

صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ پامر کو اس کی ماں لکھنؤ کی شہزادی[3] کی طرف سے کچھ دولت ملی تھی اور شاید اس کے باپ کو کہیں سے پارس کا پتھر مل گیا ہو۔ اس کی خدمات کے صلہ میں اسے سرکارِ نظام کی طرف سے سالانہ

---

[1] سر ٹامس رمبولڈ نے حیدرآباد میں خاصی شہرت اور عزت حاصل کی تھی اور امیرانہ ٹھاٹ سے زندگی بسر کرتے تھے۔ بگل کنٹہ وغیرہ جہاں واقع ہے یہ سب زمین انہیں کے قبضہ میں تھی اور "حاطۂ رمبولڈ" کے نام سے مشہور تھی۔ محبن الملک کی کوٹھی جو اس سے پہلے پسٹن جی کی کوٹھی کہلاتی تھی پسٹن جی سے قبل رمبولڈ کی کوٹھی کے نام سے مشہور تھی۔ اور رمبولڈ ہی نے بنوایا تھا۔

[2] ۔ مسٹر برٹن نے تاریخی حوالے سے صرف گپ ٹھوک دی۔ تاریخ دکن میں پامر کے قرضے کا کہیں ذکر ہی نہیں ہے۔

[3] ۔ پامر کی ماں کے لکھنؤ کی شہزادی ہونے کا تو کوئی ثبوت نہیں ملتا، البتہ ہماری دریافت میں صرف اسقدر پتہ چلا ہے کہ پامر صاحب کی والدہ ماجدہ پنجابن پیشہ ور تھیں اور بس۔ اب چاہے اسے شہزادی کہہ لیجئے یا بادشاہ بیگم۔

پامر صاحب سے حکومت نظام نے کبھی قرضہ نہیں لیا۔ البتہ ۱۸۶۳ء میں بعض امراء نے مہاراجہ چندو لال بہادر کی ضمانت پر پامر سے کچھ قرضہ حاصل کیا تھا۔

۱۳۰۵ء میں ایک مقدمہ دائر ہوا تھا جس میں حکومت نظام کو رمبولڈ کا مقروض ظاہر کیا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ پامر کے پسماندے اسی مقدمہ کی بنا پر پامر کی رقم حکومت نظام کی طرف پاتے ہوں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ معاملہ رمبولڈ کا تھا۔ چونکہ کاروبار رمبولڈ ہی کا تھا اور رقم بھی رمبولڈ کی تھی اور بنک بھی رمبولڈ ہی کا تھا۔ اس لئے کل کاروبار رمبولڈ کے نام سے ہوا کرتے تھے۔ چونکہ بنک کا منیجر پامر تھا۔ اس لئے لوگوں نے انہیں کے نام سے مشہور کر دیا۔ جس طرح کہ ابن صاحب کے مقبرے کو پامر کا مقبرہ مشہور کر دیا گیا اور آج تک اس پر "مقبرۂ پامر" کی تختی لگی ہوئی ہے۔ (تلکین)۔

ساٹھ ہزار روپیہ وظیفہ بھی ملا کرتا تھا۔ یہ بھی یقین کیا جا سکتا ہے کہ اس ساہوکاری میں رمبولڈ کا بہت بڑا حصہ ہوگا کیونکہ اس زمانے میں اکثر انگریز ہندوستان میں بڑی بھاری بھاری رقمیں جمع کر لیا کرتے تھے۔

بہرحال برار کے گوونڈبخش کے رسالہ کے لئے پامر کی دوکان سے بڑی بڑی رقمیں قرض دیجایا کرتی تھیں اس رسالے کے اخراجات برار کے محاصل سے ادا کئے جاتے تھے۔ مسٹر ہنری رسل (جو بعد میں سر ہنری رسل گئے) رزیڈنٹ حیدرآباد نے اس لین دین کو بہت پسند کیا ہے۔ راجہ چندولال وزیر حیدرآباد بھی پامر کے بنک سے مبادلتہً رقم لیا کرتے تھے۔ ڈائرکٹران ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس طریقے پر ریاست کی مالی امداد دینا پسند نہ تھا۔ اگرچہ پامر کے بنک نے ایک طرف ریاست کو دیوالیہ[1] ہونے سے بچا لیا تو دوسری طرف سرکار نظام کی فوج میں نہایت ضروری اصلاحات کیں اور یہ اصلاحات حکومت برطانیہ کے لئے ۱۸۱۷ء کی مرہٹہ اور پنڈاری جنگ میں بہت مفید ثابت ہوئیں۔ پامر کی بنک سے حکومت کو ساٹ لاکھ روپیہ قرضہ دیا گیا تھا۔ جو اس زمانے کے شرح مبادلہ سے چھ لاکھ پونڈ ہوتے ہیں۔ حال تک اس قرضے کا مطالبہ ہوتا رہا ہے اور ابتک اس کی پوری ادائی نہیں ہوئی[2]۔

یہاں سے کرنل میڈوز ٹیلر کا اس قصہ سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ انہوں نے ولیم پامر کی لڑکی سے شادی کی اور اس رشتے سے پامر بنکر کے پوتے مسٹر اڈورڈ پامر[3]، ہندوستانی ہوٹل کے مالک (دیرا سوامی) کے ماموں تھے۔

میڈوز ٹیلر نظام کنٹیجنٹ کے مشہور افسروں میں سے ہیں۔ جنھوں نے نظم و نسق کی بیشتر خدمات انجام دیں اور عرصہ تک شولاپور کے ذمہ دار عہدہ دار رہ چکے ہیں۔ انکی مشہور تصنیف "کنفشن آف اے ٹھگ"[4] ہے جس کی تالیف قیام ایلچ پور لارڈ ایلن برا کے زمانہ میں ہوئی ہے۔ اس میں ٹھگوں کی جماعت کے

---

[1] ۔ سٹرلنگ کی یہ ایک مضحکہ خیز گپ ہے۔ خدانخواستہ آج تک سرکار عالی کے مالیہ پر ایسا وقت نہیں آیا۔

[2] ۔ یہی وہ رقم ہے جو رمبولڈ سے قرض لی گئی تھی اور جو رمبولڈ کے ورثاء کو ادا کر دیگئی۔

[3] ۔ ایڈورڈ پامر ہنری ٹنگز پامر کا بیٹا تھا ۱۸۴۳ء/۱۲۵۹ھ میں مہاراجہ چندولال بہادر کی سرکار میں بحیثیت ڈاکٹر پانچسو روپیہ تنخواہ پر خانگی ملازم ہوا اور فضول خرچی اور عیاشی کی وجہ سے ہمیشہ مفلس رہا اور مقروض ہو کر مرا۔ اس کی موت کے بعد اس کا متروکہ ہراج کر کے قرضخواہوں پر تقسیم کر دیا گیا

[4] ۔ اس کا ترجمہ اردو میں مولوی محب حسین مرحوم نے "امیر علی ٹھگ" کے نام سے کیا ہے جو طبع ہو چکا ہے (مکتبہ)

واقعات بیان کئے گئے ہیں جو اُس زمانے میں ہندوستان کے شاہ راہوں پر پھیلے ہوئے تھے اور ہزاروں مسافروں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ حکومت برطانیہ نے اُس جماعت کا سُراغ لگایا اور سزائیں دیں یہ "ٹھگ ہندوستان کے لئے ایسے ہی تباہ کن تھے۔ جیسے آج کل انگلستان میں موٹریں"۔ یہ ٹھگ شیروں سے بھی زیادہ ظالم اور بے باک تھے۔

ایک دوسری کتاب میں میڈوز ٹیلر نے اپنی زندگی کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "نظام سرکار نے چوبیس لاکھ روپیہ ولیم پامر کو قرض کی بابتہ ادا کیا"۔ سر ولیم رمبولڈ کے متعلق بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۸۸۸ء سر ہورس رمبولڈ کو ان کے آبا و اجداد کے قرضہ کی بابتہ پچیس یا تیس[1] لاکھ روپیہ ادا کیا گیا۔ مگر ولیم پامر کے ورثاء کو یہ رقم نہیں ملی۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ خاندان پامر کو بلا توسط نہیں تو بالتوسط برار کے مسئلہ سے تعلق ہے[2]۔ جس کا دوبارہ مطالبہ تین سال پہلے حکومت نظام کی طرف سے ہوا تھا۔

نظام کنٹیجنٹ جس کا قیام برطانیہ سے صلح کے وقت ہوا تھا ۱۸۵۳ء میں چند اصلاحات کے بعد حیدرآباد کنٹنجنٹ کے نام سے بدل گئی۔ ۱۸۱۷ء سے ۱۸۱۹ء تک جنگ مرہٹہ اور پنڈاری میں اس فوج نے بہترین خدمات انجام دئے ہیں اور اس ہنگامہ خیز ملک کے قیام میں اس کا بڑا حصہ ہے۔ سرہیو ہوز کی سرکردگی میں وسط ہند کی بغاوت فرو کرنے میں اس کی قدر و قیمت اور زیادہ بڑھ گئی۔

اس کنٹنجنٹ کی تنخواہ کی ادائی میں بڑی مشکلات پیش آتی رہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں نے ادائی رقم کے اس طریقہ کی مخالفت کی جسے راجہ چندو لال نے پامر بنک کے ذریعہ حاصل کر کے ادائی کا انتظام کیا تھا۔ حکومت برطانیہ کی طرف سے بتوسط رزیڈنٹ رقم دئے جانے کا انتظام کیا گیا۔ اس وجہ سے ۱۸۵۳ء تک قرض کی ادائی نہ ہو سکی اور ایک نئے صلحنامہ کی رو سے صوبہ برار حکومت برطانیہ کو دیدیا گیا کہ گورنمنٹ اُس

---

[1] یہی وہ رقم تھی جو رمبولڈ سے اُس وقت قرض لی گئی تھی جبکہ ان کی بنک منیجر پامر تھا ۱۳۰۵ف / ۱۸۹۵ء میں یہ دعوے کیا گیا اور دو سال کے بعد ۱۳۰۷ف / ۱۸۹۷ء میں رمبولڈ کے بیٹے یا پوتے سر ہورس کو رقم ادا کر دی گئی۔ اب اُن سے وصول کرنا پامر کے خاندان کا فرض تھا سرکار نظام پر نہیں۔

[2] کسقدر مضحکہ خیز استدلال ہے کہ چونکہ امداد فوج کی تنخواہ کے لئے پامر بنک سے قرض لیا گیا تھا لہذا خاندان پامر کا تعلق مسئلہ برار سے ہے۔ اگر یہی طرز استدلال رہا تو کل کے روز ہر پوسٹ آفس کلرک یہ دعوے کریگا کہ چونکہ ہم نے حکومت نظام اور سرکار برطانیہ کی خط و کتابت کے موٹے موٹے لفافہ اِدھر سے اُدھر روانہ کئے ہیں لہذا ہمارا تعلق بھی مسئلہ برار سے ہے اور برار کا ایک سال کا محاصل ہمیں دیا جائے۔

(تمکین)

صوبہ کے بندوبست اور حیدرآباد کنٹنجنٹ کے اخراجات منہا کر کے باقی رقم حکومت نظام کو دیا کرے۔

۱۸۶۰ء میں جب تاج برطانیہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے ہندوستان پر حکومت کرنے کے اختیارات سلب کر لئے تو اُس وقت صلحنامہ کی تجدید ہوئی ۱۹۰۲ء تک یہ انتظام برقرار رہا اور اس کے بعد حسب معاہدہ لارڈ کرزن ایک سالانہ رقم کے معاوضہ میں برار کا دوامی پٹہ دیدیا گیا۔ اسی زمانہ میں حیدرآباد کنٹنجنٹ کو ہندوستانی باقاعدہ افواج میں ضم کر دیا گیا۔ لیکن جو واقعات بعد میں پیش آئے اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکمران حیدرآباد کے لئے برار کا تصفیہ اُس وقت تک نہ ہوگا جب تک کہ وہ حقیقی خود مختاری سے محروم ہیں۔ موجودہ صورت میں خاندان پامر کو بجائے اُس رقم کی توقع کرنے کے جو اُس نے ریاست کو قرض دیا ہے۔ اپنے ریجنٹ اسٹریٹ والے ہوٹل سے توقعات قائم رکھنا چاہئے۔[1] (تمکین کاظمی)

حضرت تمکین کاظمی کی تصنیفات

تذکرۂ ریختی:۔ یہ تذکرہ نہایت تحقیق سے مرتب کیا گیا بقول مصنف "تقریباً ڈیڑھ سو مختلف تذکرے اور کتابیں دیکھیں جہاں جہاں سے مواد ملا لے لیا" قیمت (عہ) ۔

غنچۂ تبسم: یہ آپ کے قابلدید مزاحیہ مضامین کا مجموعہ قیمت (عہ)

ارنسٹ:۔ آسکر وائیلڈ کے مشہور شاہکار کو اردو کا جامہ پہنایا گیا ہے قیمت عہ ملنے کا پتہ مکتبۂ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن

---

[1] ۔ اس افسانے کے ساتھ جو تصویر شائع ہوئی اس کے نیچے حسب ذیل عبارت لکھی ہوئی ہے۔

"میجر اور بعد کو جنرل) ولیم پامر اور اُس کی بیوی (F) F U N N i S S A) بیگم آف دہلی (خاندان شاہان مغلیہ اور" "تین بچے ولیم پامر (حیدرآباد کا مشہور بنکر) جان پامر (کلکتہ کا مشہور سوداگر) تین لڑکیان عمل زوفانی"

اس لکھنؤ کی شہزادی کا نام جو مغلیہ خاندان کی تھی اتنا نیا نام ہے کہ آج تک سننے میں نہیں۔ چاہے اس نام کو ترا شنے والے پامر ہوں یا مسٹر زوفانی یا مسٹر برٹن مگر نام دلچسپ تجویز کیا گیا ہے۔

جہانتک ہماری خانگی معلومات کا تعلق ہے اُس افسانے کو مسٹر ویراسوامی پامر نے تصنیف کیا ہے اور سر چارلس ہوہوز نے اس کی تائید کر کے شہرت دی ہے۔ انشاء اللہ آئندہ کسی فرصت میں خاندان پامر پر روشنی ڈالی جائے گی۔

(تمکین)

انتقام الفت

(موپاسان کے ایک فرانسیسی افسانہ کا ترجمہ)

رات کے تین بجے پیرس کی مشہور، شوخ و طناز خاتون "لوس دے لانسرٹ" اپنے نئے جیب سرہورس پلیفرڈ کے بازو پر جھکی ہوئی مشہور استوران "ریٹ مورٹ" سے باہر نکلی۔

شب بھر داد عشق دینے، شراب ناب اور بوسوں کی پُراسرار حرارت سے ملول و پژمردہ ہو کر مادام لانسرٹ اب نکلی تھی۔

مادام لانسرٹ پیرس کی اُن خواتین میں سے نہ تھیں جنکی زندگیاں نہایت پاکبازی، خوش باشی اور بے لوث طریقہ سے شروع ہوتی ہیں مگر بعد میں وہ "نذر معصیت" ہو کر اخلاقی حدود سے گر جاتی ہیں اور انسانیت کی پستی میں پہنچ جاتی ہیں۔ بلکہ یہ اُن خواتین میں سے تھیں جنہیں "مہذب حرام کار" اور عفت فروش کہا جائے تو کوئی ظلم نہ ہوگا۔ مادام لانسرٹ نے باغ کے بنچوں پر بیٹھکر معمولی حرام کاری سے ابتدا کی تھی اور اب وہ دولتمند قدر دانوں کی ہمت افزائی کے سہارے پر بام رفعت ـــــ یا فرش ذلت پر پہنچ گئی تھی!

مادام کی عمر تیس سال کی تھی اور حسن و رعنائی جسم سے پھوٹی پڑتی تھی۔ پیرس کے حسن کار مصور و بت تراش اس کے خوبصورت سڈول جسم کے خطوط و نقوش، اور گداز و رعنائی پر جان چھڑکتے تھے اور اپنے فن کے ذریعہ فطرت کو شرمانے کی کوشش کرتے تھے۔ مادام لانسرٹ کے جیب سخت متعجب ہوتے تھے کہ اس نے عمر کے بیشتر حصہ کو گناہ کے نذر کر دینے کے باوجود ابتک کس طرح اپنی خوبصورتی و رعنائی کو برقرار رکھا ہے

مادام لانسرٹ کی زندگی کی ابتداء باغ میں بیٹھکر پھول بیچنے سے ہوتی ہے۔ اس وقت تک اسے کتنے لوگوں

سے سابقہ پڑا۔ محبت، بیوفائی، دلبیائی کے کتنے جذبات وتاثرات اس کے سینۂ بلورین میں پیدا ہوئے ہیں سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی زندگی مختلف ومتضاد کیفیات کا آماجگاہ رہی ہے۔ محبت وحیات انسان کے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالنے کے لئے ہمیں دنیا کے بہترین مہذب شہر کی سوسائٹی کے بلند افراد کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

مادام کی خاطر لوگ برباد ہوگئے بیسیوں نے خودکشی کی، اپنے عنفوان شباب میں وہ ایک حسین عورت کیا قیامت تھی جدھر گذر جاتی تھی۔ ہزاروں دل نیم سوختہ ہو جاتے تھے اور عمر بھر کباب ہوتے تھے!! محبت اور عورت!!

ایک عرصہ سے مادام لانسرٹ پیرس کے مشہور متمول عالی خاندان بزرگ سرہورس عاشق تھے اور سب عادت مادام اپنے مصنوعی عشق کا اظہار کر رہی تھی۔ مادام لانسرٹ پر سرہورس اپنا تمام سرمایہ برباد کر رہے تھے۔ پیرس کی ہر سوسائٹی میں اس دلفریب عنوانِ الفت کا تذکرہ رہتا تھا۔ تماشہ کے آخری سین کو دیکھنے کے لئے ہر شخص بے تاب نظر آتا تھا! ہر ایک کو توقع تھی کہ "تماشۂ الفت" کے بعد کی نقل بہت بے پناہ ہوگی اور دنیا کے لئے ایک سبق چھوڑیگی ـــــ مگر پیرس ـــــ آہ! یہ بلدیۂ مسرت وعشرت تمام عبرتوں سے غافل رہتا ہے وہ گناہ کے خونی سمندر میں ڈوبنا ہی ماحصل حیات سمجھتا ہے!

سرہورس اور مادام لانسرٹ رستوران کے سیڑھیوں پر سے اترتے ہوئے پیرس کے ایک بارونق بازار میں آکھڑے ہوئے۔ موسم گرما کی نہایت خوشگوار رات تھی۔ نرم، مسرت آگیں اور شمیم بار نسیم چل رہی تھی۔

مادام لانسرٹ نے سرہورس کے قریب تر ہوکر کہا: "کیا ہی دلنواز شب تھی اور یہ نسیم صبح بس دل پر تیر چلا رہی ہے آج رات اگر ہم ساحل آب کے قریب ہوتے تو بڑا کیف ونشاط رہتا"

سرہورس نے جواب دیا ـــــ "شیریں! اگر تم چاہو تو ابھی سمندر کی طرف چلیں یہاں سے کوئی ٹکسی لے لو اور ساحل سمندر تک چلو صبح ۸ بجنے تک قصبہ دایلے تک پہونچ جائینگے وہاں سے ریل روانہ ہوتی ہے واپسی میں بالکل آسانی رہیگی"

"مجھے آپ کی تجویز سے کامل اتفاق ہے۔ اب آپ سواری کا انتظام کیجئے"

"جو کسی نہیں سب سے پہلے لیگی اس میں بیٹھکر بس فوراً ہی روانہ ہو جائیں گے"

قریب ہی کرایہ کی موٹروں کا پارک تھا۔ سرہوریس ایک قطار کے پاس پہونچے اور ایک سیاہ رنگ کے موٹر کے قریب پہونچکر اس کے ڈرائیور کو جو اگلی سیٹ پر جھکا ہوا اونگ رہا تھا جگایا اور کہا "داپے لے چلو"۔

موٹر ڈرائیور نے آنکھیں ملیں اور داپے کا نام سُن کر کہا "یہ تو بڑی دور ہے"

"بس کہدیا، تم کو چلنا ہوگا!" سرہوریس نے جھنجلا کر کہا۔ "بیس پونڈ ملیں گے جلدی کرو!"

"بہت مناسب"! بیچارے ڈرائیور نے بیس پونڈ کے رُعب یا لالچ میں آکر کہا۔

مادام لانسرٹ اور سرہوریس موٹر کی پچھلی نشست پر نہایت آرام سے بیٹھ گئے اور ڈرائیور نے موٹر چلانا شروع کردی۔ جب موٹر روانہ ہوگئی تو سرہوریس نے شوفر کی طرف متوجہ ہوکر کہا ــــ "اگر تمہیں داپے کی جانب کا راستہ معلوم نہ ہو تو میں بتا سکتا ہوں"

"مطلق نہیں۔ جناب، آپ کو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے تمام فرانس کی سڑکیں معلوم ہیں چپہ چپہ پر گھوما ہوں۔ برسوں ان سڑکوں کے موڑ توڑ دیکھے ہیں ــــ"

ڈرائیور ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ چہرہ بہت پژمردہ اور کرخت نظر آتا تھا۔ آنکھیں بے رونق اور دھنسی ہوئی تھیں۔ اگر سرہوریس موٹر میں تنہا ہوتے تو وہ اس دلچسپ شکل سے گفتگو میں ضرور مصروف ہو جاتے ہیں۔ پہلو میں بیٹھی ہوئی ایک حسین عورت کے عطر بیز وجود نے اس کی تمام توجہات جذب کر رکھی تھیں۔

خود خواب پیرس کی خاموش گلیوں، بے رونق اور بند بازاروں میں سے موٹر گذرتی ہوئی شہر کے مضافات میں داخل ہوئی اور چند منٹ بعد ایک طویل چوڑی سڑک پر جا پہنچی۔ چاروں طرف کھلا میدان تھا اور جسم کی شمیم بار ہوا کے جھونکے دل کے کنول کو کھول رہے تھے۔

نہ تو سرہوریس کو نیند آرہی تھی نہ ان کی رفیقہ کو، وہ اس وقت عشق کے نشہ اور شمپین کے اثر و خمار کی وجہ سے بہت چاق و چوبند بنے ہوئے تھے۔ مزیدار باتیں کرتے ہوئے نکلے چلے جارہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد صبح صادق ہوگئی اور گاؤں آگیا جہاں ناشتہ کا انتظام ہوسکتا تھا۔ سرہوریس کی تجویز صادر کرتے ہوئے۔ مادام لانسرٹ نے موٹر رکوائی اور موٹر سے اترتے ہوئے اس لمبے رومال کو گردن سے علیحدہ کیا جو تمام سفر میں اس کے گرد لپٹا رہا تھا اور چہرہ کے خدوخال اس وقت تک جس سے چھپے ہوئے تھے۔ مادام لانسرٹ اکثر یہ رومال گردن میں ڈالے رکھتی تھی جو اس کی طرحدار گردن میں ایک بے مثل چیز محسوس ہوتی تھی۔

جونہی مادام نے اپنے چہرہ سے زرد رومال ہٹایا اور شوفر نے اس کی طرف ایک آنکھ بھر کر دیکھا وہ ہکا بکا رہ گیا۔ کئی لمحے تک اس خوبصورت عورت کو مسلسل ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ وہ متحیر معلوم ہوتا تھا۔ مادام لانسرٹ نے اس داد حسن کو قبول کیا۔ جو شوفر اپنی بے رونق آنکھوں سے دیر ہا تھا۔ مادام نے اپنے حسن کے ہر معمولی سے معمولی خراج کو قبول کر لیا مگر سرہوریس کسی قدر مضطرب اور مشکوک ہوکر کہنے لگا ـــــ "یہ شخص تمہاری قیمتی انگشتریوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے میں نے تو کہا تھا کہ آج ان تمام زیوروں کو نہ پہنو اگر خیر! دونوں نے آگے قدم بڑھایا مادام بولی" اوہ! نہیں! وہ میری انگشتریوں کو نہیں میرے چہرہ کو دیکھ رہا ہے۔ میرے حسن پر قربان ہوجانے کا عنوان تلاش کر رہا ہے! آہ وہ مسحور ہوچکا ہے۔ مجھے یقین ہے وہ مجھ پر فریفتہ ہوگیا ہے ـــــ آہ اب مجھے یاد آیا' میں نے اسے کہیں دیکھا ہے' کہاں! یہ تو ابھی تک یاد نہیں آیا۔ مگر میں نے اسے کہیں دیکھا ضرور ہے ـــــ ہاں' ہا ہا اب یاد آگیا' سرہوریس میں جب باغ میں بیٹھکر "پھول بیچا" کرتی تھی۔ اس وقت اس شخص نے مجھ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ مگر میں بڑے مضبوط کردار کی مالک ہوں۔ دنیا نے معصیت میں گھسیٹنے کی بڑی طرح سے کوشش کی۔ مگر میں سخت چٹان کی طرح سے اپنی جگہ قائم رہی۔ یہ بھی انہیں اشخاص میں سے تھا جو مجھ سے گناہ کی زندگی بسر کرانے کے لئے کوشش کر رہا تھا ـــــ ایسا کیوں نہ کریں اسے کرایہ دیکر ہم یہیں چھوڑ دیں اور کسی قدر انتظار کر کے ڈاک لیجانے والی گاڑی میں سوار ہوکر پیرس چلے جائیں۔ دوپہر تک انتظار کرنا پڑیگا۔ مگر اس خبیث سے نجات مل جائیگی۔ مجھے اسکی نظریں ایک آن نہیں بھاتی ہیں کمبخت نے میرے رومال کو برباد کر دیا۔ اس موذی کی موٹر ہماری

قسمت میں کیوں لکھی تھی ــــــ"

"مادام ڈورنے کی کیا بات ہے؟ میرے پاس بھرا ہوا ریوالور ہے، بھلا یہ تمہارا کچھ بگاڑ سکتا ہے؟ ابھی فنا کر دونگا بد ذات کو!"

(باقی، باقی)

ظفر قریشی بی، اے (دہلوی)

فرانسیسی افسانے

شائع کردہ مکتبہ ابراہیمیہ

فرانس کے جادو نگار مختصر افسانہ نویسوں کی بہترین کاوشوں کا انتخاب ہے۔ کتاب با تصویر ہے طباعت کتابت عمدہ قیمت ۱۲

رسالہ اردو کی رائے :۔ "اس میں کل نو افسانہ ہیں جو مختلف فرانسیسی مصنفوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ افسانے مشہور ہیں ان کے ترجمہ یورپ کی دوسری زبانوں میں بھی ہو چکے ہیں ..... زبان اور بیان دونوں افسانوں کے لحاظ سے نامناسب نہیں"

دلگداز افسانے

کوثر چاندپوری کے چودہ افسانوں کا دلکش مجموعہ ہے۔ ہر افسانہ نتیجہ خیز سبق آموز اور مؤثر ص ۲۰۰ سرورق رنگین قیمت ۱۲

ملنے کا پتہ۔ مکتبۂ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن

قربانی

موج خوں سر سے گذر ہی کیوں نہ جائے
آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا ؟

جہاں مہاتما بدھ کا ناخن دفن تھا اُس پر بادشاہ بمبارا نے ایک مندر تعمیر کرایا ..... ایک خوبصورت پتھر کی عمارت تھی جس میں شام کے وقت نوجوان شہزادیوں کا جمگھٹا رہتا تھا ..... جو مشعل اور پھولوں کے ہار سے اُس مندر کو شعلۂ جوالہ بنا دیتیں ..... پھولوں کی مہکار سے مندر دلہن بنا رہتا ـــــ"

استداد زمانہ نے جسٹسر کو بادشاہ بنا دیا جو اُس کا بیٹا تھا ..... جس نے اپنے باپ کے قدیم مذہبی خیالات کو اپنی دانست میں ناجائز تصور کرتے ہوئے ..... بدھ مذہب کی ساری نشانیوں کو نذر آتش کر دیا ..... اور یہ حکم نافذ کیا کہ یہ سب خرافات ہیں ..... نیز یہ کہ آئندہ اس کی مملکت میں قابل پرستش یہ تین چیزیں ہونگی ـــ ..... وید ..... بادشاہ ..... اور برہمن ....."

خواں کا دن تمام ہوا ..... شام ہونے آئی ..... شریمتی نامی محل کی ایک خوبصورت پروردہ لڑکی نہا دھو کر پھولوں کا ہار اور شمع لئے ہوئے محل میں داخل ہوئے اور شہزادی کے قدموں پہ جھک گئی ..... شہزادی جو کسی گہرے خیال میں مستغرق انگور کی بیل سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی ۔ زرد رنگ کی دھوپ اس کے چہرے پر پڑ کر اُس کے خد و خال کو اور نمایاں کر رہی تھی ..... اس کو دیکھکر چین برجبیں ہو گئی عتاب آمیز نگاہوں سے اُس کو خوب غور سے دیکھکر اور اس طرح گویا ہوئی ۔ ....."

"کیا تو بادشاہ کے فرمان سے آگاہ نہیں ؟ تجھے خبر نہیں کہ جو کوئی مہاتما بدھ کی پرستش گاہ میں نذرانہ چڑھائیگا

وہ یقیناً نذرانہ لئے ہوئے ایک موج کی طرح اٹھی اور وہاں چلی جہاں ..... اینٹیا ولیعہد کی دلہن ..... اپنا چہرہ آئینہ میں دیکھکر گیسوؤں کو سنوار رہی تھی ..... پیچھے سے شرمیتی کا عکس آئینہ میں دیکھکر ..... اینٹیا ..... خوف سے ایک خزاں رسیدہ پتہ کی طرح زرد ہوگئی ..... اس کے رخساروں پر ایک کملائے ہوئے پھول کی طرح مردنی چھاگئی ..... وہ بید مجنوں کی طرح لرزنے لگی بیوقوف لڑکی تجھے اتنی جرأت ہوگئی کہ یہ نذر میرے پاس لائے ۔ کیا تو بادشاہ کا فرمان اسقدر جلد بھول گئی؟ جا خدا کے لئے یہاں سے جلد چلی جا ..... ورنہ میں شاہی عتاب کا نشانہ بن جاؤں گی ۔

شہزادی شکنتلا ..... شفق شام کی دلفریب ورنگین شعاعوں کی روشنی میں ایک دریچہ کے قریب بیٹھی ہوئی مطالعہ کررہی ہے ..... ڈوبتے ہوئے آفتاب کی لطیف شعاعیں کرنوں کی شکل میں اس کے چہرے پر پڑرہی ہیں ..... اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب سے مہتاب تک ایک جوئے نور جاری ہے ..... چوڑیوں اور پائزیب کی جھنکار اُس کو اپنی طرف متوجہ کرلیتی ہے ..... وہ دیکھتی ہے کہ شرمیتی ایک تصویر کی طرح دروازہ کے چوکھٹے میں کھڑے ..... اُس کی طرف بڑھتے ہوئے اُس کے قدمونپہ گر پڑی ..... "بڑی شرم کی بات ہے شرمیتی ..... اری بیوقوف لڑکی تجھے آخر کیا ہوگیا ..... ؟ تجھے موت سے ہم آغوشی کی اتنی تمنا آخر کیوں ہے ..... کیوں زندگی سے اتنی بیزار ہے؟"

شرمیتی ..... ایک کمرہ سے نکل کر دوسرے کمرہ میں داخل ہوتی ۔ پورے محل میں یہ کہتے ہوئے گھومنے لگتی ہے ..... "اے غافل مقیمو ہوشیار رہو جاؤ ..... مہاتما کے مندر پر جاکے پوجا کرنے کا وقت آگیا ہے ..... !"

اہالیان محل اُس کی آواز سن کر کانپ اٹھتے ..... بعض اُس کو دل ہی دل میں بددعا دینے لگتے ہیں ..... شفق شام پردائے تاریکی نے احاطہ کرلیا ہے ..... تارے اپنے آبدار موتی رات کے سیاہ دامن میں بکھیر رہے ہیں ۔ درختوں کے پتے آپس میں سرگوشیاں کررہے ہیں ..... طبل کی آواز سارے محل میں گونجنے

مجمد مکتبہ

مناظر قدرت

اِنِ الحکم اِلّا للہ

آنکھیں دیکھتی ہیں ، اور ضرور دیکھتی ہیں مگر کب ؟ جب کہ میں چاہوں
کان سنتے ہیں ، اور ضرور سنتے ہیں مگر کب ؟ جب کہ میں چاہوں
ناک سونگھتی ہے ، اور ضرور سونگھتی ہے مگر کب ؟ جب کہ میں چاہوں
زبان بولتی ہے ، اور ضرور بولتی ہے مگر کب ؟ جب کہ میں چاہوں

اسی طرح

آگ جلاتی ہے ، اور ضرور جلاتی ہے ۔ مگر کب ؟ جبکہ کسی کی مشیت ہو
پانی ٹھنڈا کرتا ہے ، اور ضرور ٹھنڈا کرتا ہے ۔ مگر کب ؟ جبکہ کسی کی مشیت ہو
سانپ ڈستا ہے ، اور ضرور ڈستا ہے ۔ مگر کب ؟ جبکہ کسی کی مشیت ہو
شیر پھاڑتا ہے ، اور ضرور پھاڑتا ہے ۔ مگر کب ؟ جبکہ کسی کی مشیت ہو

ہمارے جسم کے ہزاروں اجزاء ہیں ۔ لیکن جسم کا کوئی جزو یا حصہ بغیر قوت ارادی کے کوئی کام یا کوئی حرکت نہیں کر سکتا ۔

اسی طرح

ساری کائنات اگرچہ اسی طور پر فرداً فرداً علیحدہ معلوم ہوتی ہے مگر یہ سب گویا ایک ہی جسم کے اجزاء ہیں ۔

جن میں ایک ہاں صرف ایک قوت ارادی کارفرما ہے۔

اِنِ الحکم اِلّا للہ

کیوں خوفِ تعنیات سے روتا ہے؟
ڈر کر ہر اک سے جاں کیوں کھوتا ہے؟
خنجر ہر چند کاٹتا ہے ۔ لیکن
کب؟ جب کہ کسی کے ہاتھ میں ہوتا ہے!

امجد (حیدرآبادی)

تصنیفات امجد

حضرت امجد کا کلام روحانیت اور حقیقت میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے ۔ آپ حسب ذیل تصانیف ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

ریاض امجد حصۂ اول	(عہ)	حصۂ دوم	(۱۲ر)
نذر امجد	(۶ر)	جمال امجد	(سے)
رباعیات امجد حصۂ اول	(عہ)	حصۂ دوم	(عہ)
خرقہ امجد اول	(عہ)	حصۂ دوم	(عہ)
حج امجد	(سے)		

ملنے کا پتہ۔ مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن

تین مچھوے

کنگسلی کی ایک مشہور نظم کا ترجمہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نظم نے ہمعصر متمول طبقہ میں غریب نوازی اور انسانی ہمدردی کا ایک خاص جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ اگرچہ واقعہ معمولی ہے اور روزمرہ کے واقعات میں داخل ہے کیا ایسے واقعات کی موجودگی سے ہم اپنی عمرانی خامیوں کا اندازہ نہیں لگا سکتے؟"

(۱) جس وقت آفتاب عالمتاب نے اپنے آپ کو روپوش کر لیا تو تین مچھوے مغرب کی جانب کشتی میں بیٹھے ہوئے شکار کو نکلے اُن میں سے ہر ایک اُس عورت کے خیال میں محو تھا جو اُس سے انتہائی محبت کرتی تھی اور ساحل پر کھڑی ان کی روانگی کا نظارہ کر رہے تھے۔

(۲) کیونکہ قدرت نے یہ معمول مقرر کر دیا ہے کہ مرد محنت و مشقت کریں اور عورتیں اُن کی سردردی و جانفشانی پر آنسو بہاتی رہیں۔ جو کچھ کمایا جاتا ہے وہ نہایت قلیل اور پروردش ہونیوالوں کی تعداد کثیر ہے۔ خواہ بندرگاہ کے کنارے کی ریت کسی مہیب طوفان کی آمد آمد سے لرزاں ہو۔

(۳) تین بیویاں روشنی گھر کے مینار پر بیٹھی ہوئیں اُن کی واپسی کی منتظر تھیں۔ جونہی آفتاب غروب ہوا اُنہوں نے قندیلیں صاف کیں تاکہ روشنی خوب پیدا ہو۔ کبھی وہ باد و باراں کی تیزی کو دیکھکر کانپ جاتیں اور کبھی موسلا دھار بارش پر نظر کر کے لرز جاتیں۔ خوفناک کالے کالے منتشر بادل گرجتے برستے امنڈ امنڈ کر چلے آرہے تھے۔ لیکن ایسے بھیانک موقعوں پر بھی مرد محنت مشقت کریں اور عورتیں آنسو بہاتی رہیں۔ خواہ طوفان کا اچانک حملہ ہو جائے۔ گہرے متلاطم سمندر میں پھنسیں رہیں یا بندرگاہ کے کنارے کی ریت کسی مہیب طوفان کی آمد آمد سے لرزاں ہو۔

(۴) صبح صادق ہو رہی تھی اور طوفان بالکل ختم ہو چکا تھا فضا میں سکون و سکوت طاری تھا۔ تین نشین چمکدار ریت پر پڑی تھیں۔ عورتیں نالہ و ماتم و آہ بکا سے ایک قیامت برپا کر رہی تھیں۔

(۵) اُن لوگوں کے لئے جو گھر واپس نہ ہونگے۔ کیونکہ مرد محنت و مشقت کریں اور عورتیں آنسو بہاتی رہیں اس پیکار و کشمکش کا جسقدر جلد اختتام ہو جائے۔ اُسی قدر ہمیں جلد آرام کی نیند نصیب ہوگی ساحل کی ریت اور اُس کی آفت خیز صداؤں کو ہمیشہ کے لئے خدا حافظ۔

یس، بی، اننتا

منتخبات ہندی کلام

مرتبہ ڈاکٹر جعفر حسن پی، ایچ، ڈی، پروفیسر جامعہ عثمانیہ

اردو میں اپنی طرز کی پہلی کتاب

بہترین ہندی کلام کا انتخاب! ہندی اور اردو رسم الخط میں! ہندی بھاشا کے انمول دوہے اور ان کی دلاویز تشریح و علمی تنقید۔ معہ لفظی و معنوی ترجمہ فاضل مرتب و مؤلف نے مادر زبان کی نہ صرف ایک گرانقدر اور قابل تقلید خدمت انجام دی ہے۔ بلکہ یہ کتاب اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک بڑی حد تک "اردو ہندی" کی اختلاف و تشتت خیز پیچیدگیوں کا حل ہے۔ کتاب شروع سے آخر تک شاعرانہ، رنگینوں، وجد آور تشریحوں، اور مسرت زا تصریحوں سے پُر ہے۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب، سرورق خوبصورت رنگی۔ مجلد قیمت (۱۲/۸) سکہ عثمانیہ (۸/) سکہ انگریزی

ملنے کا پتہ مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن

عزرائیل کی ملاقات

(۱)

نسیمہ اپنی ماں کی آنکھوں کی روشنی اپنے باپ کے کلیجہ کی ٹھنڈک نسیمہ اپنی عمر کی سولھویں منزل طے کر رہی تھی۔ دمکتا ہوا چہرہ کندن کو مات کر رہا تھا۔ گلابی رخسار گلاب کا رنگ اڑائے دیتے تھے سیاہ دنبالہ دار آنکھیں ہرنوں سے چشمک زنی کر رہی تھیں۔ دانتوں کی چمک سے موتی بے آب ہو رہے تھے قد رعنا کا سامنا ہوتے ہی سرو شرم و ندامت سے زمین میں گڑ جاتا تھا۔ ہر ہر قدم فتنہ زیر پا۔ ہر ہر ادا قیامت خیز تھی اُس پر جوانی کی امنگ شباب کی ترنگ۔ بس معلوم ہوتا تھا کہ ایک مستانہ ادا ہے کہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی ہے۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

یا بقول مرزا نوشہ بلائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

یا داغ دہلوی کے الفاظ میں ؎

اک ادا مستانہ سر سے پاؤں تک چھلکی ہوئی اُف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی

غرض نسیمہ اپنے پورے شباب پر تھی اور نسیمہ کا شباب اپنی پوری جوانی پر۔ وہ پڑھی لکھی بھی تھی۔ سینا پرونا بھی جانتی تھی۔ باشعور بھی تھی سلیقہ مند بھی۔ لیکن جو بات اسے بہت ہی پریشان بہت ہی متفکر اور بہت ہی نڈھال بنا دیا کرتی تھی۔ وہ شادی کا خیال تھا۔ اسے شادی سے ایسی ہی نفرت تھی جیسے کسی ارمان بھری نوجوان حسینہ کو موت سے یا کسی فاقہ کش کو سات دن تک مسلسل فاقہ کرنے کے بعد جینے سے ہو سکتی ہے شادی کا نام آیا اور اسکے جسم میں رعشہ پڑا۔ بیاہ کا ذکر آیا اور اسے کپکپی شروع ہوئی۔

شادی نام ہے غلامی کا۔ بیاہ نام ہے آزادی کو ہوسرانی کے عوض بیچ دینے کا' کیا دنیا میں انسان بغیر

نفس پرستی سے کے جی نہیں سکتا ۔ پھر کیا وجہ کہ انسان اپنی زندگی کو ہمیشہ کے لئے مقید کرے ۔ اولاد کی پیدائش اُن کی دیکھ بھال تعلیم و تربیت یہ سب لوازمہ ہے اس مختصر لفظ شادی کا ۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس کے لئے کانوں میں غلامی کا گوشوارہ پیروں میں قید و بند کی زنجیر ڈال لیں ۔ یہ خیالات تھے جو مستقل طور پر نسیمہ کے دل میں جگہ پکڑ چکے تھے ۔ اس لئے اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ جان دیدونگی مگر شادی نہ کروں گی ۔

(۲)

رشید جو کمسن ہی میں ماں کی ماتا اور باپ کی شفقت سے محروم ہو چکا تھا ۔ بیسویں سال میں قدم دھر چکا تھا ۔ والدین کا سایہ سر سے اُٹھ جانے کے بعد چچا جی کی ہمدردی اسے حاصل ہو گئی تھی جنہوں نے اپنے بچوں کی طرح اس کی پرورش کی ۔ اپنی اولاد کی طرح اُس کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھا اور خیال رکھتے کیوں نہیں آخر بھائی ہی کی اولاد تھی ۔ اُسی گوشت پوست اور استخوان کا مجموعہ تھا جس کے حامل وہ خود تھے ۔ وہی خون اُس کی رگوں میں بھی دوڑ رہا تھا ۔ جو اُن کی رگوں میں موجزن تھا ۔ بہر حال انہوں نے تعلیم میں اتنی کوشش کی کہ میاں رشید نے بیسویں سال میں علی گڈھ یونیورسٹی کی مسند امتیاز کے ساتھ حاصل کی ۔

رشید کے چچا نسیمہ کے والد مسٹر توفیقی کو اس کامیابی کی اتنی خوشی ہوئی کہ شاید رشید بھی اتنی خوشی اپنے دل میں نہ محسوس کر سکا ہو ۔ رشید کے دل میں نسیمہ کی محبت گھر کر چکی تھی اور وہ اس کے لئے دل میں بے چینی بھی محسوس کرتا تھا ۔ لیکن وہ خوب جانتا تھا کہ نسیمہ محبت کے جذبے سے بالکل خالی ہے ۔ یا تو فطرت کی طرف سے یہ جذبہ اسے عطا ہی نہیں ہوا ہے یا صنف کرخت سے نفرت کرنے کا مادہ اس میں اسقدر زیادہ ہے کہ جس کے رنگ میں یہ جوہر دب کر رہ گیا ہے ۔ دوسرا خیال آتے ہی اسے یقین ہو گیا کہ بے شک یہی بات ہے ورنہ فطرت کھلی بے انصافی نہیں کر سکتی ۔ لیکن اب اس رنگ کو دور کرنے کا علاج اس کے پاس کیا تھا وہ اس سے بھی خوب واقف تھا کہ جسقدر اس کے دور کرنے کی کوشش کی جائیگی ۔ اسیقدر وہ بڑھتا جائے گا ۔ مسٹر توفیق اپنی بیٹی نسیمہ کی طبیعت سے واقف تھے ۔ اس لئے وہ اس وقت تک کے لئے بالکل خاموش رہنا چاہتے تھے ۔ جب تک وہ خود اس پر رضامند نہ ہو جائے وہ پرانے خیال کے شرفا سے نہ تھے کہ اک ذرا سی بات کا تنگڑ کر دیتے اور نہ وہ اس کے موافق تھے کہ بیٹی کی مرضی کے خلاف اُسے شادی کرنے پر مجبور کرتے ۔ اُن کا خیال تھا کہ جس طرح مرد اپنے معاملہ میں

مختار ہوتا ہے۔ عورت بھی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے ادھر سے تو چشم پوشی کی۔ لیکن رشید کی طرف سے بیفکر نہ ہوئے۔ رشید بہت نیک اور ہونہار نوجوان تھا۔ ماں باپ تو زندہ تھے نہیں، انہیں چچی چچا کو ماں باپ سمجھتا تھا۔ اور اُن کا ادب والدین سے بڑھکر کرتا تھا۔

"بیٹا رشید تم جوان ہو چکے ہو تعلیم بھی تم نے بقدر ضرورت حاصل کر لی ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ تمہاری کہیں شادی ٹھیراؤں۔ رشید میں سمجھتا ہوں کہ تم ایک ہونہار بچے ہو ہماری پسند کی مخالفت نہ کرو گے اور دلہن کا انتخاب ہم پر چھوڑ دو گے۔ مگر میں اپنے حق سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر تمہیں تمہارے جائز حقوق سے محروم کرنا نہیں چاہتا۔ بیٹا میں بہت خوش ہوں گا اگر اپنی دلہن کا انتخاب تم خود کر لو گے۔"

توفیق تو یہ کہکر جواب کے منتظر ہوئے۔ لیکن رشید کے لئے اس کا جواب بہت دشوار تھا وہ سمجھتا تھا کہ نسیمہ شادی کے لئے کسی طرح تیار نہ ہوگی اور یہ بھی جانتا تھا کہ چچا اس حقیقت سے خوب واقف ہیں۔ لہذا اس نے ٹالنے کے طور پر کہا۔

رشید۔ چچا آپ نے مجھ پر جو شفقت اور عنایت کی ہے میں اس کا معاوضہ ادا نہیں کر سکتا یہ مزید احسان تو مجھے عمر بھر سر نہ اُٹھانے دیگا۔

توفیق۔ یہ کیا کہتے ہو رشید مجھے تم سے قطعی ایسی امید نہ تھی کہ تم سرے سے میرے سوال کو اڑا دو گے میں نے یہ ضرور کہا کہ میں اپنے حق سے ناجائز فائدہ اُٹھانا نہیں چاہتا لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ تم اپنے حق کو ناجائز طور پر استعمال کرو۔ سنو اگر تمہارے والدین زندہ ہوتے تو وہ بھی تمہارے ساتھ یہی کرتے جو میں نے کیا جس طرح یہ ان پر فرض تھا اسی طرح ان کے بعد مجھ پر فرض ہو گیا۔ پھر کیا تم اُن کو بھی یہی جواب دیتے جو اس وقت مجھے دے رہے ہو۔

"شرمندہ ہوں چچا" رشید نے آنکھیں نیچے کر کے کہا، میرا جواب یقیناً غلط تھا جس کے لئے میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے۔

"نہیں بیٹا اس کی ضرورت نہیں تم دل میں کچھ خیال نہ کرو۔ اپنی شادی کا تمہیں اختیار رہے۔ تم مختار ہو جب اور جس کے ساتھ چاہو شادی کرو۔ مجھے افسوس اس بات کا ہوا تھا کہ تم نے میرے برتاؤ کو جو کہ مجھ پر فرض تھا

احسان بتا کر مجھے شرمندہ کیا۔ اگرچہ جان بوجھکر ایسا نہیں کیا۔ لیکن یہ عادت چونکہ خوشامدانہ انداز لئے ہوئے ہوتی ہے۔ اس لئے میں ہرگز اس کو نہیں برداشت کر سکتا۔ ہاں رسماً احسان کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ لیکن برابر والوں کا بزرگوں کا نہیں اُن کے آگے تم بچے ہو ان سے جو کچھ حاصل ہو جائے تمہارے لئے نعمت ہے اور اس سے انکار کفران نعمت۔ تمہاری تربیت چونکہ مجھ پر فرض ہے اور تم میرے بچے بھی ہو اس لئے میں نے یہ تمہیں نکتہ سمجھا دیا۔ توفیق کی یہ تقریر اس قدر تاثیر میں ڈوبی ہوئی تھی کہ رشید عرق عرق ہو گیا اور اُسے کچھ نہ سوجھا کہ کیا جواب دوں۔ چنانچہ اس نے خاموشی ہی کو بہتر جواب سمجھا۔ توفیق نے اس کی خاموشی سے اندازہ لگا لیا کہ اس وقت کونسا جذبہ اسپر مستولی ہے۔

چنانچہ وہ اسے تسکین اور دلاسہ دیکر پھر سوچنے کی فہمائش کرتے ہوئے اس کے پاس سے چلے گئے۔

رشید کے لئے اب بڑی دشواری تھی وہ ایک کشمکش میں مبتلا تھا۔ غریب کرے تو کیا کرے۔ اگر شادی کے لئے رضامند ہو جاتا ہے تو نسیمہ کی رہی سہی امید بھی رخصت ہو جاتی ہے۔ اس خیال میں وہ مستغرق تھا کہ یکایک چونک پڑا۔ مسرت کی کیفیت نے چہرے کو شگفتہ پھول کی طرح کھلا دیا۔ جامد خون میں زندگی کی روح دوڑ گئی

(۳)

رات کے ٹھیک بارہ بجے نسیمہ اپنے خواب ناز سے چونک پڑی آنکھوں کے سامنے ایک مہیب صورت سیاہ کپڑے میں ملبوس دیکھکر منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ سارا گھر سو تا پڑا تھا کسی کی آنکھ نہ کھلی۔ تھوڑی دیر بعد ہوش آیا اور وہ پھر چلانا چاہتی تھی کہ اس کالی بلا نے منہ پر ہاتھ رکھکر کہا "ٹھہرو چیخنے کی کوئی ضرورت نہیں پہلے میں جو کچھ کہتا ہوں سن لو میں تمہاری جان نہ لونگا۔ بلکہ تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں" نسیمہ کو یہ سن کر کچھ ڈھارس ہوئی اور وہ چپ چاپ پڑی رہی۔

"سنو تم مجھے نہیں پہچانتی ہو" کالی بلا نے کہتے ہوئے سلسلہ کلام شروع کیا "لیکن اب ضرور پہچان لوگی اس لئے کہ میرا نام تم بار بار سن چکی ہوگی۔ یوں تو میں کسی کے پاس ایک دفعہ سے زیادہ نہیں جاتا۔ لیکن تم سے ایک خاص ضرورت تھی اس لئے چلے آیا ہوں۔ خوب یاد رکھو میں آج تمہاری جان نہیں لونگا۔ اس لئے تمہیں میرا نام سنکر ڈرنا نہ چاہئے سنو میرا نام عزرائیل ہے۔

نسیمہ عزرائیل کا نام سن کر تھرا گئی۔ چہرے پر خوف و ہراس کی کیفیت طاری ہوگئی۔

عزرائیل نے کہا کہ میں پھر کہتا ہوں کہ تمہاری جان لینے نہیں آیا ہوں۔ ڈرو نہیں، سنو۔ خدا کی عدالت میں تمہارے خلاف ایک مقدمہ دائر ہوا ہے جس کیلئے تمہیں شاید وقت سے پہلے وہاں جانا پڑے، وقت سے پہلے کیا شاید اسی ہفتہ میں اس لئے کہ آٹھ ہی دن پیشی کو باقی رہ گئے ہیں۔ ہاں ایک صورت ہے اگر تم اپنے گناہ سے توبہ کرلو تو شاید معاف کردیجاؤ۔ مقدمہ واپس لے لیا جائے۔ اتنا کہکر حضرت جواب کے متوقع ہوگئے۔ مگر نسیمہ تو معلوم ہوتا تھا کہ ایک پتلی ہے جو بے حس و حرکت پڑی ہوئی ہے اور رکوکنے کی باوجود بھی بولنے پر قادر نہیں ہے۔ عزرائیل نے خود ہی سلسلۂ کلام شروع کیا "ہاں تو مجھی کو گناہ کی نوعیت بھی بتا دینی چاہیے، اچھا تو سنو کرانا کا تمین نے تمہارے خلاف بارگاہ خداوندی میں رپورٹ کی ہے کہ تم نے قانون قدرت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے۔ جس سے یا جسکی تقلید سے سلسلۂ تولید منقطع ہوجانے کا خطرہ ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ تمہیں دنیا سے جلد خارج کردیا جائے اور چونکہ یہ کام میرے ہی سپرد ہوا ہے۔ اس لئے ضرورت پڑی کہ میں تمہیں اس حقیقت سے مطلع کردوں۔ اب اگر سات دن کے اندر تم نے شادی کرلینے کا اقرار نہ کیا تو آٹھویں دن تم عالم بالا کی عدالت میں اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کیلئے بے تاب نظر آؤ گی۔ جواب دو کیا کہتی ہو۔ کچھ نہیں اچھا نہ دو جواب میں تو جاتا ہوں۔ مگر یہ سات دن مدنظر رہیں ورنہ تم جانو۔ عزرائیل صاحب تو یہ کہکر رخصت ہوگئے۔ مگر نسیمہ کو رات بھر نیند نہ آئی صبح کو اس نے سارا واقعہ ماں سے بیان کیا۔ ماں نے کہا سچ تو یہ ہے۔ قانون قدرت کے خلاف کرنا خدا سے بغاوت ہی کرنا ہے۔ نسیمہ نے کہا "یا اللہ میری توبہ ہے۔ میں آئندہ ہرگز ایسی جسارت نہ کروں گی" توفیق کو معلوم ہوا تو بہت خوش ہوئے اور حقیقت کو تار کر نسیمہ کو میاں رشید کے پلے باندھ دیا۔

اب جب کبھی وہ ضد یا ہٹ کرتی۔ میاں عزرائیل آکر اُسے سیدھا کرجاتے فقط شمس النساء فہیم
(کلکتہ)

فرانسیسی افسانے ۱۲ر　انگریزی افسانے ۱۴ر　چینی اور جاپانی افسانے ۱۹ر　قدیم افسانے ۱۸ر　کردار اور افسانہ ۱۸ر　دنیائے افسانہ ۲ر

مکتبہ ابراہیمیہ چادر گھاٹ حیدرآباد دکن

۴۰۸۰

رائے سینا یا نئی دہلی

کے متعلق

ایک قدیم شاہی سند

یہ سند دہلی[1] کے مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی نے اپنی حکومت کے ۱۷ ویں سال ۹ جمادی الآخر کو مہاراجہ بجے سنگھ والئی مارواڑ کے نام عطا کی تھی۔

شاہ عالم ثانی عالمگیر ثانی کا بیٹا تھا جس کا نام علی گوہر تھا ۲۹ نومبر ۱۷۵۹ء مطابق ۸ ربیع الثانی ۱۱۷۳ھ کو جب شاہ عالمگیر ثانی قتل ہوا تو اُس وقت علی گوہر بہار میں تھا۔ اس حادثہ کے تقریباً ایک ماہ کے اندر یعنے ۲۴ دسمبر کو علی گوہر شاہ عالم ثانی لقب اختیار کر کے تخت پر بیٹھا[2]۔ اس اثنا میں اس کے باپ کے قاتل وزیر عماد الملک غازی الدین خاں نے "شاہ جہاں ثانی" کا لقب اختیار کر کے اپنے بادشاہ دہلی ہونے کا اعلان کر دیا۔ لیکن وہ ایک سال بھی تخت پر قائم نہ رہ سکا۔ کیونکہ سدا شیو راؤ بابو نے اس کی جگہ شاہ عالم ثانی کے فرزند مرزا جواں بخت کو بزور تخت نشیں کر دیا۔ ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی پانی پت میں مرہٹوں کو شکست

---

[1] ۔ اس کا طول ۳ فٹ اور عرض ۲۲ انچ ہے۔ خراب ہونے سے بچانے کے لئے اسپر کپڑا چڑھایا گیا ہے۔ لیکن عبارت ظاہری اور مراسر کو کھلا چھوڑ دیا گیا۔

[2] ۔ یہ رسم تخت نشینی موضع کمتھوی ضلع عظیم آباد میں ادا کی گئی۔

دیکر دہلی آیا اور شاہ عالم ثانی کو دہلی کا بادشاہ اور مرزا جواں بخت کو ولیعہد اور شجاع الدولہ[1] کو وزیر مقرر کیا[2]۔

شاہ عالم ثانی[3] کا سن جلوس ۲۴ ربیع الثانی ۱۱۷۳ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۷۵۹ء سے شروع ہوتا ہے اس کے سترویں سال جلوس کا آغاز ۳ جولائی ۱۷۷۵ء مطابق ۴ جمادی الاول ۱۱۸۹ھ سے ہوتا ہے۔ سند کی تاریخ ۹ جمادی الثانی ہے۔

فرمان کے متن کے علاوہ سند پر ایک شاہی طغرا اور شاہی مہر بھی ہے۔ پشت پر دو سرکاری مہریں اور عبارت بھی درج ہے۔

"طغرا" جلی خطِ نسخ میں طلائی لکھا ہوا ہے۔ عبارت یہ ہے "فرمان والاشان ابو المظفر جلال الدین شاہ عالم بادشاہ غازی" طغرا سند کے اوپر بائیں جانب ہے اوپر "ہو الغالب" لکھا ہے۔ مہر کے اطراف چودہ چھوٹے

---

[1] یہ اودھ کا نواب تھا۔

[2] اس کے بعد احمد شاہ اپنا نائب لاہور میں چھوڑ کر قندہار کو واپس ہو گیا۔

[3] ۱۲ اگست ۱۷۶۵ء مطابق ۲۴ صفر ۱۱۷۹ھ کو اسی بادشاہ شاہ عالم ثانی نے تین صوبوں بنگال۔ بہار۔ اڑیسہ کی سند دیوانی سالانہ ۲۶ لاکھ روپیہ کے عوض ایسٹ انڈیا کمپنی کو عطا کی۔ کچھ عرصہ تک وہ الہ آباد میں مقیم رہا۔ لیکن ۱۷۷۱ء میں انگریزوں سے ناخوش ہو کر دہلی کو واپس ہوا اور ذاتی طور پر حکومت کی باگ سنبھالی۔ ۱۷۸۸ء میں نجیب الدولہ کا پوتا غلام قادر (جس کو احمد شاہ ابدالی نے امیر الامراء مقرر کیا تھا) دہلی آیا اور بادشاہ کو تخت سے اتار دیا۔ لیکن جب مادھوراؤ سندھیا نے غلام قادر کو قتل کر کے شاہ عالم کو پھر تخت واپس دلایا۔ اس وقتی امداد کے شکریہ میں شاہ عالم ثانی نے سندھیا کو "فرزند عالیجاہ" کا خطاب دیا۔ اس موقع کے مناسب حسب ذیل شعر بادشاہ نے کہا ہے۔

مادھوجی سندھیا فرزندِ جگر بندِ من
ہست مصروفِ تلافیٔ ستمگاریٔ ما

یہ خطاب اب تک مہاراجگان گوالیار کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔

تاریخ سے ظاہر ہے کہ جس وقت برطانوی پارلیمنٹ میں وارن ہسٹنگز کے خلاف مشہور مقدمہ چل رہا تھا۔ اور اس پر شاہ عالم ثانی کے خلاف مادھوراؤ سندھیا سے سازش کرنے کا الزام بھی عاید کیا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مادھوراؤ سندھیا نے دہلی پہنچ کر وارن ہسٹنگز کے اشارہ سے شاہ عالم ثانی پر قابو حاصل کر لیا تھا۔ لیکن بادشاہ کے ساتھ سندھیا کا سلوک کچھ برا نہیں تھا۔

اس کے بعد ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک دہلی آیا اور بادشاہ کو ۱۲ لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔ شاہ عالم ثانی نے ۱۸۰۶ء میں وفات پائی۔

حلقوں میں بادشاہ کے چودہ پیشروؤں کے حسب ذیل نام درج ہیں۔

(۱) صاحب قراں بن فیروز۔

(۲) ابن میراں شاہ۔

(۳) ابن سلطان محمد شاہ۔

(۴) ابن ابوسعید شاہ۔

(۵) ابن عمر شیخ شاہ۔

(۶) ابن بابر بادشاہ۔

(۷) ابن ہمایون بادشاہ۔

(۸) ابن اکبر بادشاہ۔

(۹) ابن جہانگیر بادشاہ۔

(۱۰) ابن شاہجہاں بادشاہ۔

(۱۱) ابن عالمگیر بادشاہ۔

(۱۲) ابن شاہ عالم بادشاہ۔

(۱۳) ابن جہاندار شاہ۔

(۱۴) ابن محمد شاہ بادشاہ

ایک بڑے حلقہ میں ابوالمظفر جلال الدین شاہ عالم بادشاہ غازی لکھا ہے اور نیز سنہ ہجری ۱۱۷۳ درج ہے یہ مہر تھن کی جانب راست ہے۔

وزیر کی بھی ایک مہر ہے جس کی عبارت یہ ہے۔

"شاہ عالم بادشاہ غازی یار وفادار سپہدار رستم ہند فدوی خادم یحیٰی خاں آصف الدولہ .....

شجاع الدولہ ابوالمظفر خاں صفدر جنگ اعتماد الدولہ آصفجاہ برہان الممالک حمدہ مدار المہام"

اس پر سنہ ہجری ۱۱۹۰ درج ہے جو جلوس کا سترواں[1] سال ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ مہر آصف الدولہ کے زمانہ کی ہے جو شجاع الدولہ کا بڑا بیٹا تھا جس نے ۲۶ جنوری ۱۷۷۵ء مطابق ۲۴ ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ میں انتقال کیا یہ مہر سند کی پشت پر حصہ زیریں کے بائیں جانب ہے۔

تیسری مہر کی عبارت یہ ہے "شاہ عالم بادشاہ غازی فدوی خانہ زاد خاں بہادر" یہ مہر وزیر کی مہر کے سیدھے طرف ہے اس مہر کے نیچے یہ عبارت ظہری درج ہے۔

"سنہ جلوس والا تاریخ دویم ۲ شہر رجب المرجب نقل شد۔

دوسری عبارت ظہری جو سند کے جانب راست گوشہ میں درج ہے یہ ہے۔

"تاریخ دویم شہر رجب المرجب سن ۱۷ جلوس والا مطابق ۱۱۸۹ھ داخل سیاہہ نمودہ شدہ مطابق ۷ شہر یور ماہ نقل بدفتر صاحب نوشتہ شد[2] ..... برہانند"

اس کے قریب ہی حسب ذیل تیسری عبارت ہے۔

"سن ۱۷ جلوس والا تاریخ دویم رجب المرجب نقل ..... متوفی اہیمہ عظام رسید"

سند کی پشت پر چوتھی عبارت جس کا عنوان ضمن ہے حسب ذیل ہے۔

"سطر اول مقدمہ شرح ضمن بموجب سیاہہ دفتر باشد حکم صادر شد موضع رائے سیناد ربست عملہ پرگنہ حویلی دار الخلافہ شاہجہاں آباد بابتہ محال قدیم مہاراجہ بخت سنگھ کہ در آں تمغا محمد مراد خاں شدہ بود ثانیاً در سن ۲"

سطر دوم۔ پروانہ بحالی بنام مہاراجہ بجے سنگھ عطا گذشتہ بود و من آں دبجاگیر دادہ .....

بعد ابہار لے اماں عرف رشید اماں در جاگیر خود .....) در خالصہ جدید قرار یافتہ

..... ربیع پیشین۔

سطر سوم۔ محال قدیم آں تمغا و زمینداری از محال خالصہ شریفہ در صیغہ انعام آں تمغا بجے سنگھ بہادر با فرزندان نسلاً بعد نسلٍ واقع ۲۶ جمادی الآخر .....

---

[1] یہ حصہ مٹا ہوا ہے۔　　[2] یہاں کسی کے دستخط ہیں جو غیر واضح ہیں۔

سند کی عبارت یہ ہے

(۱) دریں وقت میمنت اقتران فرمان والا شان -

(۲) واجب الاذعان صادر شد کہ مبلغ ہشتاد ہزار درم -

(۳) موضع رائے سینا در بست عملہ پرگنہ حویلی دار الخلافہ شاہجہاں آباد کہ مبلغ ہفت صد روپیہ حاصل آنست - بابت معاش قدیم کہ در خالصہ شریفہ قرار یافتہ بود در وجہ انعام -

(۴) آل تمغا ..... زبدہ راجہائے ہندوستان راج راجیشر مہاراجہ دھراج بجے سنگھ بہادر با فرزندان معانی تصدیق دیا دانشت -

(۵) بر جمع آں بیفزاید از ثلث بیع قویل حسب الضمن مقرر باشد - باید کہ فرزندان نامدار کامگاہ والا تبار و وزرائے ذوی الاقتدار و امرائے اعلیٰ مقدار و حکام کرام و عمال -

(۶) کفایت فرجام و متصدیان مہمات دیوانی و متکفلان معاملات سلطانی و جاگیرداران و کروریاں حال و استقبال ابداً و مؤکداً در استقرار و استمرار ایں حکم -

(۷) معلی کوشیدہ در مہائے مرقومہ را نسلاً بعد نسلاً و بطناً بعد بطناً خالداً و مخلداً بتصرف آنہا واگذارند و از صورد م تغیر و تبدل مصئون و محروس دانستہ بعلت پیش کش صوبہ داری -

(۸) و فوجداری و مال وجہات و سائر اخراجات مثل ..... بیگار و وہ نیمی مقدمے صدر ذوی قانون گوئی مزاحم و متعرض نشوند و از کل تکلیفات دیوانی -

(۹) و مطالبات خاقانی معاف و مرفوع القلم شمارند دریں باب تاکید اکید و قدغن مزید دانستہ ہر سال سند مجددہ طبند و از یہ لیغ کرامت تبلیغ دالا تخلف و انحراف نوازند بتاریخ نہم شہر جمادی الثانی سال ہفتدہم از جلوس والا زیب تحریر یافت -

سند کی عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ موضع رائے سینا جہاں اب نئی دہلی تعمیر ہوئی ہے - دور مغلیہ میں فرمان روایان مارواڑ کی موروثی جاگیر تھی - اور مہاراجہ بخت سنگھ[1] کے دور حکومت تک (۱۷۵۱ء - ۱۸۰۸ء)

---

[1] مہاراجہ بجے رام سنگھ کے معزول ہونے کے بعد مہاراجہ بخت سنگھ ۲۹ جون ۱۷۵۱ء کو مارواڑ کے تخت پر بیٹھا - ۲۱ ستمبر ۱۷۵۲ء کو فوت ہوا اس کی جگہ اس کا بیٹا بجے سنگھ تخت نشیں ہوا -

رہی لیکن اس وقت جودھپور کے شاہی خاندان میں جھگڑا[1] کھڑا ہوگیا۔ اس لئے بادشاہ نے موضع رائے سینا کو مہاراجہ بجے سنگھ سے چھین لیا اور مخالف پارٹیوں[2] کے حسب خواہش اس کو محمد مرادخاں کو عطا کیا۔ اس کے بعد جب خاندانی جھگڑا ختم ہوا تو پھر ۱۷۶۰ء میں موضع مذکور مہاراجہ بجے سنگھ کو واپس دیدیا گیا۔

لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب مرہٹوں کے حملوں سے مارواڑ کے نظم ونسق میں خلل واقع ہوا تو شاہ عالم ثانی نے مخالفانہ اثر میں آکر مہاراجہ سے موضع مذکور چھین لیا آخر کار مارواڑ کی تمام شورشیں ختم ہونے کے بعد غالباً مہاراجہ نے اپنی موروثی جاگیر کا بادشاہ سے مطالبہ کیا ہوگا اور بادشاہ نے یہ دیکھکر کہ اس جاگیر کا کوئی دوسرا جائز وارث نہیں رہا ہے۔ اس لئے یہ سند اس کے نام پر عطا کی ہوگی۔ یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ جاگیر فرمانروایان مارواڑ کے قبضہ سے کس طرح چلی گئی۔

لیکن اس سند سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ رائے سینا اب سے ۱۵۵ سال پیشتر بحیثیت موروثی جاگیر مہاراجگان مارواڑ کے قبضہ میں تھا نیز سلطنت مغلیہ کے خاتمہ تک مہاراجگان مارواڑ کا خطاب "زبدۂ راجہائے ہندوستان راجہ راجیشور مہاراجہ دھیراج" استعمال ہوتا تھا فقط

(ترجمہ از جرنل ایشیاٹک سوسائٹی لندن) سردار علی

(جولائی ۱۹۳۱ء)

---

[1] ۔ دو چچا زاد بھائیوں مہاراجہ بجے سنگھ اور رام سنگھ کے مابین حکومت مارواڑ کے لئے ۱۷۵۶ء تک لڑائی ہوتی رہی۔ بعد میں مرہٹوں کی مداخلت سے صلح ہوئی اور مہاراجہ رام سنگھ کو مارواڑ کے گیارہ ضلع دئے گئے۔ اگرچہ اس انتظام سے داخلی جھگڑا بہت کچھ فرو ہوگیا۔ لیکن گورنمنٹ مارواڑ مرہٹوں کے اندرونی حملوں سے بہت کچھ کمزور ہوگئی۔ اس سے سرداران مارواڑ میں تازہ بغاوت شروع ہوئی۔ جو ۱۷۶۰ء تک بہت کچھ کم ہوگئی۔ لیکن ۱۷۶۵ء میں مہاراؤ سندھیا کے حملہ سے معاملات سلطنت میں پھر جھگڑا پیدا ہوگیا۔ ۱۷۷۲ء میں مہاراجہ رام سنگھ نے جو تمام فسادات کا بانی تھا۔ آخری سانس لی اور اُس کی جاگیر کے اضلع ریاست میں ضم ہوگئے۔ اس سے مارواڑ کے دشمنوں کے دل ٹوٹ گئے۔ لیکن ٹھاکر جاٹ سنگھ کے قتل نے باغیوں میں خوف دہشت پیدا کردی اور وہ ضلع کی طرف مائل ہوئے۔

[2] ۔ مہاراجہ ایشوری سنگھ جیپور مہاراجہ رام سنگھ کے خسر اور اُن کے طرفدار تھے مہاراجہ بجے سنگھ کے خلاف اُنکے اثر نے بادشاہ کے پاس

ماتمِ قوم

از

جناب مرزا اسد اللہ بیگ صاحب حیدر

نہ جاہ و مرتبت قایم نہ دولت کے نشاں باقی
فقط آثار نکبت رہ گئے ہندوستاں! باقی

نہیں نقشِ قدم باقی، نہ گردِ کارواں باقی
لحد میں کشتگانِ قوم کی ہیں ہڈیاں باقی

تھی جن سے رونقِ بزم، اٹھ گئے سب ایک اک کرکے
ہے زیرِ سقفِ شمعِ انجمن کا کچھ دھواں باقی

زمیں ہاتھوں سے نکلی جاتی ہے آپس کے جھگڑوں سے
ستم ڈھانے کو سر پر رہ گیا ہے آسماں باقی

عمارات سلف کا انہدام اک نوحۂ غم ہے
وہ دل کیطرح بیٹھے رہ گئے تھے جو مکاں باقی

حصولِ علم کی خواہش نہ احساسِ عمل پیدا
نہ فکرِ سود یاروں میں نہ وسواسِ زیاں باقی

جسد بے جان ہے جب کام سے اعضا معطل ہوں
نفس کی شکل گو سینہ میں ہو روحِ رواں باقی

حکومت ثروت و مذہب مٹا کر بھی نہ چین آیا
ہوے اب اس کے درپے رہ گئی ہے جو زباں باقی

پرستش حسن کی بدلی ہوسناکی و شہوت سے
محبت کی نہ دل والوں نے رکھیں گرمیاں باقی

فنِ ساقی گری اٹھا ہوا بادہ خانہ
عوض قلقل کے ہیں رند و مغاں کی ہچکیاں باقی

کہاں تبلیغ جب اصلاحِ مذہب ہی نہیں ممکن
اثر کرنشہ دیں رہ گئیں انگڑائیاں باقی

ضمائر کی صدا وعظ و نصیحت سے زیادہ ہے
چلو اس پر تو پھر رہتی نہیں ہیں خامیاں باقی

ہٹا دو دور ناکامی کو ملکر اے مسلمانو!
وگرنہ پھر تمہارا کام جانے اور تم جانو!

غزل

از

جناب ابوالفاضل زچاندپوری

فکر عقبیٰ اور دنیا کی پریشانی کے ساتھ　　کون جائے سوئے کعبہ کفر سامانی کے ساتھ
اللہ اللہ یہ بہار آتشیں یہ شعلہ رو　　دم بخود ہے نرگس خودبیں بھی حیرانی کیساتھ
آذر گیتی خدارا اپنا بت خانہ سنبھال　　اب تو حد سے بڑھ چلا یہ فتنہ سامانی کیساتھ
میرے ساقی اچھے ساقی بے نیازی ہو چکی　　تا بکے زندہ رہوں آخر گراں جانی کیساتھ
چشم ظاہر میں سمجھ سکتی نہیں اس راز کو　　میکشی ہے جزو ایماں فوق روحانی کیساتھ
آخری ہے مرحلہ بدل نہوائے ہمسفر　　اب لیا منزل کو بس توفیق یزدانی کیساتھ
خیر جو کچھ بھی ہو لیکن اے حریف میناب　　مجھ کو ہمدردی ہے تیری اس پریشانی کیساتھ
کفر پرور ہے ہوائے وادی غربت تو ہو　　میں تو سرگرم سفر ہوں جوش ایمانی کیساتھ

رازیہ طرز تکلم اور یہ بزم سخن
کوئی نسبت بھی ہے یاروں کی غزلخوانی کیساتھ

(تمام ہندوستان میں چل گئی)

حیدرآباد کی مشہور و معروف دوا بفضل خدا تمام ہندوستان میں چل گئی اور بکثرت آرڈر آرہے ہیں ممکن نہیں کہ جو ایک مرتبہ زندہ طلسمات خریدے اور دوبارہ نہ خریدے جو ایک مرتبہ خریدار بنا کیونکہ زندہ طلسمات ہیضہ طاعون بخار، کھانسی، وہ پیچش نزلہ زکام، سانس کچھ کے ہر قسم پر چوٹوں میں طلسماتی اثر دکھا کر مریض کو اپنا گرویدہ بناتی ہے۔ ہر دوکان میں ملیگی: زندہ طلسمات کو شہرت پاتے دیکھ کر بعض لوگوں نے زندہ طلسمات کی پوری نقل کی تاکہ ان پڑھ دھوکہ میں نقلی دوا خرید لیں لہذا بوقت خرید اصلیا سے خرید کریں۔ شیشی عدد ۱ ۲ ۳ زندہ طلسمات حیدرآباد

بلبل اور قمری

عالم میں ایک باغ تھا بے مثل و لاجواب کرتا تھا حسن باغ جہاں جس سے اکتساب
گل جس کے عطر بیز تھے گل جس کے مشک بو
اک گوشے میں تھے بلبل و قمری کے آشیاں ہوتے تھے شاخ گل پہ یہ جب نونو خواں
باد نسیم رقص دکھاتی تھی چار سو
قمری نے عندلیب سے اک دن کیا خطاب دلدادہ سرو کی ہوں میں تو عاشق گلاب
طالب تو شاخ گل کی میں جویائے آب جو
پھولوں سے انس تجھ کو نہ رہنا چاہئے گردن میں تیری رشتہ زنار چاہئے
گر تجھ سے رسم و راہ کی ہے تجھ کو جستجو
سن کر کلام قمری کا بلبل ہوی ملول کہنے لگی یہ شرط میں کیونکر کروں قبول
فطرت کو تیری کیسے بتاؤں میں اپنی خو
قمری نے عندلیب کو پھر یہ دیا جواب ہوگا نہ استحاد ہمارا یہ کامیاب
سنتی ہوں تیری نسل ہے دیرینہ جنگ جو
پھر دونو صحن باغ میں جنگ آزما ہوئیں وقف جفا ہوئیں ہدف ابتلا ہوئیں
پھولوں کی آنکھ سے بھی ٹپکنے لگا لہو
دوش صبا پہ اڑنے لگے تار آشیاں فریاد کر رہا تھا ہر ایک مرغ گلستاں
کیا خاک میں ملا ہے گلستاں کی آبرو
صیاد تھا کشادہ گلستاں میں جس کا دل جو کر رہا تھا ان کی اسیری کا اہتمام
برآئی اس کے دیدۂ حسرت کی آرزو
مرغان نغمہ سنج قفس میں ہوئے اسیر ویراں ہوا وہ گلشن بے مثل و بے نظیر
باد صبا اڑانے لگی خاک چار سو

محمود اسرائیلی

ساون

قافلہ حسرت و ارمان کا لگھٹا ساون کی　　کاروان دل کی امنگوں کا ہوا ساونکی
تا قیامت رہے قایم یہ سیہ مستی ابر　　یا الٰہی نہ جوانی کو گھٹا ساون کی
آج تو بخل نہ کر تیری کریمی کے نثار　　جھومتی آتی ہے ساقی وہ گھٹا ساونکی
چشم بد دور یہ ہے ابر کی چشم مہجور　　آہ عاشق ہے نہیں یہ گھٹا ساونکی

لڑکھڑاتی وہ چلی دیکھو میری توبہ صبح
آنکھ شرمائی ہوئی منہ پہ رداساونکی

سجاد حیدر

مرجانے تو دو

جاؤ بالیں سے اٹھو تو موت کو آنے تو دو　　چین سے جینے نہیں دیتے ہو مرجانے تو دو
صبح تو آخر کو ماتم ہے تمہارا اور ہیں　　حسرتو ٹھیرو شب وعدہ گذر جانے تو دو
بس نگاہو تم نے پہونچایا پیام دلبری　　کچھ وہاں تنگ ہے ان کو بھی فرمانے تو دو
جان ہی سمجھو اسی میری مگر ٹھیرو ذرا　　ایک ہی ارمان باقی ہے نکل جانے تو دو

کانٹے ہی کانٹے بچھیں بستر پہ مانی تو تہی
آرزو کا ایک کانٹا دل میں چبھ جانے تو دو

مانی جالسی

میں نے کل مادر لیلےٰ سے کہا　　تیرا دامادِ سنا پاگل ہے
رو کے بولی کہ حسینوں کے نصیب　　ان کی قسمت میں لکھا پاگل ہے

محبوب علی۔ ایم۔ اے (علیگ)

رُباعی

تم اٹھ گئے اک نگاہ کرکے ہم گر پڑے آہ آہ کرکے
مٹی میں ملی میری جوانی کیا تم کو ملا تباہ کرکے

(۹)

خمر

چوں دلم شد محرم رازش زبانم شد خموش
چوں شنیدم نالۂ بلبل بر آمد صد خروش
مژدۂ جاں بخش وصل او رسید امشب بگوش

مست گشتم از دو چشم ساقی پیمانہ نوش
الفراق اے ننگ و ناموس الوداع اے عقل ہوش

خاطر زارم کہ اکنوں رفت از جمعیتش
از گداز و سوز باہم شد دگر ماہیتش
رفت در سودائے چشمی مایۂ عافیتش

یارب ایں چشم ست یا جادوست کز کیفیتش
ہمچو دریائے محیط ایں قطرہ ام آمد بجوش

از وفور عشق بلبل با چمن ہمرنگ شد
غنچۂ تنگ از ہوائش با دہن ہمرنگ شد
در دقوف سرایں دل با سخن ہمرنگ شد

شد تنم ہمرنگ با جاں جاں بہ تن ہمرنگ شد
میرسد ہر جا کہ خواہد جاں بہ تن خانہ بدوش

شام غربت هم توئی و روز روشن خود توئی
بلبل نالان، گل خندان و گلشن خود توئی
شعلهٔ طور و کلیم و دشت ایمن خود توئی
گفتمش اے جان من هم جان و هم تن خود توئی
گفت فی الواقع ولا در سرای اسرار کوش

صبر بر مهجوری آن مهر طلعت چون کنم
تاب شور و ناله و اندوه و آفت چون کنم
در حصول نعمت وصلش جسارت چون کنم
نیست اندر اختیارم ضبط حالت چون کنم
می برآید از درونم می خروشم می فروشم

دوش بودم فارغ از کار جهان مسجد نشین
شاغل فرض و نوافل کامران مسجد نشین
پائے بند زهد و تقوی نکته دان مسجد نشین
دی بدم من شیخ دین و سبحه خوان مسجد نشین
هستم اکنون بت پرست و کافر زنار پوشم

درد دل را حاجتی هست از دوای آن صنم
شد تنم پیوند خاک اندر هوای آن صنم
داد رندان را ولایت چون ولای آن صنم
زهد و تقوی در فگندم زیر پای آن صنم
مذهبم عشق است و رندی مشربم جوش و خروشم

واعظ ما را کار فرما انچه می گویم ترا
اشتباهی کن نه حاشا انچه می گویم ترا
کن به دل تعمیل آن را انچه می گویم ترا
زاهد البته خدا را انچه می گویم ترا
زهد بی معنی گزار و جام عشق از من بنوش

حاضری آستان بر خود گرفتم فرض عین
ضبط اسرار نهان بر خود گرفتم فرض عین
شیوه شور و فغان بر خود گرفتم فرض عین
خدمت پیر مغان بر خود گرفتم فرض عین
کمترین از بندگانش بنده ام حلقه بگوش

عهد با پیر مغان بستم بصد عجز و نیاز
بنده درگاه وی هستم بصد عجز و نیاز
از شراب ناب سرمستم بصد عجز و نیاز
بر در میخانه بنشستم بصد عجز و نیاز
گشته ام از بهر یک دو جام می طاعت فروش

بود آئی پیش ازین آگاه صد حکمت نیاز
زیر پای خم کنون افتاد با ذلت نیاز
حالت وارفتگیش شد به تمثالت نیاز
عالمی پر شور شد از غلغل و شورت نیاز
یک صدای یار من از های و هو بس کن خموش

امیر حیدرآبادی

غزل

گمانِ چارہ گر کیا جانے کیا ہے　　مرا دردِ جگر کیا جانے کیا ہے
شبِ فرقت تو بے تابی میں گذری　　نصیبوں میں سحر کیا جانے کیا ہے
ترے لب پر تو ذکرِ حق ہے واعظ　　ترے دل میں مگر کیا جانے کیا ہے
اثر بیکس کی فریاد و فغاں میں　　کوئی بیداد گر کیا جانے کیا ہے
رہو نگا دیکھکر بھی اُس کو حیراں　　کہو نگا عمر بھر کیا جانے کیا ہے
گھلا جاتا ہوں یارب دل ہی دل میں　　محبت میں اثر کیا جانے کیا ہے
ترے دل میں میری قسمت میں ظالم　　کسی کو کیا خبر کیا جانے کیا ہے
طریقِ عشق دم نکلے تو نکلے　　یہ راستہ رہبر کیا جانے کیا ہے
ابھی کچھ ہے ابھی کچھ ہے ابھی کچھ　　تری کافر نظر کیا جانے کیا ہے
حقیقت سے نہیں آگاہ کوئی　　حقیقت میں بشر کیا جانے کیا ہے

عزیزؔ الفت کو اس میری وفا کو
ابھی وہ بے خبر کیا جانے کیا ہے

عزیز یار جنگ عزیزؔ

غزل

یہی اس کی ہے بقا تجھ میں فنا ہو جانا　　ورنہ دشوار ہے بندے کا خدا ہو جانا
یونہی تقدیر تھی قسمت کا لکھا ہو جانا　　آنکھ کی طرح سے ملتے ہی جدا ہو جانا
زندگی ہے تو قیامت بھی کوئی دور نہیں　　دیکھ لیں گے ترے وعدہ کا وفا ہو جانا

خیر بھولے سے سہی اے میرے اغیار نواز — اس طرف بھی نگہ لطف ذرا ہو جانا
ذوق دیوانگیٔ جوش جنون کیا کہئے — جان دینے کو سمجھتا ہوں رہا ہو جانا
اس تمنا کے سوا اور تمنا کیا ہو — ہے تمنا تو یہی تجھ پہ فدا ہو جانا
لیتے جانا کبھی ہم خاک نشینوں کی خبر — اس طرف بھی کبھی اے بادِ صبا ہو جانا
جلوۂ گل ہے تماشائے نظر کے قابل — چاہئے تجھکو بھی اب عقدہ کشا ہو جانا
ناامیدانِ وجودی نہ بنو تم ہرگز — کوئی دشوار ہے کیا فضل خدا ہو جانا

وجودی شمسی حیدرآبادی

رُباعیات

(۱) جتنا کہ میں سرشار ہوا جاتا ہوں — اتنا ہی خبردار ہوا جاتا ہوں
کیا شئے ہے شرابِ معرفت اکبر — پی پی کے میں ہشیار ہوا جاتا ہوں

(۲) پامالِ توہماتِ عصیاں ہوں میں — افکارِ عبادات میں حیران ہوں میں
لا جامِ مئے ہوش رُبا اے ساقی — غمہائے دو عالم سے پریشان ہوں میں

(۳) بیتاب ہوں میں صبر سے بیگانہ ہوں — اس شمعِ دل افروز کا پروانہ ہوں
کیا کام مجھے عقل و خرد سے اکبر — دیوانہ ہوں میں عشق کا دیوانہ ہوں

(۴) بیتاب تمنائے محبت میری — سیماب تمنا ہے محبت میری
عزقاب تمنائے محبت ہوں میں — گرداب تمنا ہے محبت میری

جلال الدین اکبر

تاثیر محبت

از

جناب ام اسلم صاحب

میں نے جب دنیا سے کنارہ کر لیا۔ تو رنج و محن بھی مجھ سے کنارہ کش ہو گئے۔ .....
..... لیکن محبت کی پھانس پھر بھی دل میں لگی رہی !!

میں نے چاہا کہ دنیا سے الگ ہو کر تیری یاد تیری تمنا تیری آرزو اور تیرے شوق سے بھی الگ ہو جاؤں لیکن تو جسقدر میری آنکھوں سے دور ہوا اتنا ہی میرے دل کے پاس ہوتا گیا ..... کیوں؟ یہ تیری محبت کی تاثیر تھی

درختوں کے سائے میں ندی کنارے بیٹھا تھا۔ میری آنکھوں سے بیلاب اشک رواں تھا۔ بن کی ہوا درختوں میں آہیں بھر رہی تھی۔ اور ساتھ ساتھ میرے دل سے بھی آہیں نکل رہی تھیں ننھے ننھے اور پیارے پیارے پھولوں کی کٹوریاں بھر رہے تھے جو ندی کے کنارے محو تماشا تھے

۱۲ اور ہر ندی اچھلتی کودتی چلی جا رہی تھی ادھر میری آنکھوں سے آنسو لڑک لڑک کر ان ننھے ننھے اور پیارے پیارے موتی سے پھولوں کو بھر رہے تھے جو ندی کے کنارے محو تماشا تھے

کیوں؟ - میں تجھ سے دور تھا یا تو مجھ سے دور؟ - نہیں! نہیں! نہ میں تجھ سے دور تھا اور نہ مجھ سے دور! لیکن اس درد کا باعث؟ . . . . . .

یہ تیری محبت کی تاثیر تھی

ملاح کشتی لے کر آپہونچا

آؤ سوار ہو جاؤ - اس نے اشارہ سے کہا - میں سوار ہو گیا اور وہ کشتی کھینے لگا - کنارہ کشتی سے دور ہوتا گیا اور میں تجھ سے دور - میں تجھ سے دور اور کنارہ مجھ سے دور! . . . . . جب اُس پار پہونچا تو نرگس کا ایک پھول شبنم کے پانی سے غسل کر کے دھوپ میں بدن خشک کر رہا تھا . . . . . کیا پیارا پھول تھا کتنی پیاری نرگس تھی آہ! میرے دل پر ایک چرکا لگا اور تیری نرگسی آنکھوں کا تصور میری آنکھوں میں کھنچ گیا . . . . . نہ دل قابو میں رہا اور نہ آنکھیں . . . . . کیوں؟

یہ تیری محبت کی تاثیر تھی

رسالہ مکتبہ کے خریداروں کو اطلاع!

رسالہ "مکتبہ" کے نام کی ڈائی نستعلیق کے جلی خط میں "محبوبیہ کارخانہ جلد سازی حیدرآباد دکن" نے بنوالی ہے - لہذا خریداروں سے سفارش کی جاتی ہے کہ ہر سال کی جلد متذکرہ بالا کارخانہ سے بنوائیں - کیونکہ اس کارخانے میں جلد عمدہ اور خوشنما تیار ہوتی ہے -

(مکتبہ)

رسالہ "مکتبہ" میں اشتہار دیکر اپنی تجارت کو ترقی دیں -

فہرستِ مضامین مجلۂ مکتبہ

(جلد نہم)

(۱) مضامین

چکبست ۔ عبدالقادر سروری صاحب
سویرے اٹھنا ۔ عبدالسلام صاحب ذکی
ورڈسورتھ کا نظریہ حیات انسانی ۔ جناب میر حسن صاحب
لسان العصر اکبر اور ان کی شاعری ۔ ڈاکٹر
ہیم بریجانی صاحب
آصف جاہ ثانی ۔ نصیر الدین صاحب ہاشمی
امجد اور ان کی شاعری ۔ عبدالقادر صاحب سروری
گرو ۔ سید شاہ محمد صاحب
حسین ساگر ۔ نظارہ پرت صاحب
حقیقی مسرت ۔ نقش عالمی صاحب
شاعری اور مذہب ۔ ماہر صاحب حیدرآبادی
ہندی ادب کے متعلق دو جدید کتابیں } ہیم بریجانی صاحب
ایک امی شاعر ۔ مرزا شکور بیگ صاحب
فورٹ ولیم کالج کے ارباب قلم کے متعلق ۔ نصیر الدین صاحب ہاشمی
سائنٹ بیوی ۔ میر حسن صاحب
شعرا اور اس کی خصوصیات ۔ علی حسنین صاحب زیبا
درد کی زندگی کا ایک ورق ۔ غلام محمد خاں صاحب
تجارت کی سرد بازاری نجم الدین صاحب انصاری
لسانیات ۔ سید محی الدین صاحب قادری زور
ناول نگاری اور اردو زبان محمد اعظم خاں صاحب
چند کہانیوں کی باتیں ۔ احمد حسین صاحب امجد
اقبال کا ذوق آگہی ۔ علی حسنین صاحب زیبا
ناول کے پلاٹ یا خاکے ۔ عبدالقادر صاحب سروری
باغباں ۔ اعظم کریوی صاحب
ظاہر اور حقیقت ۔ شاہ محمد صاحب
اے میرے محبوب ۔ راز صاحب قاسمی

(۲) افسانے

مجلۂ مکتبہ

جنت کے تین پھول ۔	اختر حسن صاحب
سبحہ ۔	عزیز احمد صاحب
فردوس بریں	عبدالحلیم صاحب بشیر مرحوم
قربانی ۔	غلام رسول صاحب
آخری خط ۔	نقش عالمی صاحب
مژدۂ از غیب ۔	محمد خاں صاحب
بزم بیرم ۔	محمد محبوب علی خاں صاحب
سوز غم ۔	محبوب علی صاحب
جوہر شمشیر ۔	سرفراز علی صاحب جوش
وائے بخیر گذشت ۔	مرزا شکور بیگ صاحب
رسیدہ بود بلائے ۔	میر حسن صاحب
شباہت ۔	محمد محی الدین صاحب منور
مریض الفت ۔	عزیز احمد صاحب

(۳) منظومات

جواب ۔	سید اختر علی صاحب اختر
عہد طفلی ۔	مرزا اسد اللہ بیگ صاحب حیدر
افسانۂ دل ۔	کوکب صاحب شاہجہانپوری
احوال دل ۔	ڈاکٹر میر طاہر علیخاں صاحب مسلم
غزل ۔	عبدالسلام صاحب ذکی
داستان حسن ۔	کوکب صاحب شاہجہانپوری
مشاہدات راز ۔	ابوالفاضل راز صاحب چاندپوری
غزل ۔	میر طاہر علیخاں صاحب مسلم
راز محشر ۔	مرزا اسد اللہ بیگ صاحب حیدر
غزل ۔	بشیر احمد خاں صاحب بشیر
غزل ۔	میر طاہر علی خاں صاحب مسلم
طلسم زندگی ۔	محمد عبدالسلام صاحب ذکی
نوائے راز ۔	ابوالفاضل راز صاحب چاندپوری
یہ فیصلہ تو ہو کہ دل مبتلا ہے کیا ۔	سید عابد علی صاحب
غزل ۔	نظم صاحب طباطبائی
محبت ۔	اختر حسن صاحب اختر
زمزمۂ انجم ۔	علامہ اقبال صاحب
سرگوشیاں ۔	عزیز احمد صاحب
مجھے تم یاد آتے ہو ۔	شعیب احمد صاحب حزیں
عالم ایجاد کیا رنگ پذیر ہے ۔	سید عابد علی صاحب
غبار رہگیں	صدیق جائسی صاحب
غزل ۔	حسرت صاحب موہانی
غزل ۔	محمد عبدالحی خاں صاحب شائق
اے دوست ۔	علی حسین صاحب زیبا
انتظار ۔	مرزا اسد اللہ بیگ صاحب حیدر
راز و نیاز	کوکب شاہجہانپوری

(۴) تنقیدیں

مراۃ احمدی	کلام جوہر

ہمزاد۔ یورپ میں دکنی مخطوطات　کتاب مسلمانِ عثمانی　انسداد بے علمی
انارکلی۔ سفر حجاز　رفیق تنہائی اور دیگر افسانے

غالب ۔ (ادبی تنقید) مصنفہ ڈاکٹر سید عبداللطیف مترجمہ سید معین الدین قریشی

ڈاکٹر صاحب نے یہ کتاب انگریزی میں لکھی تھی جس سے صرف انگریزی داں طبقہ استفادہ کرتا تھا۔ اردو داں طبقہ کا یہ اعتراض کہ کتاب اردو میں لکھنا چاہیئے تھا اب جاتا رہا۔ اب ہر اردو داں اس انقلابی کتاب کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ بقول مصنف یہ کتاب ایک ادبی احتجاج ہے جس کی اہمیت کو واضح کرنے کی اس حقیر کتاب میں کوشش کی گئی ہے" کاغذ کتابت صاف نہایت اعلیٰ صفحہ ۱۵۲ قیمت (عہ)

جدید اردو شاعری ۔ (تاریخ ادب) از پروفیسر عبدالقادر سروری ۔

غدر کے بعد سے موجودہ زمانہ تک کی شاعری کا ارتقا شعرا کے حالات کلام پر تنقید، شعرا کی تصویریں بھی ہیں مولوی عبدالحق پروفیسر ادبیات اردو پیش نامہ میں کتاب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "جدید شاعری کے اسباب نیز اہم جامعیوں کے کلام پر بہت خوبی اور جامعیت کے ساتھ تبصرہ کیا ہے" کاغذ کتابت عمدہ صفحہ ۳۷۲ قیمت (ے)

خواب وخیال ۔ (مختصر افسانے) از مجنوں گورکھپوری ۔

حضرت مجنوں مدیر رسالہ "نگار" گورکھپور کے گیارہ نہایت کامیاب افسانوں کا مجموعہ ہے۔ ملک کے تمام ادبی رسالوں نے کتاب کے متعلق عمدہ رائیں ظاہر کی ہیں کتابت طباعت عمدہ صفحہ ۲۱۵ (عہ)

سیرت محمد علی ۔ مرتبہ عالیجناب مولوی انیس احمد صاحب جعفری ندوی۔

مولف موصوف نے نہایت محنت و جانفشانی کے ساتھ ہندوستان کے قائد اعظم بطل حریت شہید ملت مولانا محمد علی مرحوم کے سوانح حیات کو مکمل اور مشرح طور پر جمع کرکے یہ بیش بہا اور نادر سوانح عمری مرتب فرمائی ہے ہر محب وطن کے لئے یہ کتاب مشعل ہدایت اور خضر طریقت کا کام دے گی اگر آپ کو درحقیقت اپنے وطن سے ذرا بھی محبت ہے تو اس محب وطن کے کارنامو ں کو پڑھ کر سبق حاصل کیجئے ۔ قیمت ہے ۱۲ علاوہ محصول ڈاک

کامیاب زندگی ۔ مترجمہ عالیجناب غلام حیدر خاں صاحب۔

اگر آپ اپنی سست اور پژمردہ زندگی میں انقلاب عظیم پیدا کرکے اسے ملک وملت کے لئے مفید اور کارآمد بنانا چاہتے ہیں تو نہایت غور وتعمق کے ساتھ صرف ایکبار کامیاب زندگی کا مطالعہ آپ کو مدعا سے ہم آغوش کرے گا قیمت (عہ) علاوہ محصول ڈاک

کامیاب افسانے ۔ ملک کے مشہور اہل قلم اور افسانہ نویس حضرات کے بے مثل اور لاجواب فسانوں کا نہایت نایاب و دلکش مجموعہ۔

مرتبہ عالیجناب وزارت صاحب انصاری۔ قیمت (عہ) علاوہ محصول ڈاک

مالیات عامہ اور ہمارے افلاس کے اسباب ۔ مترجمہ قاضی محمد حسین صاحب۔

یہ ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے جس کے مصنف ۔ جے سی۔ کمال اپا صاحب ہیں اس کتاب میں نہایت وضاحت کے ساتھ اس امر پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ مالیات عامہ نے ہندوستان کی موجودہ اقتصادی حالت پر کیا اثرات ڈالے ہیں۔ قیمت ۱۰ر علاوہ محصول ڈاک

ترنگی ۔ یہ کتاب ہندوستان کے مشہور ادیب عالیجناب ملا رموزی صاحب بہوپالی کی سعی کتابت الا ر تصنیف ہے اس کتاب میں دیباچہ کے علاوہ ایک نہ دو بلکہ پورے سترہ بہترین مضامین درج ہیں۔ پڑھئے اور حظ زندگی اٹھائیے۔ قیمت (عہ) علاوہ محصول ڈاک۔

محمد بیرم خاں ترکمان ۔ مصنفہ عالیجناب کوثر صاحب چاندپوری۔

شہنشاہ اکبر کے اتابیق اعظم محمد بیرم خاں عرف خان بابا کے سوانح حیات۔ قیمت عہ علاوہ محصول ڈاک

سابقہ خلوص اور تپاک سے ملتا تھا اگرچہ اس کے دل میں حامد کی طرف سے ایک گونا کدورت پیدا ہو گئی تھی ایک دن یوسف کی زبانی بر سبیل تذکرہ جب حامد نے سعیدہ کی شادی کی خبر سنی تو بیچارے کی آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا گیا پاؤں تلے کی زمین نکل گئی قریب تھا کہ اس کے دل سے ایک دل دوز آہ نکل جاتی کہ کسی کے خیال سوائی نے بڑھکر کہا۔ دم باش و مکن آہ کہ جمیں در راہ است

(۵)

مثل مشہور ہے جو بیندہ یابندہ لیکن اس کے ساتھ ہی من اشتبہ الشیطان اور دیر آید درست کا بھی خیال ملحوظ خاطر ہونا چاہیے مارے باندھے سے ایک جگہ سعیدہ کی نسبت قرار بھی پا گئی اور خفیہ طور پر خالہ کے گھر میں منگنی کی رسم بھی ہو گئی لڑکے کا خاندان اور مالی حالت بہت اچھی تھی لیکن جوہر ذاتی اور خصائل اکتسابی کی کچھ نہ پوچھیے سب گنوار پوسے کون کہے ادھورے عیاشی میں طاق شراب خوری میں شہرہ آفاق قمار بازی کا مرد آوار گی میں فرد مگر اس اللہ کے بندے دھن کے پکے یوسف نے ایک نہ مانی سنی کو ان سنی کر دیا اور ماہ آئندہ میں شادی قرار پائی سعیدہ پوری کاروائی سے اچھی طرح واقف تھی مگر کسی ذریعے حامد کو بھی تاریخ معینہ کی اطلاع مل گئی قسمت کی ماری سعیدہ اور بدنصیب حامد کے ان روح فرسا صدمات کا اندازہ کچھ وہی کر سکتا ہے جس پر بیت چکی ہو ورنہ درد بیدرد کی بلا جانے حامد کی بیوہ ماں اپنے جوان بیٹے کو سسکتا سسکتا جوبن گنوا رکے اللہ آمین سے بالا پوسا تھا اور روز افزوں تباہ حالت دیکھ کر موت کے کنارے لگ گئی تھی اور سعیدہ کے خالہ اور خالو نے اندازہ کر لیا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے غریب بے زبان بچی کے مرضی کے بالکل خلاف ہو رہا ہے لیکن کیا کر سکتے تھے پرائی جائی کا معاملہ دل ہی دل میں جل بھن کر خاموش ہو رہنے کے سوا چارہ نہیں کون ایک کہہ کر دس سنے آدھی کر کے پوری اوٹھائے۔

(۶)

حضرت عشق نے سعیدہ اور حامد کے دلوں پر وہ تیر نہیں چلائے تھے جس ہوا و ہوس کی دیدہ زیب مگر کمزور پر لگ کر ہوں اور جو باد مخالف کے تیز و تند جھونکوں کی تاب نہ لا کر راستہ ہی میں بکھر جائیں اور تیر کی زد کو بھی اوچھی کر دیں بلکہ وہ تیر مارا تھا جس استقلال و استقامت کے مضبوط پر لگے ہوئے تھے اور جو مصائب و آلام کی مکدر فضا کو چیرتا پھاڑتا سیدھا حامد و سعیدہ کے دل میں پہونچکر ترازو ہو گیا تھا اس لئے زبان حال سے باآواز بلند کہہ رہے تھے کہ ؎

کوئی دن گر زندگانی اور ہے ÷ ہم نے اپنے جی میں ٹھانی اور ہے

جیسے جیسے شادی کے دن قریب آتے گئے دونوں دل فگاروں کی حالت زیادہ ناگفتہ بہ ہوتی گئی غریب سعیدہ پھر بیمار پڑ گئی ڈاکٹروں

نے دق کا اندیشہ بتایا علاج باضابطہ ہونے لگا۔ لیکن ع۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ یوسف اپنی بہن کی حالت کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ اس تباہی کا باعث اور مصیبت کی وجہ صرف میں ہی ہوں وہ اب اپنے کئے پر نادم ہو گیا تھا مگر یہ ندامت و پشیمانی بعد از وقت تھی قول دیکر پھر جانا شریفوں میں نہیں ہوتا وہ حیران تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔

ادھر بدنصیب حامد کی دماغی حالت خراب ہو گئی تھی۔ دنوں گھر سے غائب رہنے لگا چوتھے پانچویں آکر اپنی غمزدہ ماں کے قدم چوم لیتا تھا اور پھر بے پتہ ایک دن مقامی اخبارات کے ذریعہ یہ خبر وحشت اثر تمام شہر میں مثل برق سرعت کے ساتھ گشت لگانے لگی کہ سرور نگر کے قلعہ قدیم کے پاس نواب کریم الدین صاحب مرحوم کے نوجوان فرزند حامد الدین کی نعش باولی میں پائی گئی انا للہ وانا الیہ راجعون پولیس سرگرم تحقیقات ہے۔ حامد جیسے ہر دلعزیز نوجوان کے مرنے کی خبر ایسی نہ تھی کہ ایک کان سے سنی جاتی اور دوسرے کان سے اڑا دی جاتی بلکہ اس تکمیل سوز خبر نے پبلک میں ایک تھلکہ پیدا کر دیا یوسف کی حالت بہت خراب ہو گئی۔ وہ یہ کہہ کر روتا تھا کہ ہائے مجھ نالائق کے ہاتھوں بہن قبر کے کنارے لگ گئی اور ایک حقیقی دوست موت کا شکار ہو گیا غریب سعیدہ کو مطلق اطلاع نہ تھی کہ اس پر کیا قیامت نازل ہو گئی اور آسمان ٹوٹ پڑا وہ چوبیس گھنٹہ اپنے پیارے کی یاد اور اس مصیبت کے انتظار میں پوند بستر بنی پڑی ہوئی تھی۔ جو شادی کی صورت میں نازل ہونے والی تھی یوسف نے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ ایک مدت تک سعیدہ کو اس حادثۂ عظیم کی اطلاع نہ ہو سکی کیونکہ وہ جانتا تھا سعیدہ کو زہر پلانا اور حامد کی موت کی خبر دونوں مساوی ہے لیکن کب تک آخر کار سعیدہ کو معلوم ہی ہو گیا۔ اور وہ بھی چل بسی ——— !!

صوت تغزل ۱۹۳۴ء یعنی دیوان طباطبائی ۔ جو عالی جناب نواب حیدر یار جنگ بہادر علامہ علی حیدر طباطبائی نظم کے کلام کا مکمل ردیف وار مجموعہ ہے۔ بہترین طباعت و کتابت کے ساتھ دار الاشاعت انجمن امداد باہمی مکتبہ ابراہیمیہ سے شایع ہو رہا ہے۔ قیمت صرف (۱۰) شائقین جلد آرڈر ارسال کریں۔

——— مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد دکن ———

شاہنامہ اسلام کی دوسری جلد

نہایت مسرت کے ساتھ اعلان کیا جاتا ہے کہ شاہنامہ اسلام کی دوسری جلد اللہ کے فضل و کرم سے تکمیل کو پہنچی ہے جنگ بدر جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں صرف تین سو تیرہ نہتے اور بے سروسامان مجاہدین اسلام نے مشرکین مکہ کی جرار فوج کے زبردست حملے کا مقابلہ کیا اور صرف جوش ایمانی سے کام لیکر دشمنوں کو شکست فاش دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح مشرک قیدیوں پر احسان فرمائے مدینے میں منافقین اور یہود کی شرارتیں مسلمانوں کا صبر و تحمل لعب بن اشرف یہودی ہجو گو شاعر کا انجام

جن حضرات نے پہلی جلد کا مطالعہ کیا ہے اگر وہ دوسری جلد کا بھی اشتیاق رکھتے ہوں تو جلد از جلد فرمائش بھیجدیں

یہ جلد بھی پہلی جلد کی طرح دو ہزار اشعار پر مشتمل ہے کتابت طباعت اور کاغذ پہلی جلد سے بھی بہتر ہے تقطیع اور ضخامت بھی وہی ہے اور قیمت بھی وہی ہے یعنی تین روپیہ فی جلد علاوہ محصول ڈاک۔

نوٹ تین روپے فی جلد والے اڈیشن کے علاوہ اس جلد کا بھی ایک خاص اڈیشن شائع کیا جا رہا ہے یہ ایڈیشن محدود ہو گا یعنی صرف ۲۵۰ کتابیں چھاپی گئی ہیں۔ یہ مجلا اور مطلا اور مذہب ہو گا۔ بالکل جلد اول کے خاص ایڈیشن کیطرح۔ اسکی قیمت فی جلد ساڑھے بارہ روپے ہو گی اس کا کاغذ تین روپے والی جلد سے مختلف اور بڑھیا ہے۔

جن حضرات نے پہلی جلد کا خاص ایڈیشن منگایا تھا۔ وہ بھی جلد فرمائش ارسال کریں تین روپے والی جلد غیر مجلد ہے

ملنے کا پتہ

کتب خانہ شاہنامہ اسلام انارکلی لاہور

کردار اور افسانہ

اردو کے موخر رسالوں کی رائیں

یہ دنیائے افسانہ کا دوسرا حصہ ہے۔ اس کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصے میں اشخاص قصہ دوسرے حصے میں کردار نگاری اور تیسرے حصے میں اردو کے بعض مشہور افسانوں کے کردار پر بحث کی ہے اگرچہ کوئی ہدایتوں سے افسانہ نویس نہیں بن سکتا تاہم ان ضروری باتوں کا جاننا اس کیلئے ضرور و مفید ہے۔ تیسرے حصے میں سحر البیان اور نجم النساء کے کردار اور عمرو عیار کی سیرت کو تفصیل اور خوبی سے بیان کیا ہے۔ جو لوگ افسانوں کو غور سے پڑھنا چاہتے ہیں یا جن کو افسانے لکھنے کا شوق ہے ان کے لئے بہت کارآمد ہے کردار اور اس کا بیان افسانے کا سب سے بڑا اہم جز ہے اس سے وہی عہدہ برآ ہو سکتے ہیں جن میں بیان کی خداداد قابلیت اور مشاہدے کی قوت ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ انسان کے اعمال و افعال میں سے صرف انہیں پر نظر پڑے جو کردار کو نمایاں کر کے دکھا سکتے ہیں۔ یہ مصنف کی ذہانت اور ذوق پر منحصر ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے اس کے تمام پہلو سامنے آجاتے ہیں۔ اگرچہ پڑھنے والے کو بعض باتوں میں مولف سے اختلاف ہوگا لیکن اس مضمون پر اردو میں یہ پہلی کتاب ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ قابل مولف نے اس کے لکھنے میں پوری کوشش اور محنت کی ہے (اردو جنوری سنہ ۱۹۳۰ء)

جناب عبد القادر سروری ایم۔ اے۔ اس سے قبل دنیائے افسانہ لکھکر کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ انہوں نے یہ دوسری کتاب پیش کی ہے جسے دنیائے افسانہ کا تتمہ سمجھنا چاہئے۔ اس میں سیرت نگاری سے بحث کر کے مثالاً سحر البیان کے نجم النساء امراؤ ادا کے عون و محمد ندیر احمد کے نصوح و نعیمہ اور داستان امیر حمزہ کے عمرو عیار کے کردار سے بحث کی کتاب بہت دلچسپ مفید اور پر از معلومات ہے۔

پاکیزہ کتابت طباعت دیدہ زیب چھوٹی تقطیع خوبصورت جلد (قیمت عہ) انگا پریل سنہ ۱۹۳۰ء

پتہ:۔ مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد سکندر آباد دکن

مجلہ مکتبہ

یہ **دارالاشاعت** مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی محدود کا ماہوار رسالہ ہے یہ علمی و ادبی رسالہ ہے جس میں علم و ادب کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہونگے۔ حجم کم از کم چار جز ہوگا۔ بنظر احتیاط پرچہ پیشگی سرٹیفکیٹ آف پوسٹنگ روانہ کیا جائیگا۔ اگر اتفاقاً وصول نہ ہو تو ہر فصلی مہینے کی ۲۰ تاریخ تک بحوالہ نمبر خریداری اطلاع دی جائے۔

قیمت سالانہ للور مع محصول ڈاک پیشگی چھ ماہ کیلئے ۱ فی پرچہ ۱ اشتہارات کا نرخ فی اشاعت پورے صفحہ کیلئے ۵ نصف کیلئے ۳ اور چوتھائی کیلئے ۲ ہے اگر زیادہ مدت کیلئے اشتہار دیا جائے تو اس نرخ میں (۱۲½) فیصدی سے (۲۵) فیصدی تک کمی ہو سکے گی۔

ترسیل زر مضامین اور جملہ خط و کتابت منتظم مجلہ مکتبہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن سے کیجئے

باہتمام

محمد نظام الدین مددگار منیجر مکتبہ ابراہیمیہ

مطبوعہ مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس حیدرآباد دکن

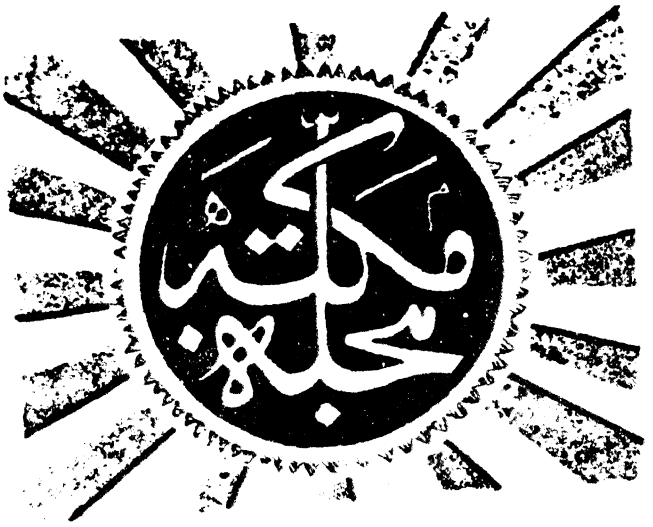
مکتبہ

رجسٹرڈ نشان ٹپہ سرکار آصفیہ ۸۸۶ رجسٹرڈ نشان انگلشیہ
(۶۵) (.....)

زیر سرپرستی انجمن امدادباہمی کتبہ بڑا امیہ حیدرآباد دکن
کا

ماہوار علمی وادبی مجلہ

(مدینہ)

عبدالقادر سروری ام اے ال ال بی

جلد (۱۰)	بابتہ ماہ تیر ۱۳۴۲ف مطابق ماہ مئی ۱۹۳۳ء	شمارہ (۲)

فہرست مضامین

۱ — شذرات ——— مدیر ——— ۳
۲ — کلکتہ، ہندوستانی ایک مخلوط بولی کی تحقیق ——— مترجمہ میر حسن صاحب مدیر مجلہ عثمانیہ ——— ۵
۳ — لاک اور تعلیم میں ضبط موضوعی کا رواج ——— جناب فیض محمد صاحب صدیقی ——— ۱۷

۴ ایک ناکامی (افسانہ)	جناب اختر حسن صاحب اختر ۲۵
۵ غزل	نواب محمد قادر الدین خاں صاحب تمکین ۳۱
۶ سینما اور زندگی	جناب نجم الدین صاحب انصاری ۳۲
۷ غزل	جناب اختر حسن صاحب اختر ۳۶
۸ کیفیات	جناب کوکب صاحب شاہجہانپوری ۴۴
۱۰ محبت ناگزیر ہے (آخری دعا۔ نذر)	جناب انتا صاحب حیدرآبادی ۴۵
۱۱ غزل	جناب روشن علی صاحب روشن مرحوم ۴۸
۱۲ محسن کش	مترجمہ اجل عرفانی صاحب حیدرآبادی ۴۹
۱۳ تنقیدیں	مشاہدات۔ بارش اور قرآن۔ سرکار دو عالم دنیا کے نبی والے ۵۶

صوت تغزل

۱۹۳۳ء

یعنے

عالیجناب نواب حیدر یار جنگ بہادر نظم طباطبائی کے کلام کا مکمل ردیف وار مجموعہ ہے جو دارالاشاعت انجمن امداد باہمی مکتبہ ابراہیمیہ سے عنقریب شائع ہو رہا ہے۔

قیمت

۱ عدد

شذرات

فی زمانہ دنیا اپنی حیات کی نہایت کٹھن منزلیں طے کر رہی ہے۔ سیاسی و معاشی و قومی اور بین قومی الجھنوں کی وجہ سے افراد اور اقوام کی زندگی اور بقا کا مسئلہ دن بدن پیچیدہ اور مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن یہ کیا اس وجہ سے ہے کہ گذشتہ زمانہ میں حصول دولت کے جو ذرائع تھے ان میں کمی ہو رہی ہے؟ یا یہ کہ انسان اپنے جہل اور کاہلی کی وجہ سے فطرت کی دی ہوئی نعمتوں سے پہلے کی طرح استفادہ کرنے کے قابل نہیں رہا؟

نہیں۔ اس عالمگیر ہیجان کے وجوہات کچھ اور ہی ہیں۔ مادی اور میکانکی ترقیوں کا تو یہ عالم ہے کہ انسان نے تیز کی بہتیری قوتوں کو اپنا مطیع اور تابع فرمان کر لیا ہے اُن سے محیر العقول کام لے رہا ہے۔ علم اور معلومات کی اشاعت کا یہ حال ہے کہ آج متمدن ممالک کی ابتدائی جماعتوں کے طالب علم کی معلومات ارسطو اور افلاطون سے کہیں زیادہ ہیں۔ گوناگوں ایجادات و اختراعات، اور پیمانہ کے رواج کی وجہ سے دولت طوفانی رفتار کیساتھ پیدا کیجا رہی ہے۔

اس قدر عظیم الشان ترقیوں کے باوجود نوع انسانی کی اکثریت کا کیا حال ہے؟ مفلس ممالک کا تو ذکر ہی کیا مساوی روزگار اور دولت کی غیر مساوی تقسیم کی وجہ سے متمول ترین اقوام کے افراد کی ایک بڑی تعداد کے لئے بھی کشمکش حیات کے مسئلہ نے نہایت خوفناک صورت اختیار کر لی ہے۔ سرمایہ داروں کے تمول اور اقتدار اور غریب مزدوروں کی افلاس و بے دست و پائی میں برابر اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

ان عقدوں کا حل انجمن اقوام نہیں پیش کر سکتی۔ کیونکہ وہاں تو جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول پر عمل ہوتا ہے۔ ان گتھیوں کو صرف ایک عالمگیر جنگ، ایک عظیم سے بھی عظیم تر جنگ، اور دنیا کے بنیادوں کو متزلزل کر دینے والا انقلاب ہی سلجھا سکتا ہے۔

لوگوں نے لاکھ کوشش کی کہ گاندھی جی (برت) سے باز آئیں پنڈت مالوی نے اُن سے یہی درخواست کی۔ مغربی اخبارات اسکی سخت مخالفت کر رہے ہیں ان تمام واقعات کے باوجود اس نحیف ناتوان لیکن دھن کے پکے انسان نے اپنا ارادہ تبدیل نہ کیا اکیس دن کا برت ہے خدا جانے اس سے کس قسم کے نتائج برآمد ہونگے! حکومت ابھی سے اپنا دامن بچانے کی فکر میں ہے۔ اسی سلسلہ میں گاندھی جی کو قید سے رہا کر دیا گیا ہے۔ لیکن انھوں نے اپنی آزادی پر مسرت کا اظہار نہیں کیا معلوم ہوتا ہے انھیں جیل خانہ سے اُنس ہو گیا تھا۔ اچھوتوں کے مستقبل سے متعلق ابھی کوئی رائے نہیں قائم کیجا سکتی۔

دنیائے سیاسیات میں جرمن مملکت کی صورت حال ارباب غور و فکر کیلئے بہت دلچسپ ہے۔ ایک سال میں کوئی پانچ انتخابات ہوئے اور آخر میں نازی فرقہ کو کامیابی ہوئی اب جرمن قوم کی قسمت کا فیصلہ ہٹلر کے ہاتھ ہے۔

قانون تقلیل اسلحہ کی تمام مین قومی کوششیں ہنوز روز اول ہی ہیں۔ اسکے گذشتہ اجلاسوں میں ریمزے میکڈانلڈ وزیر اعظم انگلستان کی طرف سے سرگرمی کا اظہار ہوا تو دوسری جانب سے اسکی صدائے بازگشت بھی سنائی دی معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز بھی مجلس مین اقوام کی دیگر تجاویز کیطرح صدا بصحرا ہو کر رہ جائیگی۔

عالمی معاشی کانفرنس کا اجلاس عنقریب ہونے والا ہے نہیں معلوم موجودہ کساد بازاری کے ازدفاع کے سلسلہ میں کس قسم کی تجویزیں پیش کی جاتی ہیں۔

رسالے کی چھ سالہ خدمات کے مد نظر محکمہ تعلیمات نے ملک کے دوسرے رسالوں کے ساتھ **مجلہ مکتبہ** کی خریداری بھی محکمہ تعلیمات کے لیے منظور فرمائی ہے۔ عالیجناب ناظم صاحب کی خدمت میں شکریہ پیش کیا جاتا ہے۔

By Courtesy The Manshur Daily,

جنکے عہد میں رزیڈنسی کا استرداد عمل میں آیا ۱۲ مئی سنہ ۱۹۳۳ ع

کلکتہ ہندوستانی

ایک مخلوط بولی کی تحقیق

(مترجمہ)

جناب میر حسن صاحب مدیر مجلہ عثمانیہ

پروفیسر سینی کمار چٹرجی، ام اے، ڈی لٹ پروفیسر لسانیات جامعہ کلکتہ کے ایک مضمون کا یہ ترجمہ ہے (جو حال ہی میں شائع ہوا ہے) جس کا ایک حصہ "مجلہ عثمانیہ" میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں زبان اردو کی ابتدا سے متعلق جدید ترین معلومات پیش کی گئی ہیں اس قسم کے اعلیٰ تحقیقی مضامین کو اردو میں منتقل کرنا آسان کام نہیں۔ لیکن مترجم نے جہد و قتوں کا نہایت قابلیت سے سامنا کیا ہے (مدیر

پہلے پہل مجھے جس قواعد ہندوستانی کے مطالعہ کا اتفاق ہوا وہ ایک چھوٹا سا رسالہ تھا جسے ایک انگریز نے ہندوستان آنے والے برطانوی سپاہیوں کے لئے لکھا تھا میرے زمانہ طالب علمی میں یعنے اب سے کوئی پچیس سال قبل میں نے یہ کتاب ایک "مستعمل کتب" فروش سے جو چار پائی فی کتاب سے فروخت کر رہا تھا۔ حاصل کی

قبل ازیں مجھے کبھی قواعد ہندوستانی سے واقف ہونے کی خواہش نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ کلکتہ کے دیگر لڑکوں کی طرح میں بھی شدبد ہندوستانی جانتا تھا۔ جو اجرائی کار کے لئے کافی تھی۔ لیکن اس قواعد کے مطالعہ سے مجھ پر ایک لسانیاتی انکشاف ہوا۔ اس چھوٹی سی کتاب کا اسلوب بیان نہایت صاف اور واضح تھا۔ جملوں کا تجزیہ اور مختلف صیغے، خطوط فاصل اور دیگر علامات کی مدد سے بہت ہی واضح کر دئے گئے تھے۔ لاطینی رسم الخط میں شائع ہونے کی وجہ سے وہ میرے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ تھی، کیونکہ اس وقت تک میں نہ تو ناگری سے اور نہ عربی رسم الخط سے کما حقہ آگاہ تھا۔ اس کتاب کے مطالعہ سے مجھ پر کارک اور کو کا فرق واضح ہو گیا۔ اور میں نے معلوم کیا کہ ہندوستانی میں تم اور تو جیسے ضمائر موجود ہیں (جو ہماری بازاری ہندوستانی میں بالکل مستعمل نہیں، اور جو بنگالی زبان کے موئی اور توئی سے ملتے جلتے ہیں) اور یہ کہ ہندوستانی میں قواعد کے مطابق "میرا" یا "ہمارا بات" نہیں بلکہ "میری بات" لکھنا درست ہے۔ اور فعل مستقبل کی گردان کا طریقہ میں جاؤنگا ہم جائینگے، تو جائیگا، تم جاؤ گے، وہ جائیگا۔ وے جائینگے، ہے۔

اس انکشاف نے مجھے اور بھی متاثر کیا کیوں کہ، اس واقعہ سے دو ایک روز قبل مدرسے سے واپس ہوتے ہوئے میں کچھ قلیوں کو (جو دو صاحب لوگوں کی نگرانی میں نل بچھا رہے تھے) دیکھنے اور صاحب لوگوں کی گفتگو سننے کے لئے کھڑا ہو گیا تھا۔ قلی بہاری ورنہ ہندوستانی (مغربی ہندی) تھے، جنہیں ہم بنگالی میں شمالی ہندی کہتے ہیں۔ صاحب لوگوں میں ایک گورا انگریز اور ایک سیاہ فام یوریشین تھا۔ یہ سب ہندوستانی بول رہے تھے انگریز قلیوں سے جو کچھ کہہ رہا تھا، اس کا جو حصہ میں نے سنا ہم جائیگا۔ تم جائیگا وہ جائیگا۔ یہ جائیگا۔ ہم لوگ سب جائیگا ہے۔ ہماری قوم بہت ہی فلسفی قسم کی سمجھی جاتی ہے، شاید یہ رائے حقیقت پر مبنی ہے، کیونکہ اس وقت (اگرچہ میرا سن تیرہ یا چودہ سال کا تھا) میں سوچ میں پڑ گیا کہ ہم لوگ کہاں سے آئے ہیں اور ہماری منزل مقصود کہاں ہے

او۔ کیا ان سوالات کا جواب کسی طرح سے حاصل ہو سکتا ہے؟

لیکن کچھ روز تک قواعد مذکور کا غائر مطالعہ کرنے اور فعل "جانا" کے استقبالی مشتقات پر عبور حاصل کرنے کے بعد میں نے ان سنے ہوئے فقروں کو دہرانا شروع کیا اور رہ رہ کر مجھے یہ خیال ستانے لگا کہ ہم سب بھی اس انگریز کی طرح جاؤنگا، جائیگے، جاؤگے کے برخلاف صرف "جائیگا" ہی کا صیغہ استعمال کریں۔ اس وقت میں نے محسوس کیا کہ باضابطہ تعلیم کی عدم موجودگی کی وجہ سے ہم ایک ایسی ہندوستانی سیکھ رہے تھے جو شرفا، قلی اور صاحب، سب کی مشترک زبان تھی۔ اور یہ ہندوستانی غالباً شمالی ہند کے تعلیم یافتہ افراد کے روزمرہ کے لحاظ سے درست نہیں تھی۔ تاہم کلکتہ میں اس کا کافی رواج ہو چکا تھا۔ اس پر لوگ اچھی طرح حاوی تھے وہ صحیح اور معیاری زبان کی بہ نسبت زیادہ مطابق فطرت تھی، معیاری زبان ہمیں غیر معمولی طور سے پرتصنع، پیچیدہ اور عجیب و غریب معلوم ہوتی تھی۔ راستوں اور بازاروں میں جو ہندوستانی بولی جاتی ہے۔ وہی فی الحقیقت نہایت زندہ زبان ہے۔ آریائی ہند کے ایک بڑے حصوں میں زندگی کے مختلف کاروبار اسی زبان کی مدد سے حل ہوتے ہیں بہ حیثیت ایک وسیع قومی زبان کے ہندوستانی اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اور اس کی عاطفانہ خصوصیات (آج کل کی غیر معمولی فارسی اور عربی آمیز اردو کی نہیں) سلطنت مغلیہ کے باقیات الصالحات میں سے ہیں۔ ہندوستانی کی ابتداء پنجابی اور مغربی ہندی کے امتزاج سے تیرھویں اور سولھویں صدی کے درمیان ہوئی اس کی صوتیات میں مختلف بولیوں کے لغات قبول کرنے کی صلاحیت تھی (جس کے بولنے والوں کا اجتماع دارالسلطنت دہلی میں ہوتا تھا) یہ ایک فوجی زبان تھی۔ ان ہند آریائی بولنے والوں میں، جنھوں نے اس زبان کے ارتقاء میں مدد دی، بالخصوص اطراف واکناف کے دیہاتی بھی تھے جن کی مادری زبانوں "ہندوستانی" اور جاتو یا بانگارو بولیوں نے اس کا سنگ بنیاد رکھا۔ ان میں وسطی مشرقی اور مغربی پنجاب کے باشندے

بھی تھے ایسے افراد بھی تھے جو بجائے کا، کے دا استعمال کرتے ہیں۔ موجودہ وسطی ہند اور صوبجات متحدہ کے مغربی اور وسطی اضلاع کے باشندے بھی موجود تھے، جن کی زبان برج بھاکا قنوجی اور بندیلی تھی۔ سیواڑی اور راجپوت بھی تھے جو راجستانی خاندان" کی مختلف بولیاں مثلاً جے پوری اور مارواڑی بولتے تھے اور کچھ پورا بھیاس یعنے مشرقی ہند کے باشندے بھی تھے جن کی بولی اودھی، بنگالی، بہاری اور بھوج پوری تھی افغانی اور ترکی اقتدار کی چند ابتدائی صدیوں میں ہندوستانی بالکل کس مپرسی کے عالم میں رہی لیکن پندرھویں صدی کے اواخر میں اس نے شمالی ہند میں خاص اہمیت حاصل کر لی۔ کیوں کہ اس کے اور موجودہ صوبجات متحدہ آگرہ اور اودھ کے پنجابی حصص، اور پنجاب کے صوبجات متحدہ کے حصوں کی زبان کے اہم اور اساسی اصول ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے چودھویں صدی عیسوی کے اواخر ہی سے یہ قدیم شکل پنجاب سے بہار تک برج بھاکا اور اودھی کے دوش بدوش ادبی ضروریات کے لئے استعمال کی جارہی تھی۔ کبیر داس کا قدیم ترین مخطوطہ مرقومہ سموات ۱۵۶۱ء مطابق ۱۵۰۴ء جو زیر ادارت پنڈت شیام سندر داس بنارس ناگری پرچارنی سبھا (۱۹۲۸ء) اشاعت پذیر ہوا اس قدیم ہندوستانی کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ جو دراصل آدھی گرانت سبھاکی بھی زبان ہے۔ شمالی ہند کے سپاہی جو دہلی سے یا کسی مہم کے ہمراہ یا مال و دولت کی تلاش میں دکن جایا کرتے تھے۔ اس حصہ ملک کے بسنے والے معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ راجپوت بھی تھے جو وہی زبان بولتے اور سمجھتے تھے جس کا ارتقا دارالخلافہ دہلی میں ہو رہا تھا۔ یہ شمالی ہند کے سپاہی باقسمت آزما جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہوتی تھی۔ مرہٹوں اور تلنگوں کنڑوں اور تاملوں کے درمیان ایک اجنبیت محسوس کرتے تھے۔ یہی جماعت تھی جس نے جنوب میں تو طرز دکنی اختیار کر کے سولھویں صدی میں ہندوستانی "مسلم ادبیات" کی داغ بیل ڈالی اور فارسی عربی رسم الخط کو مروج کیا۔ یہی زبانہ میراں جی شاہ اور گولکنڈہ کے فرمانروا سلطان قطب شاہ

کا تھا۔ اردو ادبیات کی ابتدا کو انہیں سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ سولھویں صدی کے یہ دکھنی اہل سخن امیر خسرو دہلوی سے زیادہ ۱۳۲۵ء تا ۱۳۵۳ء) اردو ادب کے بانی کہلانے کے مستحق ہیں ان اشعار کا وہ انبار عظیم جو خسرو سے منسوب کیا جاتا ہے۔ انتہائی چیستانی ہے شاہان مغلیہ کے عہد میں (سولھویں اور سترھویں صدی) اسلامی تمدن کی تشکیل عمل میں آئی فن کاری اور عمارت سازی کو اکبر جہانگیر اور شاہجہاں کی مدبرانہ پالیسی نے ایک غیر معمولی مرتفیہ شکل دی یہ ایرانی مسلم فن کاری اور ہندوستانی آرٹ کے امتزاج ہی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم عمارت سازی کے بہترین نمونے اور مغل مصوری کے یگانہ روزگار شاہکار دیکھتے ہیں۔ زبان اور ادبیات میں بھی اسی قسم کا تغیر واقع ہوا۔ سولھویں صدی میں دکھنی شعرا نے فارسی شاعری کو بالتزام ہیئت و موضوع ہندوستانی میں منتقل کرنے کی کوشش کی۔ یہی جد و جہد سولھویں صدی تک جاری رہی اور اس کے اواخر میں یہ مقصد خود بخود حاصل ہو گیا۔ دکھنی شاعروں کی تصنیفات ایرانی اسپرٹ کے ساتھ پہلے پہل ہندوستانی میں داخل ہوئیں۔ لیکن جو زبان انھوں نے استعمال کی اس وقت تک "ہندوستانی" نہیں کہلاتی تھی کیونکہ اس کو یہ نام بہت عرصہ بعد دیا گیا یہ زبان ہندوستانی سے ملتی جلتی تھی اور اس کا رجحان پنجابی کی طرف تھا بالخصوص اس کے لغات پر مقامی ہندوستانی یا ہندی کے اثرات بالکل نمایاں ہیں سترھویں صدی میں بالخصوص عالمگیری مہموں کی وجہ سے جنوبی ہند اور دکن کا میل جول بڑھ گیا۔ سلطان قطب شاہ (۱۶۱۱ء) کی زبان پنجابی سے ملتی جلتی تھی۔ شمالی ہند کی ابتدائی بولیوں کے نمائندے کی حیثیت سے دکن میں مقبول ہو گئی۔ ولی کی زبان نے اس کی قائم مقامی حاصل کی۔ جو تقریباً سترھویں صدی کے آخری پچیس سال میں معیاری ادبی زبان ہو گئی ولی کی زبان دراصل وہی ہے جسے آج ہم ہندوستانی کہتے ہیں۔ ولی کی ریختہ جیسا کہ صاف ظاہر ہے دربار دلی کی خواص کی زبان تھی جس کی اشاعت اورنگ زیب کے سپاہیوں اور فوجی عہدہ داروں نے دکن میں کی شہری، شاہی دربار اور شاہی اردو کی دکن اور

شمالی ہند تو آبادیات کی مروجہ بولیوں سے مستفید ہوئی دکھنی نے پہلے ہی سے ادبی حیثیت حاصل کر رکھی تھی جب کہ اول الذکر یعنی دہلی کی ریختہ ہنوز ارتقا کے ابتدائی منازل طے کر رہی تھی مغلیہ دربار کی زبان سے قبل جو ابتدائی بولیاں مروج تھیں وہ ابھی تک ہندوستانی کی ایک شاخ دکھنی کے نام سے حیدرآباد دکن شمالی کرناٹک سوانت واڑی اور تلگو اور تامل اضلاع میں رائج ہے۔ اس کا قدم پنجابی رحجان تا حال قائم ہے مغل دربار اور افواج شاہی کی ریختہ کے اول الذکر پر سبقت لیجانے سے سترھویں اور اٹھارہویں صدی میں دکھنی کا ادبی اقتدار مجروح ہوا۔ ابتدا میں اس کی حالت اگر بالکل دہقانی نہیں تو صوبجاتی ضرور تھی اس لئے ریختہ کی مختلف شاخوں کو اول الذکر میں ازماً فوقیت حاصل ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس زبان کو اردوے معلی محض اس لئے کہا جانے لگا کہ مغربی ہندی کی عمومی زبانوں سے امتیاز کیا جاسکے۔ اور یہ بھی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اردوے معلی کا لقب دکن ہی میں دیا گیا۔ یہیں یہ لقب کثرت سے مستعمل تھا غالباً صدی میں (جب کے دکن پر مغلوں کے ستواترحملے ہو رہے تھے) شمال میں اس زبان کا نام ہندی یا ہنداوی تھا شمالی ہند میں افغانستان اور وسطی ایشیا کے ترکوں پٹھانوں ایرانیوں اور مغلوں کے عارضی قیام کرنے کا عہد بہت عرصہ پہلے ہی گذر چکا تھا۔ کچھ صدیوں تک ہندوستان میں مسلمانوں کا شاہی اقتدار پوری طرح سے قائم رہا۔ بدیسی حملہ آوروں کے لشکر گاہوں کا زمانہ ختم ہوگیا جس میں قرون وسطی کے ہندی تمدن کی جھلکیاں نظر آرہی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی کی توسیع واشاعت سترھویں صدی میں عمل میں آئی۔ ہندوستان کے مختلف حصوں میں بالعموم مغلوں کے اعلیٰ مرکزی اقتدار کی وجہ سے اور بالخصوص عہد اورنگ زیب میں ایک قسم کا اتحاد پیدا ہوگیا تھا۔ شمالی ہند میں کوئی دوسری بولی ایسی نہ تھی جو دربار کی زبان کی مدمقابل بنتی (جس کی دارالخلافہ کے عہدہ داروں نے ملک کے طول وعرض میں اشاعت کی تھی) اس سے قبل فارسی زبان میں ٹوڈرمل کے زمانے سے (جس نے

اس کو بجائے ہندی کے رائج کیا۔ حکومت کے دفتری کاروبار مثلاً فرامین کا اجرا عدالتوں کی روئداد عام قانونی قول اقرار اور اعلانات قلمبند کئے جاتے تھے علاوہ بریں فارسی اعلیٰ طبقہ کے مسلمانوں اور ہندو عہدہ داروں کے لئے (جن کے لئے فارسی جاننا ضروری تھا) اعلیٰ ادبی زبان تھی تاہم روزمرہ کی بول چال میں فارسی کو کوئی جگہ نہیں مل سکی کیونکہ باوجود مندرجہ بالا آسانیوں کے وہ ایک بدیسی زبان تھی مختلف بولیاں مختلف مقامات پر رائج تھیں ان میں بہت سی ایسی تھیں جنھیں کوئی ادبی اہمیت حاصل نہیں تھی جیسے برج بھاکا اودھی اور بنگالی یعنی مارواڑی لیکن چونکہ ان زبانوں میں ہندو ادب کی اشاعت عمل میں آرہی تھی اس لئے دہلی کا مسلم دربار ان سے اس وقت تک بیگانہ رہا جب تک کسی رئیس یا شہزادے نے ہندو ادبیات کی خوبیوں پر وقوف پاکر ان کو ترقی دینے یا قوت پہونچانے کی نہ ٹھانی۔ ترکوں کی فتح سے قبل قدیم سورسانی اپابھرمسا جو وسطی علاقے یا موجودہ مغربی ہندی کے علاقوں میں رائج تھی، نہ صرف شمالی ہند میں مشترکہ زبان کا کام دیتی تھی بلکہ اس کا ارتقاء ہر جگہ بہ حیثیت ادبی زبان کے ہو رہا تھا لیکن ۱۲۰۰ء سے قبل ہی وہ متروک ہو گئی اور تیرھویں اور چودھویں صدی میں معمولی تبدیلیوں کے بعد اس کا نام سورسانی اواہاتا ہو گیا۔ (اپابھرامتا) اس سورسانی اواہاتا نے اپابھرمسا کے روایات کو قائم رکھا، لیکن مقامی بولیوں سے ارتباط اور اختلاط کے غیر مفید اثرات کی وجہ سے چند نہایت ہی پر تصنع ادبی بولیاں نکلیں جیسے میاتھلی اواہاتا۔ میاتھلی میں اور بنگالا بولی راجپوتانہ میں۔ ان پر تصنع زبانوں کو قدیم اور فرسودہ قرار دیکر متروک کر دیا گیا اس خیال سے کہ وہ اپنی قدیم خصوصیات کی وجہ سے جدید زبان کی صف میں جگہ نہ پا سکتی تھیں سورسانی پراکرت سے نکلی ہوئی مروجہ بولیاں مثلاً برج بھاکا، قنوجی۔ بندیلی اور راجستانی کی مختلف شاخیں روز افزوں اہمیت حاصل کرتی رہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی سورسانی اپابھرمسا کی طرح بین الصوبجاتی اہمیت حاصل نہ کر سکی۔ اسی اثناء میں دہلی کی زبان جس کی ابتدا مختلف متحدالاصل بولیوں کے امتزاج سے ہوئی روز افزوں اہمیت حاصل کرنے لگی ملکی اور غیر ملکی

مسلمانوں کے لئے ہندوستان کی اعلیٰ اور اہم ترین زبان "ہندوستانی" ہوگئی۔ سولھویں صدی سے پنجاب کے سکھوں کی بولی اس سے متاثر ہونی شروع ہوئی۔ سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں جبکہ سول اور فوجی عہدہ دار اپنے ہمراہیوں اور عملوں کے ساتھ ملک کے دور افتادہ مقامات میں پہونچے، ان عہدہ داروں کی زبان جو وہ عادتاً یا قانوناً استعمال کرتے تھے۔ ہندوستانی تھی۔ یہ زبان بروز اہمیت حاصل کرتی گئی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ لاہور لکھنؤ، بنارس، پٹنہ، احمد آباد، دولت آباد، مرشد آباد (ڈھاکہ) سب نے دلی کی ریختہ کی برتری تسلیم کی۔ ان عہدہ داروں کا سلسلہ لازمی طور سے دہلی کی زبان کی نشر و اشاعت کا باعث ہوا۔ اٹھارھویں صدی اور اس کے بعد مغلیہ سلطنت کے اکثر صوبوں نے مرکز سے علیحدگی اختیار کرکے خود مختاری کا اعلان کر دیا باوجود اس کے اودھ حیدرآباد دکن پٹنہ جیسے مسلم درباروں میں دہلی کی سابقہ عظمت برقرار رہی۔

درباری حلقوں سے گذر کر دہلی کی زبان عوام میں بھی پھیل گئی جنہیں آئے دن حکومت سے سروکار رہتا تھا اسی طرح اس کا اثر بنگال جیسے ملک میں بھی قائم ہوگیا۔ جو بنگالی سرکاری ملازمت کا خواہاں ہوتا اس کے لئے فارسی سے واقف ہونا ضروری تھا اٹھارھویں صدی میں تو ہندی بھی سیکھنی پڑتی تھی زبان فارسی کی تحصیل کے لئے کسی منشی سے پندنامہ اور گلستان سے شروع کرکے اس زبان کے ادب القدما کا غائر مطالعہ ضروری تھا۔ برخلاف ہندوستانی کے کسی صاحب شہرت درباری کے مساوی عبور حاصل کرنے کے لئے اہل زبان کا فیض صحبت کافی تھا کیونکہ اس وقت تک اس زبان میں اہم ادب کا ذخیرہ بہت ہی کم تھا انگریزوں نے بنگال کی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا اور بالآخر اٹھارویں صدی میں وہاں کے حاکم بن بیٹھے۔ بنگال کی حکومت کے کاروبار میں ان کو نہ صرف بنگالی اور فارسی بلکہ ہندوستانی کا بھی خیال رکھنا پڑتا تھا تاکہ مقامی مسلمان عہدہ داروں سے (جو شمالی ہند کی زبان بولتے یا بولنے کے مدعی تھے) بہ آسانی تبادلہ خیالات کا موقع ملے۔ بنگال کے صدر مقام یعنے مرشد آباد کی بڑی بڑی تجارتی

کوٹھیاں پنجاب راجپوتانہ وغیرہ کے تاجروں کی ملک تھیں ان تاجروں کا بنگال کی بنکاری Banking پر کافی اقتدار تھا۔ اور تقریباً یہ سب کے سب ہندوستانی ہوتے تھے ہندو عہدہ داروں میں ایسے افراد کی کثرت تھی جن کا تعلق شمالی ہند کے راجپوت برہمن اور دیگر گھرانوں سے تھا اگرچہ انہوں نے بنگال میں سکونت اختیار کی تھی لیکن وہاں کے رنگ میں پوری طرح نہیں رنگے گئے تھے۔ ان تمام وجوہات کی بنا پر ہندوستانی (ہندی اور اردو کی مشترکہ حالت میں، کیونکہ اس وقت تک ان دونوں نے ایک دوسرے کو طلاق نہیں دی تھی) نے بنگال میں خاص اہمیت حاصل کی شمالی ہند کے ہندی، پنجابی، راجستانی برج بھاکا، قنوجی بندیلی، اودھی بھوجپوری اور مگاہی بولنے والوں نے جلا کسی نذر کے ہندوستانی کو عام زبان تسلیم کیا۔ اسی اثنا میں شمالی ہند کے لوگ جوق در جوق ترک وطن کرکے یہاں سکونت پذیر ہو رہے تھے۔ ان ترک وطن کرنے والوں میں ادنیٰ اعلیٰ سب ہی موجود تھے، جو تلاش معاش میں بہ حیثیت تاجر سپاہی، خانگی ملازم اور مذہبی درویش کے بنگال میں سکونت اختیار کر رہے تھے۔ ان کی بنا پر بھی ہندوستانی کو روز افزوں ترقی اور تقویت حاصل ہوتی رہی۔

جب انگریزی حکومت نے ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم کیا تو ہندوستانی کو ملک کی لازمی زبان قرار دے کر اس کیلئے ایک پروفیسر کا عہدہ مقرر کیا۔ اس سے قبل دوسرے انگریزوں نے بھی اس زبان کی اہمیت کو معلوم کرکے اسکو سہل الحصول بنانے کے لئے مختلف قواعد لکھی تھیں خیال کیا جاتا ہے کہ جرمن کنلر نے اپنی قواعد ہندوستانی (۱۷۱۵ء) لاطینی میں لکھی جس کی اشاعت لیڈن سے ۱۷۴۳ء میں عمل میں آئی جس زبان سے کنلر نے بحث کی ہے وہ ایک قسم کی بازاری ہندوستانی ہے۔ جس کو اس نے اٹھارہویں صدی کے اوائل میں سلطنت مغلیہ کے مختلف اضلاع اور سورت میں مروج پائی اور جو موجودہ ہندوستانی سے زیادہ مختلف نہیں کنلر کے بعد جارج ہاڈلے نامی انگریز نے ۱۷۷۲ء میں اس زبان کی گرامر شائع کی۔ قواعد کے اعتراضات ہندوستانی زبان مورس کے مروجہ اور بازاری پہلو پر۔ لندن ۱۷۷۲ء مزید اشاعتیں

۱۷۷۸ء و ۱۷۸۴ء ۔ ۱۷۹۷ء ۔ نمبر ۸ مرزا محمد فطرت نے ۱۸۰۱ء میں نظر ثانی کی اور ۱۸۰۸ء اور اور ۱۸۰۹ء میں مزید اشاعتیں عمل میں آئیں ۔ جے فرگسن نے ہندوستانی لغات اور قواعد ۱۸۰۹ء میں لندن سے شائع کی ان مصنفوں نے جس زبان سے بحث کی وہ بازاری اور سوقی ہے نہ کہ صاف شستہ اور صحیح زبان جو تعلیم یافتہ مسلمان اور اعلیٰ طبقوں میں مروج تھی اور جو دربار دہلی کی زبان سے ملتی جلتی تھی جے بی گلگرائسٹ نے جو اس زبان کا بہت ہی دلدادہ تھا (اور جس نے پہلی دفعہ فورٹ ولیم کالج میں صحیح اور ادبی زبان کی تعلیم کا انتظام کیا) اسے کھڑی بولی سمجھ کر رد کر دیا اور جدید ہندوستان کی اس اہم زبان کی توسیع و اشاعت کی خاطر قواعد لغات اور دیگر کتابیں لکھیں ..... جو ہندوستانی ہارڈلے اور دیگر اول اول لکھنے والے مضنفین کا موضوع تھی جس سے گلگرائسٹ نے بازاری زبان قرار دے کر اعتنائی برتی ایک عرصہ سے بنگال اور بالخصوص کلکتہ کی عام زبان رہتی آئی تھی کلکتہ میں گنگا اور اس پار کے باشندوں راجپوتوں اور پنجابیوں کی آمد کا سلسلہ ایک عرصہ دراز تک برابر قائم رہا ۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں ریلوے کی وجہ سے مسافروں اور ترک وطن کرنیوالوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوتا رہا ۔ جوں جوں ان ہندوستانی بولنے والے غیر ملکیوں کی اہمیت تجارت اور (محنت) پر اقتدار حاصل کرنے کی وجہ سے زیادہ ہوتی گئی ۔ بنگال کے اصل باشندوں کو بھی (خاص طور سے کلکتہ اور دیگر بڑے شہروں میں) انکی زبان سیکھنی پڑی بہاری اور پوربیا یا مارواڑی جو بازاری ہندوستانی استعمال کرتے تھے (دلی کی روزمرہ کے قواعد کو یکلخت نظر انداز کر کے) بہت خراب تھی اور بنگالیوں میں تو انکے اپنے لب و لہجہ اور طرز تلفظ کے اثر سے تلفظ لغات محاورات اور بعض اوقات طرز ادا میں بھی یہ رنگ گہرا ہو گیا ۔ شمالی ہند کے بازاری زبان بولنے والوں نے (جو دن بدن بنگالی الفاظ اور طرز بیان سے واقف ہوتے جا رہے تھے) بنگالی سے ایک حد تک مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی ، جس کا اثر غیر شعوری طور سے اس کی زبان پر مرتب ہوا ۔ اور اس طرح ہر دو وجوہات کی بنا پر بنگال میں رفتہ رفتہ بازاری ہندوستانی کا ایک معیار قائم ہوتا گیا ۔ یہ بنگالیوں کی ہندوستانی بولنے

کی کوشش اور بہاری اور دیگر شمالی ہندوالوں کے اپنی زبان یعنی ہندوستانی کو اجوادنے قسم کی تھی انگلیوں کے سمجھنے کے قابل بنانے کی غرض سے لغات میں تھوڑی سی تبدیلی کر بنگالی نما بنانے اور طرزادا بھی اسی طرح کا استعمال کرنے کا لازمی نتیجہ تھا۔

خاص بنگال کی آبادی ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے لحاظ سے ۴۶۲۴۵۹۲۰۴ ہے جس میں سے تقریباً ۴۳، ۱ میں سے زیادہ بنگالی بولنے والے ہیں ۲۰ لاکھ کی زبان اردو یا ہندی ہے (۳۵۰۰) راجستانی، گجراتی مرہٹی اور پنجابی بولنے والے ہیں یہ سب کے سب تقریباً ہندوستانی ہی بولتے ہیں ہندوستانی بولنے والے غیر ملکیوں کی کافی تعداد خواہ کسی شہر میں ہو یا اضلاع میں اس زبان کی توسیع و اشاعت کا باعث ہوئی۔ بنگالی مسلمانوں کے لئے اردو تمدنی زبان ہوگئی ہے جامعہ ڈھاکہ نے اس کو ادب الخدا کا عہدہ دیا ہے اور ہر جگہ دیہات کے مکتبوں اور مدرسوں میں اردو کی تعلیم دیجاتی ہے جس کی وجہ سے اطراف واکناف میں بازاری ہندوستانی کی اشاعت عمل میں آتی رہتی ہے بنگال کا ایک شدبد تعلیم یافتہ مسلمان جو اپنے آپ کو دہقانوں کی صف سے ممیز سمجھتا ہو معمولی سی بازاری ہندوستانی یا اس سے کچھ اچھی مکتبہ زبان بلا تکلف بولتا ہے۔ اہل یورپ جن کے کاروبار محض شہروں ہی کے حد تک محدود رہتے ہیں اکو اجرائی کار کے لئے بازاری ہندوستانی سے معمولی وقفیت بھی کفایت کرتی ہے۔ ان کے ملازمین بنگالی مسلمان یا اراکانی یا چٹاگانگ کے بدھی جن کی مادری زبان بنگالی ہو یا اوریا یا شمالی ہند کے لوگ یہ تمام بازاری ہندوستانی بولتے اور سمجھتے ہیں سوائے مدراسی ملازمین کے جو اپنے آقاؤں سے انگریزی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ لیکن جو بہت جلد بازاری ہندوستانی بولنے اور سمجھنے کے قابل ہوجاتے ہیں

کلکتہ کی آبادی بشمول مضافات اور شہر ہوڑہ (جو بھاگیرتی کے اس پار واقع ہے) ۱۴ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے یہ شہر نہایت ہی عالمی ہے جس میں دنیا کے ہر خطہ ملک کے لوگ آباد ہیں پوری آبادی کی نصف سے کچھ زائد یعنی ۵۳، ۳ بصد بنگالی بولتی ہے

بہار اور ممالک متحدہ کے ہندوستانی بولنے والوں کی تعداد ۲،۷،۳ فیصد ہے۔ ان کے علاوہ ۱ ہزار سے زائد مارواڑی ایسے ہیں جو اجنتانی بولتے ہیں ۳ ہزار سے زیادہ پنجابی (ہندو سکھ وغیرہ) ہیں ۶ ہزار سے زیادہ گجراتی بولنے والے اور تقریباً ۱۵ سو نیپالی ہیں۔ تقریباً یہ تمام کے تمام تبادلہ خیالات کے لئے ہندوستانی بولتے ہیں کلکتہ کے بعض عارضی اور دائمی باشندوں کی گھریلو زبانوں کے قطع نظر (مثلاً امریکن عزنی، بغدادی یہودیوں کی زبان یونانی تامل۔ تلنگی، مرہٹی۔ کانٹن چینی ہاکن یا قیو چین چینی وغیرہ) بازاروں کی مروجہ اور سائن بورڈوں اور عام اعلانوں اور اطلاعوں کی زبانوں کے لحاظ سے (باستثنائے انگریزی) یہ کہا جاسکتا ہے کہ کلکتہ میں دو زبانیں رائج ہیں ایک بنگالی دوسری ہندوستانی جو وہاں کی اہم ترین دیسی زبان ہے بہاری زبان (بالخصوص بھوجپوری) بھی بولی جاتی ہے۔ کیونکہ پولس کے ملازمین گاڑیبان حمال، خدمتگار اور قلی اکثر و بیشتر بہار کے اطراف واکناف کے رہنے والے ہوتے ہیں۔ لیکن اہم ترین زبانیں بنگالی اور ہندوستانی ہیں۔ شہر کے وسطی علاقے اور بہتیرے حصوں میں بازاروں اور کٹھالوں میں (سوائے بنگالی دوکانوں کے) ہندوستانی بہ نسبت بنگالی کے زیادہ مستعمل ہے شمالی ہند والوں کی اکثریت بنگالی سمجھ سکتی ہے۔ لیکن بول نہیں سکتی برخلاف اس کے شہر کے تقریباً تمام بنگالی باشندے مارواڑی ہندوستانی سے شد بد واقف رہتے ہیں بنگال کا رہنے والا اردو یا سے عادتاً بنگالی میں گفتگو کرتا ہے اور سامع کو سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی اور اگر ثانی الذکر اپنی مادری زبان بولے تو اول الذکر بھی بلا تکلف سمجھ لیتا ہے اردو اور بنگالی میں ایک قسم کا لسانی تعلق ہے۔ لیکن بنگالی مگاہی یا میاتھیلی سے بات کرتے وقت ہمیشہ بازاری ہندوستانی بولتا ہے۔ دہلی کی زبان کلکتہ اور بھاگلپور، گیا، پٹنہ دربھنگہ، اور بنارس کے لوگوں کے درمیان تبادلہ خیالات کے آلے کا کام دیتی ہے۔ اس کے باوجود بھی بنگالی اور بہاری زبانیں تشکیل اور ہیئت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے زیادہ ملتی جلتی ہیں بہ نسبت ہندوستانی کے اور ان کا تعلق ایک ایسے خاندانی السنہ سے ہے جس میں ہندوستانی شامل نہیں

(باقی آئندہ)

لاک

اور

تعلیم میں ضبط موضوعی کا رواج

از جناب فیض محمد صاحب صدیقی

جناب ابو المکارم فیض محمد صدیقی صاحب فن تعلیم کے سلسلہ میں بہت مفید کام کر رہے ہیں اس سے پہلے آپ کا ایک مضمون فرانس کے مشہور مصلح تعلیم روسو پر اس رسالے میں شائع ہوا تھا لاک درحقیقت انگلستان کے اولین مصلحین میں سے ہے موضوعی ضبط کے موجد کی حیثیت سے وہ دنیائے فکر میں ہمیشہ ایک عدیم المثال جگہ کا مالک رہیگا اس لئے یقین ہے کہ اس کے حالات دلچسپی سے پڑھے جائینگے　　(ایڈیٹر)

لاک (۱۶۳۲ - ۱۷۰۴) انگلستان میں سومرسٹ نامی مقام پر ایک اچھے خاندان میں پیدا ہوا۔ اس کی ابتدائی تعلیم ایک پیوریٹیاں پادری کے پاس ہوئی۔ جس کے بعد وہ ویسٹ منسٹر مدرسہ میں شریک کیا گیا۔ یہاں مشہور و معروف عالم بسبی کا خاصہ اثر تھا اس کے آزادانہ خیالات کا اثر ہم لاک کے فلسفہ میں دیکھتے ہیں ویسٹ منسٹر میں تعلیم ختم کر چکنے کے بعد وہ آکسفورڈ گیا۔ جہاں

اس پر ڈیکارٹ کے فلسفہ کا اثر ہوا۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد وہ کئی سال تک آکسفورڈ ہی میں فلسفہ پر درس دیتا رہا۔ یونانی سے بھی خوب واقف تھا اس لئے کچھ دنوں اس کی تدریس کا کام بھی انجام دیا۔

اس زمانہ میں مدرسیت کا بہت دور دورہ تھا لاک چونکہ بہت ہی آزاد خیال تھا اس لئے درسیت کی موضوعیت اور آکسفورڈ کی قدامت پسندانہ زندگی اس کو سخت ناپسند ہوئی اس کی مشہور کتاب Essay on human understanding مضامین فہم انسانی میں اس کے آزادانہ خیالات کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔

لاک کو ابتداء ہی میں تجربہ حاصل کرنے کا بہت موقع ملا چنانچہ انگلستان کے مشہور امیر ارل آف شافٹسبری کے بچوں کی تعلیم کے دوران میں اس نے بہت کچھ ذاتی تجربہ حاصل کیا اور یہی تجربہ اس کے اکثر اصولوں کا پایہ خیال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ استادگی تعلیم کو موثر اور کارگر بتلاتا اور مدرسہ کی تعلیم کو ناپسند کرتا ہے، مزید براں وہ اپنی کتاب خیالات تعلیمی Thoughts on Education. میں بیان کرتا ہے کہ شریف آدمی (جنٹلمن) کی تعلیم شریف آدمی ہی کر سکتا ہے۔

تصانیف ۔لاک قلم کا دھنی تھا۔ اسے انسانی زندگی کے مختلف شعبوں میں دخل تھا اور اس کی نظر بہت وسیع تھی۔ اسی لئے اس کی تصانیف کا دائرہ تعلیمات کی حد تک ہی محدود نہیں رہا۔ بلکہ سیاسیات اور فلسفہ میں بھی ان کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ چنانچہ اس کی کتاب Treatise on Government. بہت ہی عمدہ سیاسی خیالات کی حامل ہے اس میں وہ نمائندہ حکومت کی تائید کرتا ہے اور ساتھ ہی رعایا کی آزادی کا راگ بھی الاپتا ہے۔ مذہب پر بھی اس نے ایک کتاب Letters on Toleration. لکھی ہے جو کئی خطوط کا مجموعہ ہے لاک چونکہ پراٹسٹنٹ فرقہ کا پیرو تھا اسی لئے اس میں وہ انفرادی آزادی کی موافقت کرتا اور مذہبی پیشواؤں کے بیجا اقتدار اور شخصیت کو ناجائز تصور کرتا ہے۔

لاک کی تیسری کتاب مضامین متعلق بہ فہم انسانی فلسفہ کی دنیا میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے

لاک نے اس کا ضمیمہ بھی لکھا ہے جو اس کے بعد شائع ہوا - اس کا نام (Conduct of mind understanding) ہے -

لاک نے تعلیم سے متعلق ایک کتاب خیالات تعلیمی تصنیف کی ہے - اس میں وہ اپنے ایک صوفی منش دوست کے بچے کو تعلیم کے لئے مشورہ دیتا ہے یہ کتاب بھی Letters on Toleration کی طرح کئی خطوط کا مجموعہ ہے -

تعلیمی خیالات صید تعلیم

لاک کی اس آخری کتاب کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ مانٹین کی طرح وہ بھی انسانیاتی اور سماجی حقیقت کا پیرو تھا، اور کامینس کی طرح حسی حقیقت سے بھی تھوڑا بہت لگاؤ رکھتا تھا - مانٹین کی طرح لاک بھی اس خیال کا حامی ہے کہ کتابی تعلیم اور ذہنی تربیت اتنی زیادہ اہم نہیں جتنا کہ کردار کی نشو و نما اور تشکیل ہے - جسمانی تعلیم کو ایک خاص عرصہ تک جاری رکھنے کے بعد وہ تعلیم کے مقاصد کو ان کے مدارج کے لحاظ سے اس طرح بیان کرتا ہے - نیکی عقل - سماجی اہلیت اور اکتساب

نیکی سے یہ مراد ہے کہ تعلیم پانے والے اپنے کردار کو سنواریں اور اپنے اندر نیک خصائل پیدا کریں نیکی سے وہ خصوصیت مراد ہے جس سے نفس کی مکمل نشو و نما ہوتی ہے - لاک نیکی میں تین چیزوں کو شامل کرتا ہے - پہلی چیز یہ کہ انسان خدا کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرے دوسری چیز سوسائٹی یا سماج سے متعلق ہے یعنی انسان اس وقت تک نیک اور صاحب اخلاق کہلانے کا مستحق نہ ہوگا جب تک کہ اس کی فطرت نیک نہ ہو اور وہ اپنے ہمجنسوں کے ساتھ نیک اور مخلصانہ برتاؤ نہ کرے عقل سے لاک وہ اہلیت مراد لیتا ہے جو انسان کو اپنے کاروبار کو آسانی کے ساتھ چلانے میں مدد دیتی ہے نیکی اور عقل کی حد تک لاک کا خیال انفرادیت تک محدود ہے برخلاف اس کے سماجی اہلیت میں وہ سماج یا جماعت کی طرف رجوع ہے اکتساب سے مراد اکتساب علم یا معلومات ہے -

اس طرح کی تربیت کے سلسلہ میں لاک بنٹن کے ساتھ اس طرح ہمنوائی کرتا ہے کہ تعلیم

شخصی توجہ کی محتاج ہے، اگر باپ اپنے بچے کو تعلیم نہ دے سکے تو اسے کسی ایسے استاد یا معلم کے سپرد کر دینا چاہیے جو خود قابل ہو اور آداب اور رسم و رواج سے بھی پوری طرح سے واقف ہو۔

لاک مانٹین اور ملٹن کی طرح تعلیم میں سیر و سیاحت کو شامل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ایسی سیر و سیاحت سولہ اور اکیس سال کی عمر کے درمیان نہ ہونی چاہیے بلکہ یا تو پہلے ہو جب کہ بچہ غیر زبان سیکھنے کا اہل ہو جاتا ہے یا بعد میں جب کہ اس میں دوسرے ملکوں کے قوانین اور رسم و رواج پر تنقیدی نظر ڈالنے کی اہلیت پیدا ہو جائے۔

لاک اگرچہ انسانیاتی تحقیقت اور گرامر مدارس کے مامال طریقوں کا سخت مخالف تھا تاہم وہ مانٹین کی ہمنوائی میں لاطینی زبان کو ایک شریف آدمی کے لئے ضروری خیال کرتا ہے اور اور زبان کو بول چال کے ذریعہ سکھلانے کی طرف توجہ دیتا ہے یونانی کو گو وہ شریف آدمی کے لئے ضروری خیال نہیں کرتا۔ لیکن آگے چلکر بڑی عمر کے لئے اس کو مناسب تصور کرتا ہے۔

لاک شریف آدمی کی تعلیم میں "ذہنی تعلیم" کے طور پر مطالعہ کتب اور دیگر ضروری کمالات و فنون کو شامل کرتا ہے۔ مثلاً رقص و سرود و سواری، کشتی، پھیک پٹہ وغیرہ اس کے علاوہ لاک نے طالب علم کے لئے دستی مشاغل اور تجارتی معلومات کو ضروری بتلایا ہے۔ اس سے اس کا منشا یہ نہیں کہ شریف آدمی آگے چلکر کاروبار میں لگ جائے یا کوئی دھندا کرے بلکہ اس کا مقصد صحت کی برقراری ہے

لاک کا نصاب تعلیمی لاک نے اپنے نقطہ نگاہ، خیالات اور تجربہ کی بنا پر ایک نصاب تعلیمی مرتب کیا تھا۔ جس کے مطالعہ سے اس کے خیالات پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ اس نے اس نصاب کے چھ درجے بنائے ہیں، پہلے درجہ میں وہ لکھنا، پڑھنا اور ڈرائنگ کو شامل کرتا ہے اس کے بعد جب بچہ اپنی مادری زبان (انگریزی) میں بول چال کے قابل ہو جائے تو فرانسیسی اور لاطینی زبان کی تعلیم دی جا سکتی ہے۔ لیکن اس صورت میں

بھی انگریزی لازمی رہے گی۔ تیسرے درجہ میں وہ جغرافیہ، حساب، ہیت اور منڈسہ کو شریک کرتا ہے، چوتھے درجہ میں وہ بچہ کو اخلاقیات سے روشناس کراتا اور یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ پہلے انجیل سے اخلاقی کہانیاں پڑھائی جائیں اور نصیحت آمیز باتوں سے واقف کرایا جائے اس کے بعد سمرو کی مشہور و معروف کتاب The officers پڑھائی جائے اخلاقیات سے ایک حد تک واقف ہو جانے کے بعد قانون کی تعلیم دی جانے چاہیئے پہلے قومی قانون پھر بین الاقوامی، پانچواں دور فن تقریر و تحریر سے متعلق ہے چھٹے دور میں لاک مختلف کمالات و فنون مثلاً رقص۔ پھیک۔ بیٹہ، سواری وغیرہ کو شامل کرتا ہے

اس نصاب کے مطالعہ سے ایک حد تک لاک کی تنگ نظری کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ اس میں اس نے یونانی زبان، عروض، منطق، موسیقی، نقاشی اور فطری فلسفہ کو کوئی جگہ نہیں دی ہے لیکن ساتھ ہی اس کے ہم اس حقیقت سے انکار بھی نہیں کر سکتے کہ اس کے نصاب میں بیکن کے انسائکلوپیڈیائی مضامین اور کامینس کے ہر جہتی خیالات کا رنگ جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے مزید برآں اس نے چند ایسے مضامین مثلاً مادری زبان اور دستی مشاغل پر زور دیا جس سے بچہ اپنی آئندہ زندگی میں کافی استفادہ کر سکتا ہے بہرحال اس کے نصاب میں باوجود اس تنگ نظری کے عملی خوبیوں کا پلہ بھاری ہے۔

لاک بحیثیت حسی حقیقت کے موئد کے

جس طرح لاک پر امینٹن کی ابتدائی حقیقت کا اثر تھا۔ اس طرح وہ کامینس کی حسی حقیقت کے مقرون مواد اور پر دکھ طریقہ ہائے تعلیم کے اثر سے بھی بے نیاز نہیں رہا۔ چنانچہ شریف آدمی کی تعلیم کے لئے اس نے مضامین کے انتخاب میں بہت بڑی حد تک بیکن رائٹکے اور کامینس کے اثرات کو قبول کر لیا۔ حسی حقیقت کے طرفداروں کی طرح وہ بھی تعلیم کو مادری زبان سے شروع کروانے کا حامی ہے اور جب بچہ غیر زبان سیکھنے کے قابل ہو جائے تو لاطینی زبان سکھلائی جائے بلکہ مادری زبان سے ملتی جلتی زبان سکھلانا ہی زیادہ مناسب

ہے مثلاً انگریز بچہ کے لئے فرانسیسی جب یہ زبان سکھلائی جائے تو پھر لاطینی کو لیا جا سکتا ہے لاک نے اپنے پیشواؤں کے نقش قدم پر چل کر زبان کے ساتھ دیگر مضامین کے ارتباط باہمی پر زور دیا، یعنی یہ کہ اگر فرانسیسی یا لاطینی زبان سکھلائی جا رہی ہو اور بچہ ان زبانوں کو سمجھنے لگے تو، حساب تاریخ، جغرافیہ وغیرہ کو بھی ان زبانوں میں پڑھانے سے ایک تو یہ کہ ان مضامین میں اس کی تعلیم ہوتی رہے گی اور دوسرے زبان کے سیکھنے میں بھی سہولت اور آسانی بہم پہونچے گی۔

طریقہ تدریس کے متعلق بھی لاک، کامینیس اور حسی حقیقت کے اور پیروؤں کا خوشہ چین ہے اور کہتا ہے کہ بچوں کو اس طریقے سے پڑھایا جائے کہ وہ سمجھنے لگیں گویا کہ وہ کھیل رہے ہیں جب اس طرح سہل طریقوں سے بچہ پڑھنا سیکھ لے تو اس کو اس کی قابلیت کے مطابق کوئی ایسی کتاب دیجائے جس سے اس کو دلچسپی ہو۔

لاک اپنے تعلیمی نظریوں اور خیالات کے لحاظ سے حسی حقیقت کا پیرو خیال کیا جا سکتا ہے پیچیدہ خیالات کی تفہیم کے لئے وہ استقرائی طریقہ سے کام لینے کی سفارش کرتا ہے، کہتا ہے کہ اکتساب درجہ بدرجہ ہو اور تدریجی طور پر آسان سے مشکل کی جانب قدم بڑھایا جائے۔

اس طرح لاک حسی حقیقت کے طرفداروں کی موافقت میں سزا کا سرے سے قائل نہیں بلکہ اس کو تعلیم کے لئے بہت ہی مضر خیال کرتا ہے اور کامینیس کی طرح اخلاقی امور کے علاوہ پڑھنے لکھنے کے معاملہ میں سزا کو وہ ناجائز تصور کرتا ہے

لاک موضوعی تربیت کے مبلغ کی حیثیت سے

لاک کو ہم ایک دم انسانیاتی یا حسی حقیقت کا پیرو نہیں کہہ سکتے بلکہ اس کے حقیقی تعلیمی رجحان کا پتہ اس کی کتاب Conduct کو اس کے منطقی فلسفہ کی روشنی میں پڑھنے سے ملتا ہے۔ جو اس کے سیاسی اور مذہبی نقاط نظر کی حامل ہے۔ وہ اپنی کتاب "مضامین" میں رسمی خیالات اور بے معنی لفاظی کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے۔ تعلیم کے معاملہ میں وہ "ضبط موضوعی" کی بہت بڑی حد تک تائید کرتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کو تاریخ تعلیم میں

ایک خاص امتیاز حاصل ہے لاک نفس کو ایک "سادہ تختی" تصور کرتا ہے۔ جس پر تاثرات کے مرتسم ہونے سے عادات بنتی جاتی ہیں۔ اس طرح وہ ذہنی تربیت پر شدت کے ساتھ زور دیتا ہے۔ چنانچہ ریاضی کو استدلال کے لئے وہ بہت پسند کرتا ہے اور کہتا ہے ..... ریاضی سے بہتر اور سود مند اور کوئی چیز نہیں، میرے خیال میں ریاضی ان تمام لوگوں کو سکھانی چاہئے جن کے پاس وقت ہو اور جنہیں موقع بھی حاصل ہو اس لئے نہیں کہ ان کو ریاضی داں بنایا جائے بلکہ استدلال کی قوت بڑھانے کی خاطر اس استدلال کی قوت کو وہ حسب موقعہ وضرورت دیگر علوم کی تحصیل میں استعمال کر سکیں گے۔ اس طرح لاک حقیقی نقطۂ نگاہ سے نہیں بلکہ ذہنی تربیت کی خاطر مضامین کی تعداد بڑھانے کی سفارش کرتا ہے نیز وہ اپنی کتاب "خیالات تعلیمی" میں بیان کرتا ہے کہ انسان اپنی خواہشات کو مٹا کر اخلاقی تربیت حاصل کر سکتا ہے۔ قوت برداشت کے پیدا ہونے سے جسمانی تربیت ہوتی ہے چنانچہ اس کے بارے میں وہ رقمطراز ہے کہ

"بچہ کے قویٰ اکثر نزاکت اور ناز ونعم کے باعث یا تو بالکلیہ کمزور ہو جاتے ہیں یا اس سے سخت نقصان پہونچتا ہے۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ چاہے گرما کا موسم ہو یا سرما کا، بچوں کو بہت زیادہ گرم نہ رکھا جائے جس وقت بچہ پیدا ہوتا ہے" اس کا چہرہ سب سے زیادہ نازک اور حساس ہوتا ہے۔ لیکن استعمال سے اس میں سردی اور گرمی برداشت کرنے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے بچہ کے پیر روزانہ سرد پانی سے دھوئے جائیں اور اس کا جوتا اس قدر پتلا ہو کہ پانی اندر آسکے بغیر ٹوپی کے بچہ کو دھوپ اور ہوا میں کھیلنے دیا جائے اس کی غذا بہت ہی سادہ اور معمولی ہونی چاہیئے اگر گوشت کی ضرورت ہو تو دن میں صرف ایک بار دیا جائے ان کا بستر نرم اور پشمینہ دار نہ ہو" یہ لاک کا اصول قوت برداشت ہے۔

لاک نے ریاضی اور دیگر مضامین کو تربیت نفس کا ذریعہ بتلایا تاکہ عام قابلیت کی تربیت کیجا سکے۔ چنانچہ اخلاقی تعلیم میں وہ خواہشات کو روکنے اور جسمانی تربیت کے لئے عمل خود گرہی کے

کے جواز پر زور دیتا ہے۔ انہی وجوہات کی بنا پر لاک کو تربیت موضوعی کا مبلغ اعظم سمجھا جاتا ہے اور جس طرح انیٹن کو انسانیاتی تحقیقت کا طرفدار ہونے کی وجہ سے کامی نیس کو حسی تحقیقت کا پیرو ہونے کی حیثیت سے اور ڈیکارٹ کو ریاضی داں ہونے کے اعتبار سے امتیاز حاصل ہے اسی طرح لاک کو تربیت موضوعی کا مبلغ اعظم ہونے کی حیثیت سے تاریخ التعلیم میں ایک خاص درجہ حاصل ہے۔

تربیت موضوعی کا اثر تعلیم پر

اس نظریہ کے موئدین کا خیال ہے کہ بعض مضامین ایسے ہیں جن کے مطالعہ سے ایک ایسی قوت یا اہلیت پیدا ہو جاتی ہے جس کو ہم دوسرے شعبوں میں استعمال کر سکتے ہیں مثلاً ریاضی کی وجہ سے اس قابلیت کو دوسرے مضامین اور شعبوں میں استعمال کیا جا سکتا ہے اس نظریہ کے موئدین کا یہ اصرار ہے کہ ہر ایک کے بلا لحاظ اس کی دلچسپی، قابلیت اور مقصد زندگی کے ان اہم مضامین کو پڑھنا چاہیے جن سے عام ذہنی قابلیت حاصل ہوتی ہے اگر ان خاص مضامین کے پڑھنے کے بعد بھی کسی میں یہ اہلیت پیدا نہ ہو تو اس سے یہ مطلب نکالا جائیگا کہ وہ کسی اعلیٰ خدمت اور ذمہ داری کے کام کو انجام دینے کے قابل نہیں ہے ایسے تربیتی مضامین میں السنہ قدیمہ کو بہت اہمیت دی گئی ہے اور اس کا فائدہ یہ بتلایا گیا ہے کہ ان سے حافظہ کو تقویت بہم پہونچتی ہے اگرچہ سائنس دانوں اور دیگر ماہران تعلیمی نفسیات نے اس خیال کو غلط ثابت کیا لیکن عرصہ دراز تک اس نظریہ کا بول بالا رہا اور ان لوگوں کی کچھ پیش نہ گئی۔

تربیت موضوعی کا اثر تعلیماتی دنیا پر عرصہ دراز تک رہا چنانچہ قدیم زمانے کے نصاب میں السنہ اور ریاضی اور اسی قسم کے دوسرے مضامین کو خاص اہمیت دی گئی تھی اور حال حال تک اس کا اثر زندگی کے مختلف شعبوں پر حاوی تھا۔ لیکن بہت تھوڑا عرصہ گزرا کہ ماہران نفسیات اور سائنس نے اپنے تجربات کی مدد سے اس نظریہ کی خامی اور بے ثباتی کو واضح کر دیا اور اب اس کو ایک دلچسپ نظریہ سے زیادہ وقعت حاصل نہیں ہے۔

"ایک ناکامی!"

از

جناب اختر حسن صاحب اختر عثمانیہ)

رات کے تاریک سناٹے میں، میں یہ سوچ رہا تھا کہ زندگی کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ ایک اندھیری رات ہے جس کی ظلمتوں میں انسان بھٹکتا پھرتا ہے اور قدم قدم پر ٹھوکریں کھانے کے باوجود اپنی دوادوش کو نہیں چھوڑتا — بیشک! لیکن میرے خیالات میں ایسا عظیم الشان تغیر کیونکر رونما ہو گیا تھا ابھی کل کی بات ہے کہ میں زندگی کو ایک مسلسل مسکراہٹ، ایک لازوال مسرت سے تعبیر کیا کرتا اور آج — آہ آج کی رات میری عمر کی شاید سب سے بدترین .... اور سب سے بہترین رات تھی، یہ متضاد کیفیتیں ایک ہی رات میں جمع ہو گئی تھیں، اور زندگی خود متضاد چیزوں کے مجموعہ کا ایک دوسرا نام ہے میرے ذہنی عروج کے لمحے ختم ہو چکے تھے اور رات ابھی باقی تھی! آہ وہ سیاہ بھیانک اور خوفناک رات — لیکن یہ مبارک رات کے یہ مسعود لمحے کس قدر شیریں، کس درجہ تلخ تھے .... واقعی "از ہر چہ می رود سخن دوست خوشتر است!"

میرا یہ علم دوست قلم اب انکشاف حقیقت کے لئے بے تاب ہے اس لئے میں مجبور ہوں ورنہ مجھے تو سمتوں میں جس قدر لطف آتا ہے، چیستانوں میں جو مزہ ملتا ہے

کے جواز پر زور دیتا ہے۔ انہی وجوہات کی بنا پر لاک کو تربیت موضوعی کا مبلغ اعظم سمجھا جاتا ہے اور جس طرح مانٹین کو انسانیاتی تحقیقت کا طرفدار ہونے کی وجہ سے کامی نیس کو حسی تحقیقت کا پیرو ہونے کی حیثیت سے اور ڈیکارٹ کو ریاضی داں ہونے کے اعتبار سے امتیاز حاصل ہے اسی طرح لاک کو تربیت موضوعی کا مبلغ اعظم ہونے کی حیثیت سے تاریخ التعلیم میں ایک خاص درجہ حاصل ہے۔

تربیت موضوعی کا اثر تعلیم پر

اس نظریہ کے موئدین کا خیال ہے کہ بعض مضامین ایسے ہیں جن کے مطالعہ سے ایک ایسی قوت یا اہلیت پیدا ہو جاتی ہے جس کو ہم دوسرے شعبوں میں استعمال کر سکتے ہیں مثلاً ریاضی کی وجہ سے اس قابلیت کو دوسرے مضامین اور شعبوں میں استعمال کیا جا سکتا ہے اس نظریہ کے موئدین کا یہ اصرار ہے کہ ہر ایک کے بلا لحاظ اس کی دلچسپی، قابلیت اور مقصد زندگی کے ان اہم مضامین کو پڑھنا چاہیے جن سے عام ذہنی قابلیت حاصل ہوتی ہے اگر ان خاص مضامین کے پڑھنے کے بعد بھی کسی میں یہ اہلیت پیدا نہ ہو تو اس سے یہ مطلب نکالا جائیگا کہ وہ کسی اعلیٰ خدمت اور ذمہ داری کے کام کو انجام دینے کے قابل نہیں ہے ایسے تربیتی مضامین میں السنہ قدیمہ کو بہت اہمیت دی گئی ہے اور اس کا فائدہ یہ بتلایا گیا ہے کہ ان سے حافظہ کو تقویت بہم پہونچتی ہے اگرچہ سائنس دانوں اور دیگر ماہران تعلیمی نفسیات نے اس خیال کو غلط ثابت کیا لیکن عرصہ دراز تک اس نظریہ کا بول بالا رہا اور ان لوگوں کی کچھ پیش نہ گئی۔

تربیت موضوعی کا اثر تعلیماتی دنیا پر عرصہ دراز تک رہا چنانچہ قدیم زمانے کے نصاب میں السنہ اور ریاضی اور اسی قسم کے دوسرے مضامین کو خاص اہمیت دی گئی تھی اور حال حال تک اس کا اثر زندگی کے مختلف شعبوں پر حاوی تھا۔ لیکن بہت تھوڑا عرصہ گزرا کہ ماہران نفسیات اور سائنس نے اپنے تجربات کی مدد سے اس نظریہ کی خامی اور بے ثباتی کو واضح کر دیا اور اب اس کو ایک دلچسپ نظریہ سے زیادہ وقعت حاصل نہیں ہے۔

(مکتبہ میں اشتہار دیجئے)

"ایک ناکامی!"

از

جناب اختر حسن صاحب اختر عثمانیہ)

رات کے تاریک سناٹے میں، میں یہ سوچ رہا تھا کہ زندگی کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ ایک اندھیری رات ہے جس کی ظلمتوں میں انسان بھٹکتا پھرتا ہے اور قدم قدم پر ٹھوکریں کھانے کے باوجود اپنی دوادوش کو نہیں چھوڑتا — بیشک! لیکن میرے خیالات میں ایسا عظیم الشان تغیر کیونکر رونما ہو گیا تھا ابھی کل کی بات ہے کہ میں زندگی کو ایک مسلسل مسکراہٹ، ایک لازوال مسرت سے تعبیر کیا کرتا اور آج — آہ آج کی رات میری عمر کی شاید سب سے بدترین . . . اور سب سے بہترین رات تھی، یہ متضاد کیفیتیں ایک ہی رات میں جمع ہو گئی تھیں، اور زندگی خود متضاد چیزوں کے مجموعہ کا ایک دوسرا نام ہے میرے ذہنی عروج کے لمحے ختم ہو چکے تھے اور رات ابھی باقی تھی! آہ وہ سیاہ بھیانک اور خوفناک رات — لیکن یہ مبارک رات کے یہ مسعود لمحے کس قدر شیریں، کس درجہ تلخ تھے . . . واقعی "از ہر چہ می رود سخن دوست خوشتر است!"

میرا یہ علم دوست قلم اب انکشاف حقیقت کے لئے بے تاب ہے اس لئے میں مجبور ہوں ورنہ مجھے تو سمتوں میں جس قدر لطف آتا ہے، چیستانوں میں جو مزہ ملتا ہے

وہ سچائیوں اور حقیقتوں میں حاصل نہیں ہوتا..... بہرحال میں خوش ہوں کہ آج کی شام میری زندگی میں پہلی شام تھی جب مجھے اپنی حقیقت کا علم ہوا کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں۔

شام سے پہلے چار بجے مجھے ایک جلسہ میں تقریر کرنا تھی اور صبح سے میں سوچ رہا تھا کہ میری تقریر کا مواد کیا ہوگا؟ اپنے موضوع کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے میں کون کون سے ثبوت دوں گا؟ کیا کیا دلائل پیش کروں گا؟ اسی سوچ اسی تخیل میں سارا دن گذر گیا اور میں کہہ سکتا ہوں کہ مجھے تقریر کرنے سے پیشتر اپنی قوت گویائی پر پورا اعتماد حاصل ہو گیا تھا تقریر کا سارا خاکہ میرے ذہن میں موجود تھا، میں دل ہی دل میں بے انتہا مسرور تھا۔ اوہ! میری تمہید کتنی دلفریب ہوگی! ــــ میں نے اپنی تمہیدی تقریر کا ایک ایک لفظ اچھی طرح اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا تھا ــ "جناب صدر اور حاضرین باتمکین" اس طرح میں اپنی تقریر کی ابتدا کروں گا اور پھر بالکل ایک شاعر کی طرح دو چار ہی جملوں کے بعد نہایت نزاکت اور اداکاری کے ساتھ اصل موضوع کی طرف گریز کرونگا۔ مجھے رہ رہ کر خیال آرہا تھا کہ میں ایک کامیاب انشاپرداز کے نام سے تو مشہور ہو ہی چکا ہوں آج ایک بے باک اور جادو طراز مقرر کا درجہ بھی ملنے والا ہے، کیا ہوا اگر آج پہلی مرتبہ میں اسٹیج پر آرہا ہوں؟ تھوڑی سی جھجک ذرا سا تامل ضرور ہوگا لیکن میں بہت جلد ساری محفل کو نظر انداز کر دوں گا میں خیال کرونگا کہ میں اور صرف میں ہی اس بزم میں ہوں اور باقی جو کچھ ہے "سب ہستی کا دھوکا" اور نظر کا فریب ہے تقریر کا وقت اور زیادہ قریب آتا گیا..... اب میں بالکل تیار تھا میں نے اپنی شیروانی کی جیبوں میں اپنے دونوں ہاتھ ڈال دئے اور کمرہ میں ٹہلنے لگا پھر کسی فوری خیال کے تحت جلد جلد اپنی دستی تلاش کرنے لگا جب جیب میں دستی کے وجود کا اطمینان ہو گیا تو اچانک مجھے اپنے ایک مضمون کا خیال آیا "جمہوریت" اس کا عنوان تھا اور یہ مضمون ہندوستان کے ایک بلند پایہ علمی رسالہ میں چھپ چکا تھا اور بعد میں دیگر متعدد رسالوں میں یہ نقل بھی ہوا تھا کیا یہ اس کی مقبولیت کی ایک بین دلیل نہ تھی؟ میں بہت سرعت کے ساتھ اپنی کتابوں کو

الٹ رہا تھا کہ شاید کہیں وہ مضمون بھی مل جائے مجھے اچھی طرح یاد نہیں آرہا تھا کہ میں نے اپنے ہاتھ سے نہایت خوشخط لکھکر اس کو کہیں کتاب کے اندر رکھ دیا تھا اور بغیر کچھ سوچے کہے کتابیں الٹتا جارہا تھا آج بھی مجھے ملوکیت کے خلاف کچھ کہنا ہے میرے خلاف مقرر بہت کچھ اپنے مضمون کی موافقت میں مواد فراہم کرلیا ہوگا اور مجھے ان سب باتوں کا مدلل جواب دینا ہوگا میں جمہوریت کی تعریف اور اس کی اہمیت ظاہر کرنے میں تمام قوتیں صرف کردوں گا کاش وہ مضمون اس وقت مجھے مل جاتا تو اس سے کتنی مدد ملتی لیکن میرے ہاتھ برف کی طرح سرد ہوگئے پیشانی پر پسینہ آگیا۔ گھنٹی کی آواز نے مجھے چونکا دیا، میں اپنے کمرہ سے نکل کر لکچر ہال میں پہونچا "حاضرین باتمکین" کی کثرت نے میرے ہوش پراگندہ کردئے لیکن میں سنبھلا اور رومال سے پیشانی کا پسینہ پونچھتے ہوئے جلد جلد ایک کرسی پر بیٹھ گیا، تقریر شروع ہوگئی لیکن مجھے معلوم نہیں کہ میرے مخالف مقرر نے کیا کہا کیونکہ میں صرف اپنے منتشر خیالات کو از سرِ نو یکجا کرنے کی کوشش میں محو تھا۔

"تالیاں" ــــ جگنو کو دیکھ کر بچے تالیاں بجاتے ہیں، میں نے تالیوں کی آواز سنی تو معاً مجھے جگنو کا خیال آگیا لیکن جب میں اپنی محویت سے چونکا تو معلوم ہوا کہ میرے مخالف صاحب کی تقریر ختم ہوچکی ہے اور اب میری باری ہے، بغیر کسی ارادے کے یکایک میں اپنی جگہ سے اٹھا اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ اسٹیج پر پہونچ گیا اور پھر دل کڑا کرکے اپنے تمام عزم و وقار کے ساتھ مجمع پر ایک بے پروایانہ نظر ڈالی مجھے اس وقت ایسا محسوس ہوا کہ آسمان کی نیلگوں بلندیوں سے خیالات کی لامحدود موجیں اتر رہی ہیں اور میرے دل و دماغ میں معلومات کا ایک وسیع سمندر لہریں مار رہا ہے میں نے پیشانی سے پھر پسینہ پونچھا اور رومال کو اپنی انگلیوں میں مروڑتے ہوئے ایک مستقل قوت اور ایک فلک وقار ارادہ کے ساتھ کہنا شروع کیا "میرا موضوع جمہوریت ہے اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" ایک طرف سے آواز آئی "جناب صدر کو مخاطب نہیں کیا گیا" اس جملہ کے سنتے ہی ایسا محسوس ہوا کہ کسی نے یکبارگی مجھے

انتہائی بلندیوں سے اٹھا کر غیر محدود وسعتوں میں پھینک دیا ہے ۔ اب میری زبان گنگ تھی، خیالات جلد جلد منتشر ہو رہے تھے میں نے بہ جبر پھر سے اپنی تقریر شروع کی "جناب صدر اور حاضرین آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ میں آج ..... آج میں ....." لیکن آہ! الفاظ مطلب سے گریز کر رہے تھے، پریشاں جملے بکھرے ہوئے بادلوں کی طرح میری زبان پر آ آ کر منتشر ہوتے جا رہے تھے۔ میں کہہ رہا تھا ..... "جمہوریت بڑی اچھی چیز ہے ..... دنیا میں ہمیشہ جمہوریت اور بادشاہت لعنت ہے ..... اور سرمایہ داری میں سمجھتا ہوں آپ میرا مطلب، ہاں آپ سمجھ گئے ہونگے میرا مطلب کیا ہے یعنی میں بادشاہت کا مخالف ہوں ..... اور، اور میں شکریہ ادا کرتا ہوں ..... نہیں خدا کا شکر ہے کہ میں آپ لوگوں کا طرفدار ہوں ..... آہ تالیوں اور قہقہوں نے مجھے دیوانہ بنا دیا گھبراہٹ اور سراسیمگی کے عالم میں اسٹیج چھوڑ کر میں وہاں سے بھاگا پھاٹک تک آتے آتے تین چار جگہ ٹھوکر کھائی لیکن میں اپنے دشمنوں کی زد سے باہر تھا۔ آوازیں ۔ آہ ان شیطانوں کی مکروہ آوازیں ان کے زہر آلود قہقہے، میں اب ان سب کی گرفت سے آزاد تھا لیکن کسی نامعلوم خیال کے تحت بار بار مڑ کر پیچھے دیکھتا جاتا تھا کہ کہیں وہ مردود مجمع میرا تعاقب تو نہیں کر رہا ہے، نصف گھنٹہ کی مسلسل تیز رفتاری کے بعد حسین ساگر کے دلکش کنارے پر پہونچ گیا اور اس کے رومان آفریں برج میں بیٹھ کر دریا کی سیر کرنے لگا منظر بہت سہانا تھا، دونوں وقت مل رہے تھے، شفق کے گلابی انعکاس نے پانی کی روپہلی چادروں پر ایک ہلکا سنہرا غازہ پھیر دیا تھا کوئی اور وقت ہوتا تو شاید میں اس کیف بار سمے کی جاذبیتوں میں گم ہو کر رہ جاتا لیکن افسوس کہ انتشار کے ان بے چین لمحوں میں ..... قدرت نے بھی میرا ساتھ نہ دیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ماحول کا ہر ذرہ میری طرف دیکھ رہا ہے۔ میرا ضمیر اس وقت نہ جانے کتنی خاموش ملامتوں سے دوچار ہو رہا تھا اور میرا احساس شاید اپنے عروج کے انتہائی درجوں پر پہونچ چکا تھا۔ میں ابھی اسی ذہنی اضطراب میں کھویا ہوا تھا کہ کسی کے آنے کی آہٹ نے میری تمام پریشان توجہات کو

اپنی طرف مبذول کرلیا۔۔۔ کون ہے۔۔۔ میں اب سے تقریر میں پورا جملہ ختم نہیں کرتے پاتا تھا کہ میرا ایک نہایت ہی عزیز دوست میری گھبرائی ہوئی نگاہوں کے سامنے کھڑا تھا۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر سلام کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا۔۔۔۔ "تقریر کیسی" اس نے اپنی مسکراتی ہوئی آنکھوں کو میرے اوپر جما کر ایک عجب دلکش انداز میں سوال کیا۔۔۔۔ "میں ابھی تقریر کر کے یہاں آرہا ہوں میں نے جمہوریت پر تقریر کی تھی اور مسلسل ایک گھنٹہ تک میں تقریر کرتا رہا میری تقریر کامیاب رہی اور لوگوں نے مجھے مجبور کیا کہ کل میں فلاں جگہ کسی اور موضوع پر کچھ کہوں میں نے عذر و معذرت کی اور موقع پاکر وہاں سے بھاگ نکلا اب ذرا یہاں دماغ کو سکون دے رہا ہوں۔

میں نے آخر کار اپنی اس بحر طویل کو بغیر کسی جھجک اور رکاوٹ کے ختم کر ڈالا اور پھر اپنے یار عزیز کے ہمراہ گھر واپس آگیا۔۔۔ اور اب میں رات کے تاریک سناٹے میں اپنے نرم و گرم بستر پر پڑا سوچ رہا ہوں۔ بہت کچھ سوچ رہا ہوں، آج کی ناکامی، حوصلہ شکن، روح فرسا ناکامی، اور یہ انسان کتنا حالیا زواقع ہوا ہے، اپنی ہر ناکامی پر کامیابی کا پردہ ڈالنا اپنے ہر عیب کو ہنر ثابت کرنے کی کوشش کرتا یہ ہے۔ اس کا شیوہ یہ ہے اس کی عادت! لیکن میں کب تک سوچوں، کیا نتیجہ؟ کیا ایک ناکامی ہزار کامیابیوں کا پیش خیمہ نہیں ہوتی؟ کیا ایک مرتبہ کی شکست نتیجتاً دس بار کی ظفر مندیوں سے بہتر نہیں ثابت ہوتی۔ میر نے سچ کہا ہے۔

تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا

زندگی خود ایک مسلسل ناکامی ہے۔ دنیا عبارت ہے ناکامیوں کے ایک پیہم اور نہ ٹوٹنے والے سلسلہ سے جب تک ناکامیوں اور محرومیوں کا وجود دنیا میں قائم ہے زندگی باقی ہے اور جس دن انسان اپنے مقاصد اپنے ارادوں میں کامیاب ہوگیا گویا اس کی ہستی کا خاتمہ ہوگیا دنیا کا سب سے بڑا انسان ہمیشہ سب سے زیادہ

اپنے آپ کو ناکام اور نامراد خیال کرنے پر مجبور ہوتا ہے
جو کامیاب ہے وہی ناکامیاب ہے! اس لحاظ سے اگر میں نے اپنے یار
عزیز سے اپنی ناکامی کو کامگاری کہا تو کیا غلطی کی ــــ ؟

رسالہ "اُدبی دنیا" لاہور کی رائے

(جون ۱۹۳۶ء)

مصنفہ عبدالقادر سروری ایم اے ال ال بی "فاضل مصنف ہندوستان کے
کردار اور افسانہ - طول و عرض میں ایک نقاد کی حیثیت سے روشناس ہو چکے
ہیں اس لئے اس جگہ انکی پہلی تصنیفات کا ذکر کرنیکی ضرورت نہیں زیر نظر کتاب ان کی مشہور
و معروف کتاب دنیائے افسانہ کا دوسرا حصّہ ہے اور کردار نگاری کے اہم موضوع سے
بحث کرتا ہے - کتاب کے آخری حصّے میں مشہور افسانوں کے کرداروں کا تجزیہ کیا گیا
ہے اور میری نظر میں یہی حصّہ کتاب کا سب سے قیمتی حصّہ ہے اسی جگہ سے "تعمیری اور تفسیری
تنقید" اور محض تنقید کا فرق نمایاں ہونا شروع ہو جاتا ہے اس وقت اردو زبان میں اس
قسم کی کتابیں بہت کم ہیں اور ضرورت ہے کہ اہل قلم حضرات ادب لطیف کی بجائے ایسی مفید
کتابوں میں مصروف ہوں "

ــــ مکتبہ ابراہیمیہ ادبا ہمی حیدرآباد دکن ــــ

رسالہ مکتبہ میں اشتہار دیکر اپنی تجارت کو ترقی
ــــ دیجئے ــــ

غزل

از

نواب محمد قادر الدین خاں صاحب تمکین

نواب محمد قادر الدین خاں صاحب تخلص تمکین سرست عمر ۳۰ سال آپ نواب محمد مسیح الدین خاں صاحب مرحوم کے صاحبزادے اور معین الدولہ بہادر امیر پائیگاہ آسمانجاہی کے حقیقی بھانجوں نواسوں بھائی ہیں فارسی میں منشی فاضل ہیں نیز انگریزی میں بھی کافی دستگاہ رکھتے ہیں شاعری موروثی ذوق ہے کلام میں انتہائی بلاغت اور رنگینی ہوتی ہے فلسفہ و تصوف کے دلکش پیرایہ میں الفاظ کی بندش تخیل کی جدت اور جذبات کی لطافت آپ کے کلام کے خاص محاسن ہیں گو بہت کم کہتے ہیں مگر جو کچھ کہتے ہیں خوب کہتے ہیں ذیل میں آپ کی ایک غزل درج ہے ملاحظہ ہو (مقنّن اجمیری)

دل ہم آغوش فنا درد تماشائی ہے — رخصت اے یاس کہ امید کی بن آئی ہے
جذبۂ عشق رہا جام مئے دید بکف — حسن کو ہوش نہ تھا کون تماشائی ہے
خستہ حالی پہ نہ جا حوصلہ دل کو تو دیکھ — یہ وہی دل ہے جہاں تو نے جگہ پائی ہے
گل کھلائے نہ کوئی اور ہوائے خندہ — باش اے غنچۂ شگفتہ بہار آئی ہے
موجۂ آتش بالیدہ ہے ہر موج نفس — باغ حسرت میں خزاں بنکے بہار آئی ہے
آفریں اے ہوس سجدۂ مجبور نیاز — درگہ ناز میں دل محو جبیں سائی ہے
یاد ایام کہ تمکیں کو تمنا تھی تری — اب وہ سو جان سے مرنے کا تمنائی ہے

سینما اور زندگی

از

جناب نجم الدین صاحب انصاری عثمانیہ

ایک روز مجھ سے ایک نوجوان شخص کہنے لگا "کچھ تمہیں اس کی بھی خبر ہے کہ تمہاری محبت ہر روز کتنے لوگوں کو اپنے دام میں پھنساتی ہے" اگرچہ ذرا انکساری سے دور تھا پھر بھی مجھے جواب دینا پڑا ہاں مجھے بخوبی معلوم ہے کیونکہ محبت یا مر مٹنے کے جذبات دل میں بھڑکانا میرا روز کا کام ہے۔ جس کا مجھے کافی معاوضہ ملتا ہے۔ میری ڈاک کے اکثر حصے میں مردوں کے خطوط ہوتے ہیں جن میں باوجود اس کے کہ میں شادی شدہ ہوں مجھے شادی کے پیام دئے جاتے ہیں یہ خط بڑے محبت بھرے لیکن ایک ہی ٹیپ کا بند لئے ہوئے کہ میری سادہ اور محبت میں بسی ہوئی زندگی کی شریک ہو جاؤ بعض بہت ہی دلچسپ خطوط کا میں خود جواب دیتی ہوں ورنہ اکثر کے جواب میرے ایک سکرٹری کے قلم سے لکھے جاتے ہیں جس کا ۲۴ گھنٹے بس یہی کام ہے۔

میری ڈاک کے بعض جملے تو مخصوص ہیں "مجھے تم سے ڈیڈی لانگ لگز میں محبت ہوئی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ دنیا میں تم جیسی بھی کوئی لڑکی ہو" تم میرا مقصد حیات ہو"۔ بے شک

مجھے مسرت ہوتی ہے کہ لوگ میری نسبت ایسے خیال رکھتے ہیں لیکن مجھے بے انتہا تعجب ہوتا ہے کہ بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو جان جاتے ہیں کہ میری فلمی زندگی ایک فریب ہے جو ڈائرکٹروں کی جدتوں اور رنگا رنگ روشنیوں کا نتیجہ ہے۔ اور یہ جو پردہ پر تم بیدم کر دینے والے ارمانوں کا مشاہدہ کرتے ہو اس کی حقیقت یہ ہے کہ آٹھ گھنٹے روزانہ کا۔ بیزار کر دینے والا کام ہے۔ جس کو افسانے کا پلاٹ، ایکٹروں کی بن سنور مناظر کا رکھ رکھاؤ اور عدسوں جیسی کم ظرف چیزیں ملکر ڈھالتے ہیں۔ محبت کے مظاہرے امید و یاس کے مناظر رونا دھونا غرض کہ ہر چیز فلم بننے سے پہلے بار بار دھرائی جاتی ہے یہاں تک کہ تم سچ مانو اس میں تاثیر کا شائبہ تک نہیں رہتا۔

شائد میں تم سے یہ تمام باتیں نہ کہتی لیکن ان باتوں سے ایک اور سوال کے جواب میں جو اسی نوجوان نے مجھ سے کیا تھا مدد ملے گی۔

کیا یہ ممکن ہے کہ تمہاری فلم کبھی اصلیت کا جامہ پہن سکے؟" اور کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اصل زندگی میں بھی کوئی لڑکی تم سی قابل پرستش ملجائے"؟ یہاں میرا سر شکر گزاری کے بوجھ سے جھک گیا

"کیا اصل زندگی میں بھی ایسے ارمان ہو سکتے ہیں جیسے تمہارے ہیں اور کیا وہ ایسے تعجب خیز ہو سکتے ہیں۔ جیسے پردہ پر نظر آتے ہیں؟"

دوسرے الفاظ میں فلم کی یہ سحر کاری شروع سے بناوٹ ہی بناوٹ ہے یا اس میں کچھ حقیقت بھی ہے؟ سحر کاری سے میری مراد ایک خاص فضا سے ہے جو ایک خاص قسم کی فلم میں تم محسوس کرتے ہو یعنی ایک خواب کی سی دنیا جس میں دائمی موسیقی روح کو لوریاں دے رہی ہو۔ بالکل نہیں اگر میرا خیال غلط نہیں ہے تو زندگی میں ایسی سحر کاری نہیں ہے سحر کاری تو ہالی وڈ میں بڑی بڑی لاگت سے تیار کیجاتی ہے یا کسی عالیشان ہوٹل میں ان پیسوں سے کرایہ پہ لیجاتی ہے

لیکن میں یہ نہیں کہتی کہ میری فلم کے افسانے کسی طرح بھی سچ نہیں ہو سکتے۔ ضرور ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ آخر وہ عشق و محبت کے افسانے ہیں اور یہی وہ بھید ہے جسے تمہیں اچھی طرح سمجھنا چاہیئے اصل زندگی کی محبت میں انسان اپنی ایک نئی دنیا بناتا ہے۔ یہ دنیا فلم کی ہر چیز سے بے انتہا زیادہ دلکش ہوتی ہے اس دنیا میں وہ ایک دوسرے کے حسن کے ایسے جلوے دیکھتا ہے جو سحر کاری بنانے والے فوٹو گرافر کو کامل شکست دے سکتے ہیں۔ اپنے اطراف کامیابی اور خوشی کی کامل وسعتیں تمہیں نظر آئینگی جب تم زندگی میں اپنے ڈھب کی ہستی کو پالوگے۔ تم اسی طرح رہو سہو گے جیسے پہلے رہ چکے ہو آسمان پر جگمگاتے ستارے، دل کے عالیشان محل میں دانائی کی ہزاروں سوسیقیاں اور جب چلنے کا قصد کرو تو ہری ہری گھاس پر پھولوں کی بارش ہی بارش اور برائے خدا مجھ سے یہ نہ کہو کہ یہ دائمی نہیں — بیشک میں کوئی بڑی جہاندیدہ اور تجربہ کار نہیں لیکن پھر بھی میں یہ کہونگی کہ یہ دائمی ہے اور لافانی چنانچہ خود میری زندگی کی سحر کاری ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کبھی ختم ہی نہ ہوگی۔ (لیکن یہ میرا ایک راز ہے اسے میں کیوں ظاہر کروں) ہاں تو میرا مقصد یہ ہے کہ میں اپنی فلم کی لڑکی کے متعلق کبھی یہ خیال نہیں کرتی کہ وہ عوام کو دھوکہ دیتی ہے یا ان کے لئے باعث خطرہ ہے یہ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ پردہ سینما کی ایکٹرس کو زندہ حاصل کرنے کی جستجو میں ہوں لیکن کوئی ہرج نہیں اگر وہ انہیں ملے یا نہ ملے، جب انہیں ان کے مقسوم کی لڑکی مل جائیگی تو دیکھو کہ وہ مجھے بھول کے بھی یاد نہ کرینگے۔ اب انکے پاس ایک ایسا حسن کا خزانہ ہے۔ جس کے آگے دنیا کی کوئی ایکٹرس ٹک نہ سکے

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ازدواجی زندگی کے ہاتھوں محبت کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے ممکن ہے یہ ان کا تجربہ ہو میں یہ تو نہیں کہہ سکتی کہ وہ جھوٹ کہتے ہیں لیکن کم از کم میرے لئے تو یہ کھلا جھوٹ یقینی افترا ہے۔ محبت وہ کیا جس میں محبت کے سوا اور کچھ نہ ہو محبت تو وہ ہے جہاں ساتھ ساتھ نفرت کے امکانات بھی لگے ہوں آزمائشوں کی پیش میں یہ

سونا اور کندن بنجاتا ہے اور ناموافق حالات کے جھونکے نسیم بہاری کا حکم رکھتے ہیں۔ اور اگر یہ نہ ہوسکا تو کم از کم میری خاطر محبت کے نام کو بدنام نہ کیجئے۔ جسے آپ محبت کہتے ہیں تھے کچھ اور تھا محبت نہ تھی کچھ عرصہ قبل ہالی وڈ کی مشہور ایکٹرس جنٹ گیز نے اپنے قدردانوں کے نام ایک پیغام شائع کیا تھا۔ میری نظر سے بھی کسی اخبار میں گذرا اور بہت دلچسپ معلوم ہوا۔ اس کا میں نے اردو میں ترجمہ کرلیا جو حاضر ہے امید ہے کہ نہ صرف جنٹ گیز کے شیدائی بلکہ غیر جانب دار حضرات بھی اسے پسند کرینگے۔

آخری دعا

(۱۰)

مجھ کو اپنی پُرمحبت آغوش میں آرام کرنے دے!
اور میری گردن کے اطراف تیرے پُرشوق بازو ہوں
اے میرے مادر و پدر!
تیرے جلالی جمال کا دیدار عطا فرما۔
اے رحیم اب جبکہ زندگی کا پیالہ چھلکنے کو ہے!
میری روح کو شانتی کے ساتھ گذرنے دے۔
داسا کی دست بستہ منت و سماجت ہے کہ!
اپنے طفلِ سرکش کی یہ آخری دعا قبول فرما

بین وی تلک ——— مترجمہ یس۔ بی اننتا صاحب

غزل

از

جناب اختر حسن صاحب اخترؔ (مرحوم)

وہ رشکِ گل جو چمن میں خرام ناز کرے　　تو ٹوٹا ٹوٹا اُسے سجدۂ نیاز کرے
شریر آنکھ پھر اس میں شباب کی مستی　　یہ شئے تو وہ ہے کہ آہن کو بھی گداز کرے
حیاتِ عشق و مسرت سے جس کا جی بھر جائے　　وہ خوش نصیب ترے غم سے سازباز کرے
متاعِ عقل ہے مشتاقِ نیستی اے کاش　　ادھر بھی کوئی اک ایسا جانگداز کرے
یقین تو ہے اسے انعامِ زندگی ملجائے　　بہ نیم غمزہ جسے وہ ہلاک ناز کرے
مجال شکوہ کہاں تاب گفتگو کس کو　　جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے
قریب ہے کہ تری بے رخی سے گھبرا کر　　دعائے مرگ بھی دستِ دعا دراز کرے
رقیب بہرِ عنایت، رقیب بہرِ کرم!　　نصیب اس کے جسے وہ شریکِ راز کرے

نگاہِ حسن ادب آموزِ عشق ہے اخترؔ
زبانِ شوق شکایت سے احتراز کرے

مکتبہ میں اشتہار دے کر تجارت کو ترقی دیں۔

خواب کا فرشتہ

از

رازؔ قاسمی صاحب

جب میں اپنے مکلف کمرۂ جہاز میں تنہا رہ گئی تو میں نے عالم محویت میں جہاز کے روشندان کھولدیئے تاکہ اس صدائے موسیقی کو اچھی طرح سنتی رہوں جو قریب کی ایک سیال کشتی سے نکل نکل کر ساری سمندری فضا کو مسحور کر رہی تھی ——— وہ ایک نغمہ تھا۔ فردوسی راگ تھا آسمانی ایک لحن تھا۔ داؤدی جو سوز و ساز میں ڈوبا ہوا میرے عمیق دل میں پہنچکر صدائے بازگشت کا طوفان برپا کر رہا تھا۔ میں انتہائے شوق میں روشندان کے قریب صوفے پر کھڑی ہوکر دیکھنے لگی ——— جہاز کے قریب کشتی کی آہستہ آہستہ سیلانی موجوں کے مد و جزر کے ساتھ اس کا رقص کرنا ایک ملکوتی منظر تھا باغ فردوس کا

گو ہمارا جہاز اب بہت آگے بڑھ گیا تھا اور کشتی بھی نگاہوں سے اوجھل ہوچکی تھی مگر اس نغمہ جاں سوز کا حرف حرف مجھے ہلاک کرنے کے لئے کافی تھا ——— میں روشندان کو اس طرح کھلا ہوا چھوڑ کر اپنے صوفے پر نیم دراز ہوکر سنتی رہی۔ سمندری

ہوا کے نرم و نازک جھونکے وقفہ کے ساتھ میرے گالوں سے مس کر رہے تھے۔ اس وقت جب میں کائنات کے ذرّہ ذرّہ میں ایک نقوش بخودی محسوس کر رہی تھی اس وقت جبکہ ساری دنیا اس موسیقی میں ڈوب کر سو گئی تھی یکایک وہ دلفریب راگ موقوف ہو گیا۔ بالکل اس موج کیطرح جو ساحل سے ٹکرا کر فوراً واپس ہو جاتی ہے۔ میں نے دم سادھ لیا اور تھوڑی دیر تک ہمہ تن گوش ہو کر سنتی رہی جب مجھے بالکل مایوسی ہو گئی تو میں نے روشندان بند کر کے پردے چھوڑ دیئے۔ آدھی رات گزر چکی تھی میں نے اپنی محبوب سہیلی سلمیٰ کو خط لکھنے کا ارادہ کیا مگر نیند کا غلبہ تھا اور میرے جسم کا ذرّہ ذرّہ آرام کا طلبگار تھا۔ اس لافانی نغمہ کی صدا ابھی تک میرے کانوں میں گونجتی ہوئی میرے دل کے ساتھ کائنات وجود کو بھی غرق کر رہی تھی ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میرے ساز ہستی پر کسی نے موسیقی کا لطیف غلاف چڑھا دیا ہے میرے چاروں طرف کی فضا پر ایک سکون مطلق مسلط تھا غنودگی مجھ پر طاری تھی میری روح ایک انگڑائی بھر کر نکل جانا چاہتی تھی اور میرا سارا جسم مجسّم خواب ہوا جاتا تھا میں صوفے پر سے اٹھی اور ایک بیخوار کی طرح بستر پر جا گری۔ میری نیم وا آنکھیں جس میں دنیا بھر کا خمار پنہاں تھا بند ہو گئیں اور میں تھوڑی ہی دیر میں عالم خواب میں پہنچ گئی — آہ کیسی سحر بھری زمین ہے کیسی نرالی دنیا ہے۔ دنیائے خواب — جو فرشتہ سکوں کے پروں کے سایہ میں آباد ہے جہاں روشنی اور تاریکی ہمکنار ہو کر ایک ملکوتی منظر پیش کرتے ہیں۔ وہاں تخیلات کا ایک عالیشان محل بنا ہوا ہے جو بالکل معلق ہے جس کے سنہری دروازے مسافروں کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ میں بھی اس رات کو انہیں دروازوں سے ہو کر اندر گئی اور وہاں کے خوبصورت کمروں سے گزر کر ایک بلوریں حال میں داخل ہوئی جو بقعۂ نور بنا ہوا تھا یکبارگی بلندی سے کسی نامعلوم ہستی کی صدا آئی وہ ایک ندا تھی جس نے مجھے درس محبت دیا یہ آواز فضا کو دو حصّوں میں تقسیم کرتی ہوئی میرے کانوں سے ہو کر دل میں اتر گئی۔ کیسی نازک آواز تھی ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ فرشتہ خواب کا ایک

ایک حرف اس کی نازک پلکوں کی اوٹ سے نکل رہا ہے۔ میں نے کبھی ایسی درد بھری آواز نہیں سنی تھی۔ میں۔ میرا ذرّہ ذرّہ میری روح اس صدا کی جانب کھنچے چلے آ رہے تھے۔ اے وہ عالم خواب میں سرگرداں روح انسانی! آواز آئی۔ یوں بلا محبت کے تجسس و کوشش سے کیا حاصل۔ موسیقی بغیر ساز کے کس کام کی۔ میں نے اپنے مخاطب کو دیکھنا چاہا مگر وہاں کوئی نہ تھا۔

"بحر نغمہ کا بہترین راگ" فرشتہ نے کہا۔ دنیا کی موسیقی کا آخری سُر محبت ہے۔ بغیر سُر کے موسیقی کا وجود معلوم! محبت ہی وہ نغمہ ہے جس سے ساری کائنات کا جمود متحرک ہے۔ محبت خدا کا ظہور ہے اور مخلوق کی روح۔ صانع ازل کا بہترین شاہکار اور اس کی دائمی مسرت کی تکمیل محبت اور صرف محبت ہے۔ محبت ایک دام ہے۔ ایک ہار ہے ابدی مسرتوں کا! ——

میں لرز گئی۔ اور بالکل خاموش کھڑی رہی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کسی مقدس وجود نے مجھے مسحور کر لیا ہے جس کی قربت میں محسوس کر سکتی تھی۔ مگر دیکھ نہیں سکتی تھی ان غیبی سوالات کا جواب دیتے خوف ہو رہا تھا۔

بہت زمانہ پہلے ہزاروں برس قبل غائب ہستی نے کہا یہی کرۂ زمین جس کو آج ہم منحوس ستارہ کہتے ہیں ایک مکمل ساز کا ایک مکمل راگ تھا آسمانی رباب کا سنہری تار لیکن اب وہ ایک باجا ہے بے راگ ایک شعر ہے جس میں نغمہ نہیں۔ اب اس کی ساز زندگی کا پسندیدہ راگ محبت نہیں نفرت ہے! اس کی ہر قوم ایک دوسرے کی مخالف ہر شخص ایک دوسرے کا دشمن۔ جنگ و جدال وہاں کا دستور ظلم و ستم شیوہ ہے۔ محبت نہیں نفرت! آہ غریب منحوس ستارہ کو اسی نفرت نے تمام ملکوتی نعمات سے محروم رکھا۔

جھوٹ کو سچ پر ترجیح دینے والی یہی نفرت ہے رحم کے بجائے ظلم سکھانا اس کا ادنیٰ کرشمہ فیاضی کو ٹھکرا کر خود غرضی کو گلے لگانا اس مکارہ کا کام۔ اے بدنصیب ستارے

افسوس تیری بربادی پر! اے غافل بیدار ہو۔ اب بھی بہت وقت ہے تاریکی کو چھوڑ کر روشنی میں آ اور دوبارہ ملکوتی زندگی دائمی مسرت سے لطف اندوز ہو" میں سب سنتی رہی۔ خوف و ناامیدی سے پریشان تھی میں نے کوشش کی کہ کچھ بولوں بڑی کوشش کے بعد میرے لبوں کو ایک جنبش ہوئی "کیوں" میں نے کہنا شروع کیا۔ آخر ہماری دنیا بدنصیب کیوں ہے اگر ہم سیدھا راستہ نہ چلیں تو یہ ہمارا اپنا قصور ہے نہ کہ دنیا کا۔

چاروں طرف سکوت طاری ہوگیا پھر یکبارگی ساری فضا نورانی ہوگئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی آسمانی طائر نے ایک بار اپنے نورانی پروں کو پھیلایا۔ میری آنکھیں خیرہ ہوگئیں ——— دفعتاً آواز آئی جب راستہ سیدھا اور صاف ہے تو پھر بھٹکنا کیا معنی؟ قدرت رہبر ہے فطرت اس کی مددگار اس کی اطاعت کروگے تو زیست کا مزہ پاؤ گے ورنہ برباد ہوجاؤ گے یہی ایک دنیا کا عالمگیر اصول ہے اس کے سوا کچھ نہیں کون ہے جو اب بھی سیدھی راہ چھوڑ کر بھٹکتا پھرے۔

میں فرطِ غم سے کانپنے لگی دونوں ہاتھ بیساختہ التجاءً پھیلا دئے میری آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں اور میں تھرائی ہوئی آواز سے بولنے لگی اے مقدس فرشتے معاف کریں ایک کمزور فطرت کی جاہل عورت ہوں مجھے بتا کہ آخر محبت سے ہماری دنیا کس طرح سکون حاصل کرسکتی ہے۔

تھوڑی دیر کے لئے دوبارہ خاموشی چھا گئی پھر ایک شعلۂ نور نے ساری فضا کو منور کردیا

دنیا کس کو زیادہ پسند کرتی ہے ——— آیا خدا پرستی کو یا خود پرستی کو اگر دنیا نے پہلی قسم کو حاصل کیا۔ تو ساری کائنات اس کی ہے اور اگر دوسری کو پسند کیا تو کوئی چیز بھی اس کی نہیں میں خاموش اپنے آنکھوں کو ہتھیلیوں سے ملتے ہوئے اس مقدس ہستی کے آگے سرنگوں بیٹھی تھی۔

محبت وہ محبت نہیں جو خودی سے ہو ۔ فرشتہ نے کہا خودی ایک عکس ہے ۔ خدا نہیں ۔ اگر ابدی زندگی چاہیئے تو محبت کے راز و نیاز سے واقف ہو وہ محبت جس سے دونوں عالم کا نظام قائم ہے ۔ وہ جس نے کائنات کو پیدا کیا ۔ خوب یاد رکھو کہ انسان کی محبت انسان ہی تک اور فرشتہ کی فرشتہ تک اور اگر خدا سے محبت کرو گے تو خدا کو پاؤ گے میں نے گردن اٹھائی آنکھیں کھولکر بغور دیکھا تو سوائے روشنی کے کچھ بھی نظر نہ آیا

محبت ایک الہامانہ قوت ہے اسی نے تمام ابدی قوتوں کو اکٹھا کر کے اپنا بنا لیا ہے " ۔ فرشتہ نے کہا ۔ دنیا کا سارا حسن اس کا ایک ہلکا سا تبسم ۔ کائنات کی ساری مسرتیں اس کا ادنیٰ تخیل ۔ دنیا فنا ہو جائیگی مگر محبت انسان کے اس حصہ پر بھی رہے گی جہاں ایک ہزار سال کے برابر ایک روز ہے ۔ محبت آزاد ہے وقت اور جگہ کی قید سے وہ بے نیاز ہے موت اور زندگی سے ۔

میں اسی طرح مودب بیٹھی سنتی رہی ۔ پہلے میں بے یار و مددگار تھی مگر اب میرے دل سے وہ خیال جاتا رہا ۔

حقیقی زندگی کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے ۔ آواز آئی ۔ ہاں صرف ایک ہی اور وہ راہ محبت ہے جو جسقدر زیادہ محبت کرے گا اسی قدر زندہ رہے گا اگر بقائے دوام کی تمنا ہو تو اپنے جان و دل کو پھولوں کا ہار سمجھ کر محبت کے گلے میں پہنا دو ۔ کیونکہ بغیر محبت کے خدا کا ملنا ممکن نہیں ۔

تھوڑی دیر کے لئے دوبارہ خاموشی چھا گئی پھر ایک بار گی اس صدائے آسمانی نے مجھے چونکا دیا میں نے ڈرتے ڈرتے نظریں اٹھا کر دیکھا مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا ۔ کہ کسی نے میرے اوپر ایک چادر پھیلا دی ہے آواز آئی ۔ انسان کی زندگی کے دو رخ ہوتے ہیں ظاہر اور باطن جب تک یہ دونوں ایک نہ ہو جائیں دائمی سکون ممکن نہیں غیر محدود قوت کو حاصل کرنے کے لئے غیر فانی چیز کی ضرورت ہے ۔ اور وہ چیز صرف محبت ہے

یکایک پرسکون سطح نورانی میں ـــ تموج پیدا ہوا میرے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی نقرئی موجیں جگمگانے لگیں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میں ایک نورانی سمندر میں ہچکولے کھا رہی ہوں ۔ روشنی کی موجیں جو اٹھ رہی تھیں انہوں نے سمٹنا شروع کیا اور سمٹتے سمٹتے ایک کرہ نورانی کی صورت اختیار کر لی ۔ میں اس عجیب تغیر کو غور سے دیکھ رہی تھی یکبارگی ایک معطر و منور شعاع میری طرف بڑھی اور میرے قریب ایک معطر پھول ڈالتی ہوئی اپنے مرکز نور کی طرف کھینچی چلی گئی پہلے تو میں جھجک کر رہ گئی مگر پھر دیوانہ وار اسے اٹھا لیا ۔ یقیناً وہ ایک تر و تازہ معطر گلاب تھا ۔

باغ عدن کا بہترین پھول صرف ایک ہوتا ہے ۔ فرشتہ نے عارفانہ انداز سے کہا ایک لافانی اور سدا بہار ۔ ہاں ایک مگر کافی ہے سارے عدن کو معطر کرنے کے لئے اسی طرح سینکڑوں نہیں بلکہ صرف ایک بھی محبت کرنے والا دل ہو تو ابدیت معمور ہو سکتی ہے ۔ ایسے پھول کھلتے ہیں مگر صرف ایک دفعہ ایسی محبت ہوتی ہے مگر صرف ایک بار ۔

میں لرزہ براندام دونوں ہاتھ جوڑے بیٹھی سنتی رہی اور پھول میرے ہاتھوں میں تھا اے بدبخت ستارے ۔ آواز آئی ۔ محبت کو چھوڑ کر چلا تو ہے ۔ مگر افسوس ہے تیری آنکھوں والی اندھی مخلوق پر کاش انکی آنکھیں دیکھتیں اُن کے دل مسرت کے خواہاں اور روح تشنہ محبت ہوتی زندگی کو مورد صد رنج و آلام نہ کہتے ۔ اونہیں معلوم ہو جاتا کہ دنیا میں کسی کو بھی فنا نہیں فرشتہ کے آخری جملہ کو سنتے ہی میں چونک پڑی بے اختیار میری زبان سے نکل گیا ۔ ہر گز نہیں دنیا کی ہر چیز پیدا ہوئی ہے ۔ اور جڑنے کے لئے زندگی اور موت لازم و ملزوم ہے ۔

"ایسا نہیں ہے" فرشتہ نے نہایت سنجیدگی سے کہا ۔ موت کوئی چیز نہیں کیونکہ خدا باقی ہے ۔ ابدیت سے فنائیت معمور نہیں ہو سکتی نہیں معمور ہو سکتی اور جس کو ہم موت کہتے ہیں وہ ایک سفر ہے ایک دنیا سے دوسری دنیا کا ۔

میں نے گردن جھکا لی اور حسین اور معطر گلاب کی ارغوانی پنکھڑیوں کا بوسہ لیا اور

اچکے بیٹھی رہی ۔

خدا حافظ! اے مبارک انسان ۔ فرشتہ نے سنسنی خیز لہجہ میں کہا ۔ اس تحفۂ ربانی ۔۔۔ کو حفاظت سے رکھنا ۔ اس چیز کو حاصل کرو جو تمہاری ہو ۔۔۔ حقیقی راہ سے ہرگز نہ ہٹنا ۔ نہ اپنے ارادے سے اور نہ دوسروں ہی کے مشورہ پر! ۔۔۔ تاریکی کو چھوڑ کر روشنی میں آؤ ۔ زندگی کو موت پر ترجیح دو ۔ اور محبت کو تنہائی پر ۔۔۔ یہ ہے پیغام خواب ۔۔۔ اس کو اپنے دل میں محفوظ رکھنا ۔۔۔

میرے چاروں طرف کی روشنی ایک پردار پرندہ کی طرح آہستہ آہستہ نظروں سے اوجھل ہوگئی لیکن اگلی کیفیت مجھ پر ہنوز طاری تھی اور میں کچھ دیر اسی طرح سرنگوں بیٹھی رہی ۔ جب دل سے خوف دور ہوا تب اٹھی مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی میرا ہاتھ پکڑے منزل مقصود کی طرف لئے جا رہا ہے ۔۔۔ صبح ہو رہی تھی آسمان پر پہلے تو نیلگوں روشنی جھلملانے لگی اور پھر وہ ارغوانی سے تبدیل ہوگئی ۔ اور رفتہ رفتہ ساری فضا سفید ہوگئی ۔۔۔ میں اٹھی اور دیوانہ وار چاروں طرف دیکھنے لگی نہ وہ خوبصورت محل تھا اور نہ وہ مجسمہ نور ۔ البتہ آفتاب کی پہلی کرن تھی جو تیر کی طرح روشندان کے شگاف سے ہو کر میری نیم وا آنکھوں کو گدگدا رہی تھی ۔۔۔ اب مجھے یقین ہوگیا میں کہاں ہوں ۔۔۔ لیکن جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا اور سنا تھا دل اس کا قائل تھا ۔۔۔ میں نے اس گلاب کی بہت تلاش کی جس کو سرزمین خواب میں پایا تھا ۔ میری انگلیوں کے درمیان اس شاخ گل کا نشان بنا ہوا تھا مگر وہ آسمانی پھول کہیں نہ ملا ساری فضا اس کی خوشبو سے معطر ہو رہی تھی آہ کیسی پیاری خوشبو تھی ۔۔۔ پیام خواب کا حرف حرف میرے دل پر منقش تھا ۔ نہ مجھے اب کسی چیز کی خواہش تھی نہ کسی کا خوف اور نہ کوئی امید ۔۔۔ بلکہ جس نے مجھے مطمئن کیا وہ حقیقی زندگی کا یہ راز ہے ۔۔۔ زندگی نتیجہ ہے سچی محبت کا۔

(ماخوذ از میری کوریلی)

کیفیات

از

جناب کوکب صاحب شاہجہانپوری

وفورِ بیخودی میں بڑھ گیا ہوں سرحدِ دل سے
خیالِ دوست بھی آتا ہے اس منزل میں مشکل سے

نکلتی ہے تمنا اس طرح ٹوٹے ہوئے دل سے
کہ جیسے شمع ہنگامِ سحر اٹھتی ہے محفل سے

وہ راحت ہے محیطِ عشق و طوفانِ حوادث میں
کہ دل ڈوبا سا جاتا ہے خیالِ قربِ ساحل سے

خوشا وہ دورِ جب دل اتھارہیں رنجِ ناکامی
کہ اب تو زندگی ہے تلخ فکرِ برق و ساحل سے

اٹھائیں گے کہاں تک دستِ جنوں وحشت
کہیں مضبوط ہے تارِ نفس طوقِ وسلاسل سے

مرے حق میں ہے تیرِ تمکش بھی پرسشِ پنہاں
سمجھتا ہوں دل وہ غافل نہیں ارمانِ بسمل سے

وہ خود میں جو بیت نازاں تھا حسن و دلربائی پر
اسے ہم اپنے دل میں کھینچ لائے جذبِ کامل سے

غمِ الفت کو دورِ زیست کا حاصل سمجھتے ہیں
یہاں تک اہلِ دل مسرور ہیں کیفیتِ دل سے

نہ پوچھو لذتِ ذوقِ طلب راہِ محبت میں
دلِ دیوانہ مجھ کو دور ہی رکھتا ہے منزل سے

دمِ نظارگی حسن کس عالم میں پہونچیگا
وہ دیوانہ جو مجنوں ہو گیا ہو رنگِ محمل سے

ترے پینے بھی نہیں دیتی مری خوئے وفا مجھ کو
بہت جی گھٹ رہا ہے رحمتِ بازوئے قاتل سے

نشاطِ زیست کیسی ہر نفس پر اب یہ عالم ہے
کوئی سر پھوڑتا ہو جس طرح دیوار ماتم سے

جواب گر مجھ سے سردمہری ہی سہی کوکب
چراغ کشتہ ہوں اب کیا کہوں یارانِ محفل سے

محبت ناگزیر ہے

(مترجمہ یس بی اننتا صاحب)

تم قوانین فطرت پر کبھی قابو نہیں حاصل کر سکتے ؛ یہ اسی طرح مستحکم و متیقن ہیں جیسے آفتاب ۔ ماہتاب اور ستارے

یہ عظیم الشان قوت بغیر کسی نقص کے اس عالم آب و گل میں کارفرما ہے

محبت اپنی راہ ضرور ڈھونڈھ لیگی ؛ تم کسی صورت سے اس کو نظر انداز نہیں کر سکتے

یہ وہ طاقت ہے جو کل انسانی عالم میں ایک زندگی پھونکدیتی ہے ۔ بطور ایک تخلیقی قوت کے تو اس کا کوئی ثانی نہیں یہ لوگوں کی زندگی میں داخل ہوتی ہے ، اور انکی شخصیتوں میں ایک نئی روح پھونکدیتی ہے ۔

اس سے انسان میں ایک محرک اضافہ ہوجاتا ہے ؛ جس سے جوش اور امنگ ابھر جاتے ہیں ۔ حتیٰ کہ ایک بزدل میں بھی شیر کی سی بہادری آسکتی ہے انسانی سعی میں ایک ولولہ پیدا کرنے میں تو اس کی نظیر نہیں زندگی میں لطف عزم بالجزم اور شائستگی کا اضافہ کرنے میں تو اس کا زبردست ملکہ ہے ۔

تم یہ خیال کر سکتے ہو کہ ارمان تمہارے لئے نہیں ہے شائد اس میلان بلیغ کو کچھ

عرصہ کے لئے تم پس پشت بھی ڈالسکوگے ہو اور کاروباری سرگرمیوں میں پھنسے ہوئے محبت کے تقاضوں کو دبا سکو گے ؟ لیکن طبعی رجحانات سے انحراف زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رکھا جا سکتا ہے ۔

ایک ساتھی اور الفت کی خواہش، رشتۂ مناکحت و خانہ آبادی پر ختم ہوتی ہے اگر کوئی اپنی میانہ روی کو قائم رکھے تو یہ اور شدت کے ساتھ اُس پر طاری رہے گی اگر اس خواہش پر توجہ نہ کیجائے تو یاد رہے یہ ہمیشہ ناقابل مزاحمت ثابت رہے گی ۔ اگر بے اعتنائی کا سلسلہ زیادہ عرصہ تک یونہی جاری رہے تو بعض اوقات غیر مستحسن خصائل پیدا ہو جاتے ہیں یا افسردہ دلی اور اضمحلال اس کی سزا ہے ۔

محبت کرنا اور محبت کیا جانا ہر فرد و بشر کی سرشت میں داخل ہے ۔ خواہ کوئی شب و روز انسانی ہجوم میں گزارے ۔ لیکن ایک ساتھی نہو تو اس کا گوشۂ دل تنہائی محسوس کریگا ۔ ایک فہیم ساتھی، مخلص اور پرخلوص آنکھیں اور ایک ہمدرد دل رکھنے والے غمگسار کی ہمیشہ ضرورت رہی ہے ۔

شاید تمہارے بیسوں دوست احباب ہیں اور کئی ایک دوست بنیں گے اور غائب ہو جائینگے لیکن محبت دوستیوں میں ایک پرکیف دلی لگاؤ اور لازوال مشارکت پیدا کردیتی ہے ۔

اگر تم اس نعمت سرمدی سے محروم ہو ۔ تو ایک دن ایسا آئیگا کہ خود تمہاری روح پر ایک مردنی چھا جائے گی ساری شخصیت بے اثر بلکہ فنا ہو جائیگی ۔

جس طرح ایک مرجھائے ہوئے پودے میں آبیاری سے دوبارہ تروتازگی اور سرسبزی عود کر آتی ہے ۔ اسی طرح محبت محیر العقول طریقہ سے خوابیدہ روح کو بیدار کرکے اس میں حیات الفت واپس لے آتی ہے ۔ اور حقیقی محبت و قلبی طمانیت اپنے پورے کمال کیساتھ میسّر ہو جاتی ہے جس کے لئے ہم سرگرداں اور پریشان

ہا کرتے ہیں۔

محبت سے روگردانی نہ کرو۔ ایک گرسنہ قلب کے لئے یہ غذائے زندگی ہے کیونکہ اس کے بغیر حقیقی و اطمینانی خوشی ناممکن ہے۔

(میکفڈن)

رسالہ "معارف" کی رائے

مئے دو آتشہ

یعنی

"ترجمہ رباعیات عمر خیام" از شوکت بلگرامی۔ عمر خیام کی رباعیوں کے کئی منظوم اور غیر منظوم ترجمے اُردو میں شایع ہو چکے ہیں ..... مجموعہ کی ابتدا میں مرتب کی جانب سے مترجم کے مختصر حالات ہیں اور پھر اس منظوم ترجمہ اور اس کے ماسبق ترجمہ میں موازنہ کیا ہے اور ایک ہی رباعی کے دونوں ترجمے یکجا دکھائے ہیں اس کے ترجمے پر چند اکابر نواب حیدر یار جنگ بہادر طباطبائی یمین السلطنۃ سرکشن پرشاد بہادر، نواب عماد الملک بلگرامی، نواب صدر یار جنگ بہادر اور شمس العلماء نواب سید امداد امام صاحب اثر کی تقریظیں مندرج ہیں۔ جن میں سے بعض میں خیام کے حالات، بعض میں اس کے فلسفہ اور بعض میں اس اُردو منظوم ترجمہ پر اظہار خیال کیا گیا ہے اور آخر میں رباعیاں اور ان کے ترجمے اس ترتیب سے درج ہیں کہ ایک صفحہ پر فارسی رباعی اور اس کا انگریزی ترجمہ اور اس کے مقابل کے صفحہ پر شوکت کا اردو ترجمہ ہے ..... اس میں شبہ نہیں کہ اب تک جو منظوم ترجمے چھپے ہیں، مجموعی حیثیت سے یہ ترجمہ اون پر سبقت لے گیا ہے"۔ کاغذ چکنا۔ بہترین طباعت عمدہ

مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی حیدرآباد دکن

"مکتبہ" میں اشتہار دیکر اپنی تجارت کو ترقی دیجئے۔

غزل

از

روشن علی صاحب مرحوم

دلم قربان جانانیکہ نے نام و نشان دارد
ز قید ہستی مطلق نشان بے نشان دارد

خوشا رندے کہ رندش فنائے چشم ساقی شد
خوشا مستے کہ مستیش بقائے جاوداں دارد

بہ ذوق دیدار او چشم اگر محرومی دارد
خیال دل نشیں او عجب رنگ نہاں دارد

ز درد ہجر جاں سوزش مشو نالاں تو اے مجنوں
کہ خود محمل نشیں لیلیٰ ہوائے ساربان دارد

بہ شوق دیدار او حیراں بہ بوئے زلف او شاداں
چہ گویم خوبیٔ حسنش کہ نے شرح و بیاں دارد

بہ کعبہ بت پرستی را چہ دعوت می کنی زاہد
دل روشن ہوائے طاق آں ابروکماں دارد

نذر

جو کچھ حقیر اثاثہ میرے ہاں تھا کشتی میں رکھکر تمہاری نذر کر دیا۔ اب میں شمار و حیراں ہوں کہ تمہارے مقدس قدموں کے پاس کیا لے آؤں ——— میری حالت اس درخت کی مانند ہے، جو پھولوں سے بھرے اخیر موسم گرما میں، اپنی رعنائیوں سے محروم، خشک و بلند شاخوں سے آسمان کو گھور رہا ہو ——— لیکن کیا میری گذشتہ تمام نذروں میں ایک پھول بھی ایسا نہیں ہے، جو ازلی آنسوؤں سے سدا بہار بنا دیا گیا ہو ——— کیا تم اس کو یاد کروگی اور اپنی پر سحر آنکھوں سے شکریہ ادا کروگی جبکہ ایام گرما سے رخصت ہوتے ہوئے تمہارے سامنے تہیدست السادہ ہوگا

(مترجمہ یس۔ بی۔ امتا) (ٹیگور)

مُحسن کُش

از

اجمل عرفانی حیدرآبادی

کیتھرائن نے ایک لڑکا نہایت غم انگیز حالات کی بناء پر حاصل کیا۔ اس وقت اس کی عمر چھتیس سال کی تھی بچپن میں وہ اپنی دایہ کی گود سے آتش دان میں گر پڑی تھی جس سے اس کا چہرہ جل کر نہایت بدہیت اور ہیبت ناک بن گیا تھا۔ اس کے چہرہ کی بدنمائی نے اس کو شادی سے قطعاً مایوس کر دیا ہر چند کہ وہ ایک بڑی جائداد کی مالک تھی لیکن حُسن صورت سے قطع نظر کر کے اگر کوئی محض تمول کی بناء پر ازدواج کے لیے آمادہ ہوتا تو وہ اس سے بھی انکار کر دیتی۔

اس کی ایک پڑوسن جس کے شوہر کا انتقال ہو کر چند ہی ماہ گذرے تھے ایک لڑکا تولد ہونے کے بعد اسی عارضہ سے مر گئی تھی۔ اس نے کوئی سرمایہ نہ چھوڑا تھا اور نہ اس کا کوئی عزیز و رشتہ دار تھا کیتھرائن نے اپنے نسائی جذبات سے مغلوب ہو کر اور اس نزاکت حالات سے متاثر ہو کر بچہ کو اپنے زیر پرورش لے لیا۔ اس نے بچہ کے لیے آیا مقرر کی اور جب اس کا سن پڑھنے لکھنے کے قابل ہوا تو اس کو مدرسہ بھیجنے لگی۔

جب وہ مدرسہ سے واپس آتا تو گھر میں اس کی ہر طرح سے دیکھ بھال کیا کرتی جب وہ پورے چودہ سال کا ہو گیا تو اس کو بڑی مسرت ہوئی کہ اس کے اندھیرے گھر کا اجالا اس کے اپنے بیٹے کی طرح محبت کرنے والا ایک لڑکا مل گیا، جو اس کے بعد اس کا گھر دار سنبھالے گا اور بڑھاپے میں اس کو آرام و راحت دے گا۔

وہ ایک چھوٹے سے قصبہ میں رہتی تھی جو نیس سے چار میل پر واقع تھا جس کا ایک مختصر سا ٹکڑا اسی کی جاگیر میں تھا جب سے کہ اس نے اس یتیم لڑکے کو متبنیٰ کیا تھا اس کا خرچ پہلے کے دو چند سے بھی زائد ہو گئے تھے۔ اس کی آمدنی تین ہزار فرانک سالانہ تھی جو تین آدمیوں کے لئے کافی تھی۔ وہ گھر کا سارا کام خود ہی کر لیا کرتی تھی۔ یتیم لڑکا اس سے نہایت ملائمت اور محبت و احترام سے پیش آتا تھا اور جب وہ اس کے مکروہ اور ڈراونے چہرہ سے بلا جھجکے فرط محبت سے اس کو پیار کرتا تو اس کا دل مسرت و انبساط سے لبریز ہو جاتا تھا وہ اس کو محبت سے "امی" پکارتا تھا۔ اور اس سے اپنی حقیقی ماں کی طرح برتاؤ کرتا تھا۔

ہر شام وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے آتشدان کے سامنے بیٹھے آگ تاپتے ہوئے گفتگو کیا کرتے تھے کبھی وہ عمدہ چیز تیار کرتی، گرم چاء اور کیک یہ ہلکی سی بھاری غذا وہ عموماً سونے سے قبل کھایا کرتے تھے۔ کیتھرائن لڑکے کو اکثر اپنی گود میں بٹھا لیتی تھی وفور محبت سے اس کو سینہ سے لگا لیتی وہ اس کو ہر وقت اس طرح پکارتی میرے ننھے پھول "میرے چاند میرے پیارے لعل، میرے بیش بہا ہیرے" اور لڑکا اپنا سر بوڑھی دوشیزہ کے شانہ پر ڈال کر اپنے آپ کو اطاعت گزارانہ انداز میں اس کے سپرد کرتا تھا۔

اب اسکی عمر پندرہ سال کی ہو گئی تھی وہ لڑکے کو ساتھ لے کر شہر جایا کرتی تھی جہاں اس کی بہت دور کی رشتہ دار دو خالہ زاد بہنیں رہتی تھیں دونوں کی شادی ہو گئی تھی اور

پاس پاس مقیم تھیں۔ یہ دو عورتیں اس کے لڑکا متبنیٰ لینے سے در پردہ ناراض تھیں۔ اور یہ ناراضی اس وجہ سے تھی کہ اس کے بعد اس کی جائداد کا مالک ان کے بجائے لڑکا ہوگا مگر بظاہر وہ اس کا استقبال خندہ پیشانی اور تپاک سے کرتیں کیونکہ امید تھی کہ جائداد کی تقسیم کے وقت ایک ثلث انہیں بھی مل رہے گا۔

وہ بہت مسرور تھی اس کا اکثر وقت اپنے لڑکے کے ساتھ ہنسی خوشی سے گذر جاتا تھا۔ اس نے اس کے دل و دماغ کی نشو و نما کے لئے اس کو بہت ساری کتابیں خریدی تھیں جس کے مطالعہ سے وہ ایک بہت بڑا عالم بن گیا۔

اب اس نے ہر شام پیار و محبت سے اس کی زانو پر بیٹھنا قطعاً چھوڑ دیا۔ بلکہ وہ آتشدان کے قریب ایک کرسی گھسیٹ لیتا اور کوئی کتاب لیکر بیٹھ جاتا لیمپ کی سنہری روشنی اس کے گھنگریالے بالوں اور اس کی پیشانی پر پڑتی اس کی آنکھیں کتاب پر گڑی ہوئی ہوتیں اور وہ مطالعہ میں ایسا مستغرق ہوتا کہ حرکت تک نہ کرتا۔

اتشدان کے پاس وہ اس کے مقابل بیٹھی ہوئی اس کو پیار کی نظروں سے گھورتی اور اس کی مصروفیت پر تعجب کرتی اس طرز عمل سے وہ بہت مغموم ہوتی تھی اور اس کا دل بھر آتا تھا وہ اس سے ہر گھڑی کہا کرتی "تم کثرت مطالعہ سے حد سے زیادہ تھک جاؤ گے میرے لعل" ! وہ اس امید پر کہتی کہ وہ مطالعہ چھوڑ کر اس کے پاس آجائیگا اور اس کو پیار کریگا لیکن وہ جواب تک نہ دیتا گویا اس نے سنا ہی نہیں۔ اس کو رات دن بغیر مطالعہ کے اور کوئی کام نہ تھا۔

پورے دو سال تک اس نے لاتعداد کتابیں پڑھ ڈالیں اب اس کے عادات و اطوار میں فرق پڑ گیا تھا اور کتھرائن سے رقم کے مطالبے شروع کر دئے تھے۔ وہ حتی الامکان ہر مرتبہ اس کا مطالبہ پورا کر دیتی تھی جب اس کے مطالبے حد سے بڑھ گئے تو اس نے مجبور ہو کر انکار کرنا شروع کیا۔ اس معاملہ میں وہ حق بجانب تھی بے ضرورت روپیہ پانی

کی طرح بہا دینا کوئی عقلمندی نہ تھی۔

ایک شام کو بڑی رد و قدح کے بعد اس نے آخر ایک بہت بڑی رقم حاصل ہی کر لی مگر اس چند ہی دن کے بعد اس نے اور مطالبہ کیا کیتھرائن نے تہیہ کر لیا کہ اب اس کا کوئی مطالبہ ہرگز پورا نہ کریگی۔

وہ آنکھیں نیچی کئے خاموش بیٹھا ہوا گھنٹوں غور و فکر میں ڈوبا رہتا تھا۔ جس سے یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ آیا اس کو اپنے گذشتہ طرز رہائش پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ یا کیا کیتھرائن سے گفتگو اس نے بالکل ترک کر دی تھی، البتہ گاہے گاہے اس کو تند لہجہ میں نہایت مختصر سا جواب دیدیا کرتا تھا۔ وہ اب بھی اس کی محبت اور توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا مگر اس کا سلوک افسوسناک تھا۔

جب وہ دونوں آتشدان کے پاس ایک دوسرے کے مقابل بیٹھتے تو وہ اس کو اپنی مسلسل خاموشی سے سخت پریشان اور خوفزدہ کر دیتا تھا۔ وہ اس سے کچھ نہ کچھ بات کرنی چاہتی تھی کہ یہ طلسم سکوت ٹوٹ جائے جو ایسا بھیانک تھا جیسے لق و دق جنگل کی ہیبتناک سنسانی لیکن اس کے انداز بتا رہے تھے کہ وہ اس کی ہرگز نہ سنیگا۔ جب پے در پے پانچ چھ دفعہ اس کے بات کرنے پر بھی کوئی جواب نہ ملتا تو وہ خوف اور دہشت سے اس طرح لرزہ براندام ہو جاتی جیسے ایک غریب اور کمزور عورت کا دل۔

آخر بات کیا ہے اس کے دل و دماغ میں کس قسم کے خیالات سما رہے ہیں؟ کامل دو تین گھنٹے اسی فکر و تردد میں ضائع کرنے کے بعد اس کو محسوس ہوا کہ اسے جنوں کا دورہ ہو رہا ہے وہ دیوانی ہو رہی ہے وہ چاہتی تھی کہ اس گھر سے آزاد ہو کر کہیں چلی جائے نہ صرف اس مہیم خاموشی سے نجات پانے کے لئے بلکہ ایک نامعلوم اور اہم خطرہ سے محفوظ اور مصئون رہنے کے لئے جس کے متعلق اس کے دل میں ایک خلش سی ہو رہی تھی وہ تنہائی میں اکثر رویا کرتی تھی۔ اس کی ایک دلی آرزو تھی جس کو اس سے بیان کرنا چاہتی تھی لیکن

اس کے مستقل سکونت نے اس کو ہر دفعہ ناکام رکھا۔ اگر وہ شہر سے کوئی چیز منگوانا چاہتی تو لڑکا جوان ہو چکا تھا فوراً اس کے حکم کی تعمیل کر دیتا اس لئے بظاہر اس کے پاس کوئی معقول ثبوت ایسا نہ تھا جو کسی سے اس کی شکایت کرتی۔

اسی طرح ایک سال گزر گیا۔ اس نوجوان کے ایک اور تعینی کیتھرائن کو خوفناک طریق پر چونکا دیا وہ کس طرح اس سے مطلع ہوئی؟ اس نے کس طرح محسوس کیا؟ معاملہ کچھ نہیں وہ خوب جانتی تھی کہ اس کی جانب سے کوئی فروگذاشت نہیں ہوئی ہے۔ مگر وہ اس نوجوان کی طرز روش اور اس کے نامعلوم خیالات کے تغیر و تبدل کو الفاظ کا جامہ پہنانا نہیں چاہتی تھی ایک شام جبکہ آرفن اس کو نہایت تحقیقی نظروں سے ٹکٹکی باندھ کر گھور رہا تھا۔ کیتھرائن نے اس سے پہلے اس طرح گھورتا ہوا اس کو کبھی نہ دیکھا تھا جس سے اس کو معاً خیال پیدا ہوا کہ یقیناً کوئی خوفناک عزم اس کے دل میں سمایا ہے اور وہ موقع کا طالب ہے

اس کے بعد وہ اپنے موقع کے لئے کیتھرائن کو ہر وقت زیر نگاہ رکھتا۔ آخر کار کیتھرائن نے ضرورت محسوس کی کہ اس کے دل و جگر کو چھید کر پار ہونے والی نگاہوں سے کہیں دور جا کر پناہ لے وہ ہر شام گھنٹوں لگاتار اس کو گھورتا رہتا تھا لیکن اچانک ادھر اُدھر دیکھنے لگتا جب وہ دل شکستہ ہو کر مایوسانہ انداز میں کہتی "مجھے اس طرح نہ گھورا کر میرے بچے" یہ سن کر وہ اپنا سر جھکا لیتا مگر جوں ہی اس کا رخ پلٹتا اس کو احساس ہوتا کہ اب پھر اس کی آنکھیں اس پر گڑ گئی ہونگی اس کے چلتے پھرتے وقت بھی اس کی نگاہیں برابر اس کا تعاقب کرتیں کبھی کبھی وہ باغ میں دیکھ پاتی کہ لڑکا درختوں کی اوٹ سے اس کو آزادانہ گھور رہا ہے۔ گو وہ اس کی نظروں سے قطعاً پوشیدہ ہے یا جب کبھی وہ دروازہ کے باہر بیٹھی ہوئی جراب کاڑھتی ہوتی اور وہ کوئی ترکاری کی کیاری کھودتا ہوتا اس کو ایک عیار کی طرح اس وقت تک پیہم گھورتا رہتا جب تک کہ اس کا کام ختم نہ ہو جاتا

اس کا پوچھنا قطعاً بے سود تھا، لیکن وہ پوچھنے سے باز نہ رہ سکی "یہ کیا معاملہ ہے

میرے بچہ ؟ گذشتہ تین سالوں سے تم میں زبردست تبدیلی واقع ہوگئی ہے جو مجھے سخت ناگوار ہے میں تم سے التجا کرتی ہوں کہ یہ کیا ناخوش گزار حالات ہیں ؟ آخر تمہارے دل میں کیا سمایا ہے۔

اس نے بڑے استقلال سے مگر ایک کمزور اور تھکی ہوئی آواز میں جواب دیا" کچھ نہیں امی" وہ پھر اصرار سے کہنے لگی "آہ میرے لڑکے للہ مجھے جواب دو جب میں تم سے بات کرتی ہوں۔ اگر تم کو معلوم ہوتا کہ تمہارے طرز عمل سے میرے دل پر جو گذر رہی ہے تو تم ہمیشہ جواب دیتے اور تم مجھے اس طرح گھور کر نہ دیکھتے کیا تم کسی مصیبت میں مبتلا ہو ؟ مجھ سے کہو میں تمہیں ہر طرح تسلی اور دلاسا دونگی"

اس نے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑایا اور کہا" امی میں تم کو یقین دلاتا ہوں کوئی بات نہیں اس کے قد و قامت میں کوئی اضافہ نہ ہوا وہ ابھی لڑکا ہی دکھائی دیتا تھا حالانکہ اس کا سن ایک نوجوان آدمی کے برابر تھا بہرحال دونوں کے تعلقات ناخوش گوار ہوگئے تھے اور ناقابل اصلاح اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کا عندیہ زیر تکمیل ہے اور اس کی نگاہوں سے صاف ٹپک رہا تھا کہ وہ کسی ہولناک جرم کے ارتکاب پر تلا ہوا ہے۔ وہ اسی وجہ سے ہر وقت کسی گہری سوچ میں مبتلا معلوم ہوتا اس کے اندرونی جذبات نے اس کو آپے میں نہ رکھا تھا وہ ظالمانہ اور سفاکانہ طریق سے اس کے مال و متاع پر قبضہ جما لینے کی فکر میں تھا جو کچھ ہو اس کا ظاہر بے انتہا خطرناک تھا۔

کھیتر ان ان پیش آنے والے سانحات کے احساس کی کوشش نہ کر سکی قسم قسم کے اندیشوں سے اس کے دل اضطراب نے اس کی نیند اچاٹ کر دی تھی۔ اس کا کلیجہ بیم و رجا سے دہل رہا تھا۔ اور اس کو ڈراؤنے خواب نظر آرہے تھے اس نے اپنے کمرہ کے دروازہ کو اندر سے مقفل کر لیا۔ اور بہت سے وزنی سامان سے اس کو بند کر دیا اس پر بھی وہ کسی پیش آنے والے خطرہ سے کانپ رہی تھی۔

اس نے کوئی رائے قائم نہیں کی۔

اس کو ہر چیز سے ڈر لگ رہا تھا، رات کی وحشت ناک خاموشی سے، در و دیوار سے، اور اس چاندنی سے جو دریچوں کے سفید پردوں سے چھن چھن کر آرہی تھی، اور ان سب کے علاوہ وہ لڑکے سے حد سے زیادہ خوفزدہ تھی کیوں؟

اس کے خائف ہونے کا کیا سبب تھا؛ وہ الفاظ میں ظاہر نہ کر سکتی تھی۔

آخر کار وہ اس روح فرسا طرز زندگی کی تاب نہ لا سکی۔

اس کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ گردش قسمت کا نتیجہ بھگت رہی ہے تقدیر کی ستم ظریفیاں

ایک صبح وہ پوشیدہ طور سے اپنے دو عزیزوں سے ملنے کیلئے شہر گئی اور ان سے اپنے تمام احساسات بیان کئے۔ انہوں نے خیال کیا کہ وہ دیوانی ہو رہی ہے اس لئے اس کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ کیتھرائن نے کہا "آہ اگر تم جانتیں کہ وہ مجھے کس بے پناہ نظروں سے صبح سے شام تک گھورتا رہتا ہے! اسکی نگاہیں ایک لمحہ کے لئے بھی مجھ پر سے نہیں ہٹتیں۔ میں اس سے اس درجہ خائف ہوں کہ بعض اوقات میں چلا چلا کر پڑوسیوں کو مدد کے لئے بلانے پر آمادہ ہو جاتی ہوں، لیکن پھر خیال آتا ہے کہ، ان سے کیا کہونگی کیونکہ اس نے کچھ نہیں کیا، سوائے مجھے گھورنے کے"

اس کی رشتہ داروں نے کہا: کیا تم سے اس کا سلوک ناشائستہ اور گستاخانہ ہے، کیا وہ تم کو سخت اور تلخ جواب دیتا ہے؟"

اس نے کہا نہیں ہرگز نہیں وہ میرے ہر حکم کی تعمیل بڑی اطاعت سے کرتا ہے اور ہر کام میرے حسب منشا، خوش اسلوبی سے انجام دیتا ہے اور اب وہ بہت مستعد اور مخلص بنگیا ہے۔ لیکن میں خود بخود ڈرا اور خوف سے سہمی جاتی ہوں۔ اس کے دماغ میں کتنے خطرناک خیالات چکر لگا رہے ہیں۔ میں جانتی ہوں اور خوب جانتی ہوں اب میں تنہا اس کے ساتھ ایک منٹ کے لئے بھی گاؤں میں رہنا نہیں چاہتی۔

اس کے خود غرض رشتہ داروں نے کہا۔ "عجیب واقعات ہیں ؟ جو سنیگا یقیناً تعجب کرے گا اور کسی کی سمجھ میں یہ معاملہ نہیں آسکتا انہوں نے از راہ ہمدردی مشورہ دیا کہ ایسے بے بنیاد توہمات اور شبہات اپنی دل سے دور کردے اور شہر میں اُٹھ آنے کے متعلق بھی اس کی خاطر شکنی نہیں کی، محض اس امید پر کہ نقل مقام سے اس کا تمام زر و نقد ان کے اپنے لئے محفوظ رہ سکیگا انہوں نے وعدہ کیا کہ اس کا گاؤں کا مکان وہ ضرور فروخت کروا دینگی اور اپنے نزدیک ایک نیا مکان خرید دینگی۔

کیتھرائن اپنے مکان کو واپس ہوگئی۔ وہ عجیب کشمکش میں مبتلا تھی۔ اس کی آواز تک کمزور ہوگئی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں میں ایک نامعلوم خطرہ سے لرزہ پڑنے لگا۔

اس نے اپنے عزیزوں کی مدد سے شہر میں ایک چھوٹا سا موزوں مکان پوشیدہ طور پر خرید لیا۔ ایک سہ شنبہ کی صبح کو معاملہ طے ہوگیا اور تمام دن وہ نقل مقام کی تیاریوں میں مصروف رہی۔ رات کے آٹھ بجے اس نے ایک گھوڑا گاڑی میں سفر کیا وہ گھر سے ابھی ایک میل گئی تھی کہ گاڑی ایک مقام پر ٹھہر گئی جہاں ڈرائیور نے اس کو اتار دیا اور بلا کچھ کہے گھوڑوں کو چابک مار کر تیزی سے روانہ ہوگیا

دوسری صبح کو ٹھیک سات بجے گاؤں کے ڈاکیہ کو ایک سہ راہے پر خون کا ایک بہت بڑا دھبہ نظر پڑا، جو ایک اونچے راستے سے دور نہ تھا۔ اس نے اپنے دل میں کہا اوہو! معلوم ہوتا ہے کہ کسی شرابی دہقاں کی ناک چھوٹی ہے"، لیکن وہ چند ہی قدم آگے گیا تھا کہ اس نے ایک نفیس خون آلود دستی پڑی دیکھی اور جوں ہی وہ سامنے والی خندق کے قریب پہونچا اس نے خیال کیا کہ غالباً وہ آج ایک عجیب و غریب چیز دیکھ سکیگا۔ جو اس میں لٹک رہی تھی۔

کیتھرائن خندق کی تہ میں گلا کٹا ہوا لٹک رہی تھی۔ ایک گھنٹہ کے بعد وہاں ایک مجمع سا لگ گیا۔ مجسٹریٹ اور دوسرے جن کو اختیارات تھے۔ اس کے اطراف جمع ہوگئے اور

اور اس سنگین واردات کی نسبت سبھوں نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا و دریافت حال کے لئے اس کی دونوں رشتہ دار طلب کی گئیں انہوں نے آکر بوڑھی دوشیزہ کے خطرات اور اس کے انتظامات جو عمل میں آرہے تھے ان سے صاف صاف بیان کر دئے۔

بتنی لڑکا گرفتار کرلیا گیا۔ اس کی منہ بولی ماں کے قاتل کے سراغ لگنے پر اسکی رہائی کا دارمدار تھا اس نے کچھ کیا کرایا نہیں، لیکن وہ رونے لگا اور آخر کار ان دلگداز حالات کو دیکھ کر وہ انتہائی رنج و ملال میں مبتلا ہوگیا۔ وہ اپنی صفائی میں کہہ سکتا تھا کہ شام سے لے کر رات کے گیارہ بجے تک وہ ایک ہوٹل میں رہا ہے اور تقریباً دس آدمیوں نے اس کو وہاں دیکھا ہے جو اس کے ہوٹل سے واپسی تک وہیں تھے مگر گھوڑا گاڑی کے ڈرائیور نے اس معاملہ کو صاف کر دیا کہ اس نے ساڑھے نو اور دس بجے کے درمیان مقتولہ عورت کو اتارا تھا۔ عدم ثبوت کی وجہ سے قیدی رہا کر دیا گیا۔

وصیت نامہ کی رو سے ساری جائداد بتنی لڑکے کو ملتی تھی اور کاغذات پیرس کے ایک سرکاری افسر کے حفاظت میں رکھ چھوڑے گئے تھے لڑکے نے وہ کاغذات حاصل کرلئے جس کی رو سے وہ کیتھرائن کی ساری جائداد کا تنہا مالک بنگیا۔

گاؤں کے لوگ اب بھی اس کو قاتل سمجھتے تھے اور انہوں نے اسے گاؤں میں رہنے نہ دیا وہ مجبوراً ایک طویل مدت تک گاؤں سے دور رہا کیا۔ اس کا مکان یعنی مقتولہ عورت کا مکان بڑا ہی منحوس سمجھا جانے لگا۔ راستہ میں ہر شخص لڑکے کے سایہ تک سے کترا کر چلتا تھا لیکن اس کا طرز نہایت ملنسارانہ اور حد درجہ دوستانہ تھا۔ اس لئے رفتہ رفتہ اس کی نسبت لوگوں کے جو بُرے خیالات تھے وہ محو ہو گئے وہ بہت خوش اخلاق اور قدر شناس تھا وہ پڑوسیوں سے بھی خندہ پیشانی و تپاک سے پیش آتا تھا

تصدیق کنندہ ہی پہلا آدمی تھا، جس نے اس کی شیریں کلامی سے متحیر ہو کر اس کی نسبت اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ایک شام جبکہ وہ ٹیکس کے کلکٹر کے ساتھ رات

کا کھانا کھا رہا تھا۔ اس نے بیان کیا وہ شخص جو فطرتاً خوش خلق اور نیک باطن ہو، ناممکن ہے ایسے سنگین جرم کا مرتکب ہو کر اپنے روشن ضمیر کو تاریک بنائے۔ مہمان کے اس استدلال سے لاجواب ہو کر خیال کیا ہر چہ گذشت گذشت اور یوں اس ہولناک کہانی کا اختتام ہوا قتل میں کس کا ہاتھ تھا یہ صرف اسی متبنیٰ لڑکے کو معلوم ہوگا یا شاید خدا کو۔

(ماخوذ)

اگر آپ افسانے پڑھتے ہیں تو!

(دارالاشاعت مکتبہ ابراہیمیہ)

نئی نئی کتابیں

سلسلہ دنیا کے شاہکار افسانے

مولفہ محمد عبدالقادر سروری ام اے ال۔ال۔بی مصنف دنیائے افسانہ غیرہ

ضرور مطالعہ کیجئے

قدیم افسانے مصر یونان، روما، ہندوستان، ایران اور عرب کے (۲۵) قدیم ترین افسانوں کا مجموعہ ہے ہر افسانہ کے ساتھ اس کے مصنف کا حال بھی درج ہے قیمت (عہ)

چینی اور جاپانی افسانے چین اور جاپان کے شاہکار افسانوں کا مجموعہ قیمت (۹ر)

انگریزی افسانے انگلستان کے شاہکار افسانوں کا مجموعہ ضخامت (۱۴۰) صفحہ قیمت عہ

فرانسیسی افسانے فرانس کے جادو نگار مختصر افسانہ نویسوں کی بہترین کاوشوں کا انتخاب باتصویر قیمت ۱۲

ملنے کا پتہ

مکتبہ ابراہیمیہ مدد باہمی حیدرآباد دکن

تنقیدیں

مشاہدات تقطیع $\frac{۲۰×۳۰}{۱۶}$ صفحات ۶۴ مطبوعہ مطبع نادری جلیسور قیمت ۳ر ملنے کا پتہ قصر الادب آگرہ۔

یہ کتاب جناب سیماب اکبرآبادی کی تصنیف فرمودہ ہے صاحبِ صوف نے اس کتاب میں اپنے مشاہدات و معلومات کی بناء پر بمبئی کی مشہور و معروف قوم بوہیرہ کی تنظیم، اُن کے اوقاف مذہبی کے مداخل و مخارج۔ قوم کے پیشوائے اعظم نرہولی سیف الدین طاہر صاحب کے عادات و خصائل پر نہایت زبردست اور سیر حاصل تبصرہ فرمایا ہے

یہ تصنیف کا ظاہری رُخ ہے۔ لیکن اگر نگاہ غور سے اس کے باطنی رخ کو دیکھا جائے تو معلوم ہوجائیگا کہ مصنف نے اس پردے میں عامۃ المسلمین کے ایک نہایت خطرناک پوشیدہ پھوڑے پر اصلاحی نشتر سے وہ زبردست چرکا لگایا ہے کہ اگر خود فراموش اور غافل مسلمان اس وقت بھی ہوش میں آجائیں تو آج بھی باوجود اس بے سروسامانی اور درماندہ حالی کے قابلِ تحسین طریقہ پر اپنی اصلاح کرسکتے ہیں۔

ہم سیماب صاحب کے دو فقرات کی طرف خصوصیت کیساتھ جمہور مسلمان ہند کو متوجہ کرتے ہیں جو انہوں نے اوقاف کی تنظیم اور انکے صحیح اخراجات کے پیش نظر خائنان ملت کی غداریوں اور کوتاہ فہمیوں کی نسبت تحریر فرمائے ہیں

اوقاف کی نگرانی کا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ اینٹوں اور پتھروں کی نگرانی کیجائے بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ جو وقف جس مقصد کے لئے کیا گیا ہے وہ مقصد اسکی آمدنی سے باحسن الوجوہ پورا ہوتا رہے"

دوسرا فقرہ ملاحظہ ہو:۔

بے شک حکومت اوقاف کی عمارتوں کی نگرانی کرسکتی ہے۔ انکے رفت و روب کا انتظام کرسکتی ہے انکی شکست و ریخت کا اہتمام کرسکتی ہے لیکن ان اوقاف کے سلسلے میں بہرہ جماعت اپنے بچوں کے مستقبل کی تہذیب میں جس انہماک سے مصروف ہے اور جس طرح عقائد کی جڑوں کو اخلاف کے دلوں میں مضبوط کررہی ہے وہ کام کسی دوسری قوم سے انجام پذیر ہو قطعاً ناممکن ہے"

ان فقرات کے پڑھنے کے بعد سہل انگار مسلمانوں پر تازیانہ لگنا چاہئے اور انہیں اپنے اوقاف کی تنظیم کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے، ہماری ساتھی قومیں اوقاف کی آمدنی سے قومی تنظیم اور فلاح کے جو کام لے رہی ہیں اسکی مثال سے ہم کو بھی سبق حاصل کرنا چاہیئے

ہمارے باہمت اسلاف نے نیک اور خیراتی کاموں کے لئے جو جائدادیں چھوڑی ہیں، اگر کوئی امر مانع نہ ہو تو ہم بھی ان سے قوم کے جوانوں کی ترقی اور بہبودی کے پائدار کام کرسکتے ہیں ۔ جناب سہاب نے یہ مختصر سا رسالہ لکھکر گویا ایک اہم معاملے کیطرف ہماری توجہ منعطف کرادی ہو اب اس سے مستفید اور لذت یاب ہونا اپنے اپنے حوصلہ اور مذاق کی بات ہے۔

بارش اور قرآن یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس کے مصنف جناب طیب علی عبدالرسول صاحب شاکر جیلپوری ہیں مصنف نے اس رسالہ میں نہایت محنت و جانکاہی کے ساتھ قرآن مجید کی ان تمام آیات کو جمع کیا ہے جنمیں بارش اور اس کے جملہ لوازمات مثلاً اولے گرج اور بجلی کی چمک وغیرہ کے متعلق نہایت صاف اور واضح شواہد ملتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مصنف ممدوح نے کافی تلاش و جستجو کے بعد یہ رسالہ مرتب کیا ہے اور اس ذریعہ سے یہ امر ثابت کرنیکی کوشش کی ہے کہ دور حاضرہ کے سائنس داں اپنی محدود قابلیت کے بھروسے پر بارش اور اولوں کے متعلق جن انکشافات پر مغرور و نازاں ہیں وہ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر مسلمانوں کی واجب التعظیم کتاب قرآن شریف میں پوری شرح و بسط کے ساتھ ظاہر کردئے گئے ہیں جس کا جی چاہے آئے اور دیکھ

تقطیع ۲۲×۱۸ صفحات ۴۹ مطبوعہ مطبع نادری جیلپور قیمت ۴ ملنے کا پتہ مطبع نادری جیلپور

یہ اور بات ہے کہ تعصب اسکو حقائق پر غور کرنیکا موقع ہی نہ دے

اصل تو یہ ہے کہ یہ رسالہ اپنی نوعیت کا پہلا اور مفید رسالہ ہے اس کے مطالعہ سے مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ دیگر اقوام کو بھی معلوم ہوجائیگا کہ اسلام کے عقائد کس قدر مطابق فطرت سائنس اور کسقدر افادی ہیں

تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۳۹ مطبوعہ جدید برقی پریس دہلی قیمت مدر ملنے کا پتہ مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

کا عالم سرور دو قابل احترام حضرت سرور عالم کی یہ مختصر سوانح عمری مولوی محمد حسین صاحب حسان ندوی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے بچوں کے مطالعے کے لئے مرتب کی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس وقت تک اردو زبان میں حضور کی سیرت مقدسہ کے متعلق متعدد سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں لیکن یہ کتاب جس مقصد سے لکھی گئی ہے وہ بیحد مستحسن ہے حضرت سرور عالم کی زندگی بحیثیت انسان کے بھی دنیا کے بہترین انسانوں سے زیادہ سبق آموز ہے۔

اس کتاب میں ایسی صاف ستھری اور سلجھی ہوئی زبان استعمال کیگئی ہے کہ ہر وہ شخص جو معمولی طور پر لکھنا پڑھنا جانتا ہے اس کتاب کے مطالعہ سے کما حقہ فائدہ حاصل کرسکتا ہے

اس وقت تک اردو زبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جتنے سوانح عمریاں موجود ہیں ان میں فارسی اور عربی الفاظ کی اسقدر آمیزش ہے کہ سطحی قابلیت رکھنے والے اشخاص کیلئے ان کا سمجھنا اگر ناممکن نہیں تو ایک گونہ مشکل ضرور ہے حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسی مفید کتابوں کی زبان بالکل آسان اور سلجھی ہوئی ہو تاکہ ہر کس و ناکس ان کتابوں سے مستفیض ہوسکے

ہمارے خیال میں اپنی اسی خاص خصوصیت کی بنا پر یہ کتاب طالب علموں اور کم استعداد حضرات کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے اس کے پڑھنے کے بعد وہ لوگ اپنے دنیا کے سب سے بڑے مصلح کی سیرت طیبہ سے کافی طور پر آگاہ اور واقف ہوجائینگے۔

ضرورت ہے کہ ملک کے مشہور اور مستند اہل قلم حضرات اپنی تصانیف میں اس قسم کی زبان اور ایسے خیالات سے کام لیں جو گورکھ دھندا بنانے کے عوض خواص کے علاوہ عوام کے لئے بھی مفید اور کارآمد ثابت ہوں۔

یہ کتاب مکتبہ جامعہ ملیہ کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ جامعہ ملیہ کی گوناگوں مصروفیات میں ایک اہم شعبہ ادب طفلی کی خدمت بھی ہے اس سلسلے میں مکتبہ نے متعدد مفید کتابیں شائع کی ہیں بچوں کی تربیت قوم کا اولین اور اعلیٰ فرض ہے اس لئے اس طرح کی کتابوں کی اہمیت کبھی گھٹائی نہیں جا سکتی۔

تقطیع ۲۰ + ۳۰/۱۶ = صفحات ۲۰ مطبوعہ جامعہ ملیہ اسلامیہ پریس دہلی قیمت ۱ر ملنے کا پتہ دنیا کے لیئے و ا مکتبہ جامعہ قرولباغ دہلی۔

جناب سید بشیر حسین صاحب زیدی بی اے (کنٹب) بیرسٹرایٹ لا ہیڈ ماسٹر مسلم یونیورسٹی اسکول نے ایک مختصر رسالہ جغرافیہ کے ایک پہلو کے متعلق بہت ہی ابتدائی مگر ضروری معلومات پر نہایت محنت اور مطالعہ کے بعد لکھا ہے وہ حضرات جو بچوں کے لئے لٹریچر فراہم کر رہے ہیں نہایت قابل ستائش ہیں خصوصاً ایسے رسالے جن کی افادیت میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

صاحب موصوف نے اس رسالہ میں دنیا کی آٹھ مشہور وحشی قوموں کے مفصل حالات قلمبند کئے ہیں جس کے مطالعہ کے بعد ہر طالب علم کے دماغ میں انکی معاشرت تمدن بود و باش آب و ہوا اور رسم و رواج کے متعلق پورا پورا خاکہ کھنچ جاتا ہے زبان اسقدر آسان اور پاکیزہ ہے کہ ہر وہ طالب علم جو معمولی لکھ پڑھ سکتا ہے وہ بھی اسکو سمجھ سکتا ہے۔ پیرایہ اسقدر دلچسپ ہے کہ بچے ان حالات کو کہانیوں کی طرح پڑھ کر لطف حاصل کر سکتے ہیں اور یہی وہ بہترین طریقہ ہے اصول تعلیم کا جس سے بچوں کے دلوں میں تعلیم کا شوق پیدا ہو سکتا ہے۔ علاوہ اس کے اس رسالہ میں صاحب موصوف نے جگہ جگہ پر تصویریں بھی دی ہیں۔ جس سے مطالب کی اور زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے یہ رسالہ بچوں کے لئے نہایت مفید ہے اور اس قابل ہے کہ محکمہ تعلیم اسے نصاب میں شریک کرے یا کم سے کم مدارس کے لئے خریدے۔

مطبوعات دارالاشاعت مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی محدود حیدرآباد دکن

علمی و ادبی کتابیں

۱ اردو شہ پارے حصہ اول از ڈاکٹر سید محی الدین قادری ایم اے پی ایچ ڈی تاریخ اردو کے قدیم اہ راسبدائے اردو سے لے کر ولی اورنگ آبادی تک نظم و نثر کا بہترین انتخاب ۷ شعرائے قدیم ضخامت ۴۰۰ صفحے قیمت مجلد ۱۲ے

۲ روح تنقید۔ از ڈاکٹر صاحب موصوف اردو میں فن تنقید کی پہلی کتاب ہے قیمت عہ ۱۲

۳ تنقیدی مقالات از ڈاکٹر صاحب موصوف ۸ روح تنقید کا دوسرا حصہ پیش کردہ تنقیدی اصولوں کی روشنی میں چیدہ شعرا کے کلام پر تنقید و تبصرہ ضخامت ۵۰۰ صفحے ۹ مجلد قیمت ہے

۴ اردو کے اسالیب بیان۔ از ڈاکٹر موصوف ابتدائے اردو نثر سے لے کر موجودہ زمانے کے نثر نگاروں کے انداز تحریر و بیانکی ارتقائی ۱۰ تاریخ ضخامت ۲۰۴ صفحے مجلد عہ

۵ محمود غزنوی کی بزم ادب از ڈاکٹر موصوف غزنوی دور کی علمی و ادبی کارناموں کا مرقع ۲۰۰ صفحے قیمت ۱۲ر

۶ ۔ ۔ ۔ ارباب نثر اردو از سید محمد امام اے اردو نثر نویسی کی تاریخ اور فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے مصنفین اردو کا تذکرہ ضخامت (۲۲۰) صفحے مجلد قیمت (عاں)

۷ دکن میں اردو از نصیر الدین ہاشمی منشی فاضل جنوبی ہند میں اردو کی ابتدائی تاریخ قطب شاہی عادل شاہی اور آصف جاہی دور کے شعرا کا تذکرہ اور دکن کے علمی تصانیف رسائل و اخبارات کے مفصل حالات ضخامت (۱۰۰) صفحے قیمت (عاں)

۸ آثار الکرام از حکیم سید شمس اللہ قادری ایم آر اے پی ایس۔ ایران وسط اور جنوبی ہند کے اسلامی سلاطین کے علمی و ادبی کارناموں کی مستند تاریخ ضخامت (۱۴۴) صفحے قیمت ۱۲ر

۹ گلشن گفتار مرتبہ سید محمد امام اے اردو شعرا کا پہلا تذکرہ مع جامع تقریباً ۱۶۵۰ء سے پہلے دکن و ہندوستان کے مشہور شاعروں کے حالات نوشتہ خواجہ خاں حمید و زنگ آبادی ضخامت (۱۵۰) صفحے قیمت ۱۲ر

۱۰ مقدمات عبدالحق حصہ اول مرتبہ مرزا محمد بیگ اسپیشل افسر مولوی عبدالحق معتمد انجمن ترقی اردو و پروفیسر اردو جامعہ عثمانیہ کے علمی و ادبی اردو مقدموں کا اور پیامونکے

مکمل مجموعہ مختلف موضوع کی گرانمایہ کتابوں میں شائع
ہوئے تھے ضخامت ۴۰۳ صفحے قیمت (ے)

۱۱ مقدمات عبدالحق حصہ دوم قیمت (عاں) ۱۹

۱۲ دنیائے افسانہ از عبدالقادر سروری ایم اے ال ال بی
اردو افسانوں کی ابتدائی تاریخ اور فسانہ نگاروں
کے طرز تحریر و انداز بیان پر تنقید اردو میں اپنی نوعیت
کی پہلی کتاب ضخامت ۲۱۸ صفحے قیمت عہ ۲۰

۱۳ کردار اور افسانہ از سروری افسانہ نگاری
میں کردار اہم جزو ہے اردو کے چند مشہور کردار ۲۱
عمرو عیار و داستان امیر حمزہ و نجم النساء شوخی
بیرسن توبۃ النصوح (عون محمد (مرزا انیس)
تنقیدی مقالات ضخامت ۲۳۲ صفحے قیمت عہ ۲۲

۱۴ قدیم افسانے از سروری دنیا کے شہکار افسانوں
میں سے قدیم ترین (۲۵) افسانوں کا مجموعہ ۲۳
ضخامت ۴۱۷ صفحے قیمت عہ

۱۵ چینی اور جاپانی افسانے بہ نگرانی سروری
چین اور جاپان کے شہکار افسانوں کا مجموعہ ضخامت ۲۴۷ صفحے قیمت ۹

۱۶ انگریزی افسانے بہ نگرانی سروری انگلستان کے
شہکار افسانوں کا مجموعہ ضخامت ۲۴۰ صفحے قیمت عہ

۱۷ فرانسیسی افسانے بہ نگرانی سروری فرانس کے ۱۴
جادو نگار افسانہ نویسوں کا بہترین کارنامہ انتخاب

۱۸ مبادی فلسفہ از مولوی میر حسن الدین بی اے ال ال بی
ڈاکٹر ایس رادھا کرشنن پی ایچ ڈی کی پر اثر تصنیف
دی فلاسفر کا عام فہم سلیس اردو ترجمہ ضخامت ۱۳۶ صفحے ۱۳

مبادی نفسیات از شیخ عبدالحمید شوق بی اے (آنرز)
یہ اردو زبان میں نفسیات سے متعلق اپنی نوعیت
کی پہلی کتاب ہے ضخامت (۱۹۰) صفحے قیمت عہ

قاموس الاغلاط از مولانا شیخ احمد ذہین پانچ ہزار
الفاظ کی تحقیق اور اول اغلاط کی تصحیح جو اہل
تحقیق کے لئے مفید کتاب ضخامت ۱۸۴ صفحے قیمت ۱۲

محمود گاواں از ظہیر الدین سلطنت بہمنیہ کے وزیر
مدبر خواجہ جہاں محمود گاواں کی معتبر سوانح عمری ضخامت
۵۵ صفحے ۸

نیلگری از عتیق اللہ ایم اے ال ال بی جنوبی ہند کے صحت افزا
مقام کی تاریخ و جغرافی مواقع و ضخامت ۱۴۰ قیمت ۵

مے و آتشہ عمر خیام کی فارسی رباعیات اور انکے
انگریزی اور اردو ترجمہ کا مجموعہ ہے کتاب مجلد باتصویر قیمت عہ

مکتبہ ابراہیمیہ امدادیہ سمی (محدود) حیدرآباد دکن

اغراض و مقاصد

دورِ عثمانی کا اوّلین علمی ادارہ مکتبہ ابراہیمیہ ہے جو ایک عرصہ سے ابنائے ملک کی علمی و ادبی خدمت کر رہا ہے۔ ریاست ابد مدت میں عہد آصفی کا کتب خانہ کو اوّلیت کا فخر حاصل ہے جس نے سب سے پہلے اردو زبان کی اشاعت و ترقی کی خاطر ملک میں اردو زبان علوم و فنون کی قدیم و جدید کتابوں کا بڑا کتب خانہ قائم کیا پھر ملک میں کتب بینی کا ذوق پیدا کیا۔

مکتبہ کے زیر غور جو اسکیم ہے اسکی تکمیل فراوانی قوت سے ناممکن تھی اسلئے انجمنہائے امدادباہمی کے تحت اس کی جڑ ہی ڈالی گئی تاکہ ملک کے مشترکہ سرمایہ سے اغراض و مقاصد ذیل کی تکمیل کیجائے۔

(۱) جملہ درسی کتب مجوزہ و سررشتہ تعلیمات کا مال وافر بہم کرنا۔

(۲) ملک کی ضروریات کے لحاظ سے نصاب تعلیم کی کتابیں تیار کرکے کٹ بک کمیٹی سررشتہ تعلیمات ملک سرکار عالی میں پیش کرنا۔

(۳) کتب درسی کے علاوہ دیگر ضروریات تعلیمی مثلاً نقشہ جات۔ آلات سائنس و ڈرائنگ وغیرہ کی فراہمی۔

(۴) مصنفین و مولفین اور مترجمین کی امداد یعنی ان کی قابل اشاعت تصنیفات و تالیفات و تراجم کو باخذ حق تصنیف شائع کرنا۔

(۵) ہر علم و فن کی شائع شدہ مطبوعات اردو کی فراہمی۔

(۶) اردو کے علاوہ دیگر زبانوں مثلاً انگریزی فارسی عربی تلنگی مرہٹی اور کرنٹی کی مفید کارآمد کتب کی فراہمی۔

مکتبہ کے تین شعبے ہیں

(۱) شعبہ تجارت (۲) شعبہ اشاعت (۳) شعبہ طباعت

(۱) شعبہ تجارت جسمیں مختلف علوم و فنون کی تمام اردو کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے ہر وقت اردو کی جدید مطبوعات ہندوستان میں شائع ہوا کرتی ہیں ان کو مہیا کرتا ہے نیز درسی کتابیں۔ آلات تعلیم۔ نقشہ جات۔ آلات سائنس بچوں اور عورتوں کے مذاق کی کتابیں۔ انعام و اکتساب خانوں کے قابل کتابیں اور اردو کے مشہور علمی و ادبی ماہوار رسائل اور اخبارات یہ سب چیزیں مکتبہ سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔

(۲) شعبہ اشاعت مختلف علوم و فنون کی کارآمد درسی و علاوہ درسی کتابیں شائع کر رہا ہے اسکی شائع کردہ درسی کتابیں محکمہ تعلیمات ملک سرکار عالی کے نصاب میں داخل ہیں اور اسکی علمی و ادبی کتابیں تمام ہندوستان میں خراج تحسین حاصل کر رہی ہیں کتابوں کے علاوہ ایک علمی و ادبی ماہوار رسالہ مجلہ مکتبہ بھی شائع ہوتا ہے

(۳۱) شعبۂ طباعت۔ اس شعبہ میں قسم قسم کی چھپائی بسیاہ و رنگین وغیرہ بکفایت اور نہایت صحت و نفاست کے ساتھ کیجاتی ہے جن اغراض و مقاصد کیلئے تحت قواعد انجمن ہذا کی امداد ہی سرکار عالی بکتبہ کی رجسٹری کرائی گئی ہے وہ ملک کیلئے نہایت مفید و منفعت بخش خدمت ہے جس سے ریاست ابد قرار کی تعلیم و ارد و علم و ادب کی اشاعت مضمر ہے۔

ہمیں علم دوست حضرات اور بہی خواہان ملک سے امید ہے کہ وہ اس علمی ادارہ میں جس سے علمی خدمت کے ساتھ ساتھ مالی منفعت بھی حاصل ہوتی ہے شریک ہو کر کارپردازان انجمن کی حوصلہ افزائی فرمائینگے۔

انجمن ہذا کی مجلس انتظامی حسب ذیل ارکان پر مشتمل ہے

مجلس میر ۔ نواب بہادر یار جنگ بہادر جاگیردار

نائب میر مجلس ۔ سید غلام محی الدین صاحب قادری زور۔ پی۔ ایچ۔ ڈی پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ۔

اراکین ۔ محمد عبدالقادر صدیقی۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔

" ۔ سید محمد صاحب ایم۔ اے لیکچرار کلیہ عثمانیہ بلدہ

" ۔ محمد کریم اللہ خاں صاحب۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی لکچرار کلیہ عثمانیہ بلدہ

" ۔ محمد خواجہ احمد صاحب۔ ایم۔ اے۔ مہتمم نمائش گاہ باغ عامہ۔

" ۔ نظیر حسین شریف صاحب ناظر مدارس بلدہ

" ۔ غلام رسول صاحب مدرس کلیہ عثمانیہ بلدہ۔

معتمد ۔ مظفر بیگ صاحب۔

اس انجمن کا عادی طور پر کام کرتے ہوئے یہ ساتواں سال ہے انجمن ہذا کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے حصہ داروں کو سالانہ ۴ فیصدی نفع تقسیم کرنے کے علاوہ ۲ فیصدی زکوٰۃ نکالتی رہی ہے اور اس کو مستحقین کی امداد مثلاً اعانت طلبا نادار و بیوگان و یتامیٰ و معذورین و مساکین و مسافرین وغیرہ میں صرف کرتی رہی ہے چنانچہ ابتدا سے اس وقت تک چھ سال میں تقریباً سوا تین ہزار روپے صرف ہو چکے ہیں۔

تقسیم زکوٰۃ کیلئے ایک علیحدہ مجلس ہے جس کے ارکان حسب ذیل ہیں:۔

(۱) حکیم بشیر احمد صاحب۔ (۲) قاضی محمد عبدالقادر صدیقی۔ ایم۔ اے پروفیسر دینیات کلیہ جامعہ عثمانیہ

(۳) سید رسول صاحب ظریفہ یاب منتظم دفتر نظامت تعلیمات (۴) مرزا آغا عبدالحسین صاحب ظریفہ یاب مہتمم تعلیمات

(۵) سید پیر محمد صاحب ظریفہ یاب صیغہ دار محکمہ مالگذاری (۶) مظفر بیگ صاحب معتمد

اسوقت تک مکتبہ ابراہیمیہ مندرجہ ذیل مصنفین و مؤلفین کی تصانیف و تالیفات طبع و شائع کرچکا ہے

ڈاکٹر سید غلام محی الدین صاحب قادری پی۔ ایچ ڈی۔ میر حسن الدین صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی غلام رسول صاحب محمد فاروق صاحب۔ بی۔ اے

۱	روح تنقید	۱۲ عہ	۱۷	مبادی فلسفہ	۱۳ ر	۳۰	نہایت الحساب جماعت صغیر	۶۴ عہ	۴۷	انعامی تقریریں	۴ ر
۲	تنقیدی مقالات	۴ ہے		نصیر الدین صاحب ہاشمی		۳۱	" " اول	۷ ر	۴۸	حمید اللہ صاحب۔ اے۔ ایل ایل بی	
۳	اردو کے اسالیب بیاں	۶ عہ	۱۸	دکن میں اردو	۷ ر	۳۲	" " دوم	۶ ر	۴۹	نیلگری	۵ ر
۴	سلطان محمود غزنوی کی بزم	۱۲ ر		احمد عارف صاحب		۳۳	" " سوم	۱۲ ر		عبد العزیز صاحب عزیز	
۵	اردو شہ پارے حصہ اول	۱۲ ہے	۱۹	حیاتِ بابر اردو	۷ ر	۳۴	" " چہارم	۱۲ ر	۵۰	منتظم الاخلاق	۱۲ ر
	محمد عبد القادر صاحب سروری۔ ایم۔ اے		۲۰	مقدمات عبد الحق حصہ اول	۷ ر	۳۵	جغرافیہ ریاست حیدرآباد	۱۲ ر	۵۱	خزینہ اخلاق	۶ ر
۶	دنیائے افسانہ	۶ عہ		" " دوم	۷ ر	۳۶	معلوماتی دینی حصہ اول	۲ر		محمد منیر الدین صاحب بی۔ اے	
۷	کردار اور افسانہ	۸ عہ	۲۱	سید غلام مصطفےٰ صاحب ذہین		۳۷	" " دوم	۴ ر	۵۲	مکمل ہندسہ عملی	۴ عہ
۸	قدیم افسانے	۸ عہ		سید فتاح احمد صاحب		۳۸	قاعدۂ فارسی	۶ ر	۵۳	حل پرچہ جات ریاضی	۴ عہ
۹	چینی و جاپانی افسانے	۹	۲۲	جواہر کلیات نظیر	۸ عہ	۳۹	دروس فارسی اول	۸ ر		غیاث الدین صاحب	
۱۰	انگریزی افسانے	۸ عہ	۲۳	قاموس الاغلاط	۷ ر	۴۰	" " دوم	۱۲ ر	۵۴	جغرافی نگر	۲ ر
۱۱	فرانسیسی افسانے	۱۲ ر	۲۴	پہیلیوں کا قاعدہ	۳ ر	۴۱	" " سوم	۱۴ ر		سید غلام مصطفےٰ صاحب ذہین	
	سید محمد صاحب۔ ایم۔ اے			سید احمد حسین صاحب شوکت بلگرامی		۴۲	" " چہارم	۱۶ عہ	۵۵	حدائق الاخلاق	۸ عہ
۱۲	ارباب نثر اردو	۶ ر	۲۵	مے و آتشہ	۴ عہ		سجاد مرزا صاحب ایم۔ اے پرنسپل ٹریننگ کالج		۵۶	سیرۃ مبارک	۲ ر
۱۳	گلشن گفتار	۱۲ ر		محمد ظہیر الدین صاحب بی۔ اے		۴۳	بچوں کا جغرافیہ برائے جماعت دوم	۴ ر	۵۷	سیرۃ خیر البشر	۱ ر
۱۴	مثنویات میر					۴۴	" " سوم	۶ ر	۵۸	نیک بی بی	۲ ر
	احمد عبد اللہ صاحب سبزواری۔ بی۔ اے۔ ایل ایل بی		۲۶	محمود کا دان	۸		سید علی رضا صاحب شیرازی مآثر		۵۹	چھوٹا شیطان	۱ ر
۱۵	اسوۂ حسنہ	۱۲ ر		محمد مجید الغفور صاحب عابدی			مظفر الدین صاحب مدرس				
	شیخ عبد المجید صاحب شوق بی۔ اے		۲۷	شاہد فیض الدین قندھاری	۵ ر	۴۵	مخزن القواعد	۱۲ ر	۶۰	طریقہ املا نویسی	۱ ر
۱۶	مبادی نفسیات	۸ عہ	۲۸	اوصیٰ نما الامام	۴		سید انور حسین صاحب بی۔ اے		۶۱	قواعد مضمون نویسی حصہ اول	۵ ر
	متفرقات		۲۹	عقائد الامام	۴ ر	۴۶	جغرافیہ مقابلہ و مطالعہ	۱۵ ر	۶۲	" " دوم	۶ ر
۶۷	تاریخ ہند	۷ ر		حکیم شمس اللہ صاحب قادری			نجی حسن صاحب شمیم			عبد الغفار صاحب فخر	
۶۸	اردو کے مرثیہ گو شعرا کا تذکرہ	۸ عہ	۶۶	آثار الکرام	۱۲ ص	۶۵	شعاع امید	۳ ر	۶۳	شرح دروس فارسی حصہ اول	۶ ر
۶۹	بالک پہاڑہ	۶ ہے							۶۴	شرح قاعدہ فارسی	۳ ر

قواعد و ضوابط

(۱) مکتبہ کا مجوزہ سرمایہ ایک لاکھ روپے کے حسب ذیل حصوں پر مشتمل ہے۔

(الف) پچاس ہزار روپیہ کے پانچسو حصص بحساب فی حصہ ایک سو (۱۰۰) روپیہ۔

(ب) پچاس ہزار روپیہ کے دو ہزار حصص بحساب فی حصہ پچیس (۲۵) روپیہ۔

حصص فروخت شدہ ۔ سرمایہ وصول شدہ ۔ (بدمحفوظ)

(۲) ہر حصہ کی قیمت حسب ذیل مساوی اقساط میں ادا کرنی ہوگی۔

درخواست کیساتھ فیس داخلہ فی حصہ اور پہلی قسط بحساب ۵ روپے فی حصہ اور درخواست شرکت منظور ہونیکی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دوسری قسط اور اس کے بعد ماہانہ اقساط اسوقت تک مسلسل ادا کرتے ہونگے جب تک کہ کامل رقم حصہ یا حصص ادا نہ ہو جائے۔

(۳) اگر کوئی حصہ دار اپنے حصہ یا حصص کی کل رقم یکمشت ادا کرنی چاہے تو ادا کر سکتا ہے تاریخ ادائی سے اس کو کامل رقم کا منافع ملیگا۔

معتمد مکتبہ ابراہیمیہ ادارہ باہمی محدود اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

مجلہ مکتبہ

یہ **دارالاشاعت** مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی محدود کا ماہوار رسالہ ہے یہ علمی و ادبی رسالہ ہے جس میں علم و ادب کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہونگے۔ حجم کم از کم چار جز ہوگا۔ بنظر احتیاط ہر پرچہ پر سرٹیفکیٹ آف پوسٹنگ روانہ کیا جائیگا۔ اگر اتفاقاً وصول نہ ہو تو ہر فصلی مہینے کی ۲۰ تاریخ تک بحوالہ نمبر خریداری اطلاع دی جائے۔

قیمت سالانہ للور مع محصول ڈاک مشکل چھ ۶ روپیہ کیلئے ۶ فی پرچہ ۱ اشتہارات کا نرخ فی اشاعت پورے صفحہ کیلئے ۵ نصف کیلئے ۳ اور چوتھائی کیلئے ۲ ہے اگر زیادہ مدت کیلئے اشتہار دیا جائے تو اس نرخ میں (۱۲½) فیصدی سے (۲۵) فیصدی تک کمی ہو سکے گی۔

ترسیل زر مضامین اور جملہ خط و کتابت منتظم مجلہ مکتبہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن سے کیجئے

باہتمام

محمد نظام الدین مددگار فیجر مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس

مطبوعہ مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس حیدرآباد دکن

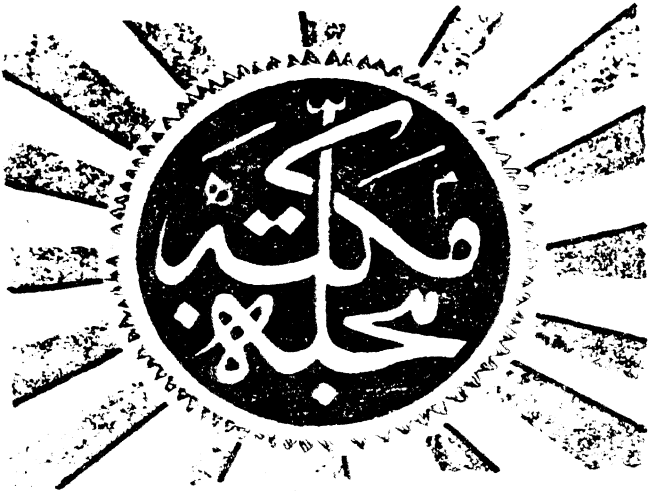
مکتبہ محبوبیہ

رجسٹرڈ پٹہ سرکار عالیہ
(۶۵)

عت
دار الاشاعت انجمن امداد باہمی مکتبہ برانہیمیہ حیدرآباد دکن

رجسٹرڈ نشان سرکار انگلشیہ۔
(.....)

ماہوار علمی و ادبی مجلہ

مکتبہ

مدیر۔ عبد القادر سروری ام اے۔ ال ال۔ بی

جلد (۱۰) : بابتہ امرداد ۱۳۴۲ف مطابق ماہ جون ۱۹۳۳ء : شمارہ (۳)

(۱)	شذرات	مدیر	(ب)
(۲)	ایشیا کا دورہ سفر کر رہا ہے	نواب بہادر یار جنگ بہادر	(۱)
(۳)	غزل	جناب سید عابد علی صاحب عابد ام اے ایل ایل۔ بی	(۱۵)
(۴)	موت کی فتح	میرزا مہدی علی صاحب کامل	(۱۶)
(۵)	کلکتہ ہندوستانی	جناب میر حسن صاحب میر مجلہ عثمانیہ	(۱۷)
(۶)	طباطبائی	مدیر	(۳۳)
(۷)	غزل	راز چاندپوری	(۴۰)
(۸)	تخمیس بر غزل غالب	مفتوں اجمیری	(۴۱)
(۹)	دل بیتاب	شہاب صاحب حیدرآبادی	(۴۲)
(۱۰)	نیند کیوں رات بھر نہیں آتی	راز قاسمی صاحب	(۴۴)
(۱۱)	افسانہ نگار کی غلطی	نقش عالمی صاحب	(۴۹)
(۱۲)	اے نازنیں	مصطفےٰ علی صاحب گرامی	(۵۲)
(۱۳)	دل کی پیاس	شاہد صاحب صدیقی اکبرآبادی	(۵۳)
(۱۴)	رموز خاموشی	اختر حسن صاحب اختر	(۵۴)
(۱۵)	غزل	مولانا امی حیدرآبادی	(۵۸)
(۱۶)	تنقیدیں	شید احمد صاحب مفتوں اجمیری	

شذرات

اس مہینے کے رسالہ میں اردو کے قابل قدر ادیب، شاعر اور عالم مرحوم علامہ سید علی حیدر المخاطب بہ نواب حیدر یار جنگ بہادر طباطبائی کی تصویر شائع ہو رہی ہے۔ راقم الحروف کا ایک مضمون بھی ہے جس میں علامہ کی حیات اور کارناموں پر اجمالی روشنی ڈالی گئی ہے علامہ طباطبائی کے حالات سب سے پہلے حیدر آباد کے مایہ ناز شاعر اور علامہ طباطبائی کے شاگرد مولانا سید غلام مصطفےٰ نوین مرحوم نے "ذخیرہ" میں شائع کئے تھے۔ مولانا شرر مرحوم کو بھی علامہ سے تلمذ تھا آپ نے نوین صاحب کے واقعات میں بہت کچھ اضافہ کر کے ایک مضمون رسالہ "دلگداز" میں شائع کیا تھا لیکن شرر کے مضمون کو شائع ہوئے بھی قرن گذر گیا۔

جدید اردو شاعری کی تدوین کے وقت علامہ مرحوم سے میں نے اپنے حالات عنایت فرمانے کی درخواست کی تھی، مولانا کے پاس نہ تو نوین کے لکھے ہوئے سوانح موجود تھے اور نہ شرر کے نگاشتہ اور ان کا خود لکھنا مولانا کے لئے بہت مشکل کام تھا اس لئے مولانا حالات بیان فرماتے گئے اور میں قلمبند کرتا گیا۔ اسی دوران میں مولانا کو خود اپنے واقعات قلمبند کرنے کا خیال پیدا ہوا چنانچہ فروری ۱۹۳۳ء کے زمانہ میں یہ حالات شائع ہوئے لیکن ان تمام حالات کو یکجا کرنیکے بعد بھی بہت سے حالات اور واقعات قابل کفتنی باقی رہ جاتے ہیں۔ توقع ہے کہ آئندہ موقع پر علامہ مرحوم کی ایک مکمل اور مفید سوانح عمری شائع کیجا سکیگی۔

ہندوستان کے نحیف الجثہ مگر آہنی قلب انسان گاندھی جی نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا یعنی آپ نے اپنا اکیس روز کا کٹھن برت پورا کر لیا۔ اب رہا یہ سوال کہ جس مقصد کے حصول کے لئے یہ برت رکھا گیا تھا وہ پورا بھی ہوا یا نہیں اس کا جواب مستقبل دیگا لیکن اتنا تو ہم بھی کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ

مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

ایشیا کدھر سفر کر رہا ہے

عنوان بالا پر ملک کے نامور رئیس اور حیدرآباد کے سب سے بڑے سماجی خدمت گذار نواب بہادر یار جنگ بہادر، صدر انجمن امداد باہمی مکتبہ ابراہیمیہ نے عربک کالج دہلی میں ۱۴ مارچ ۱۹۳۳ء کو تقریر فرمائی تھی جلسہ کا انتظام حضرت خواجہ حسن نظامی نے کیا تھا پوسٹر میں عنوان لکھا تھا "دہلی میں نیا ابن بطوطہ" جس سے نواب صاحب کی سیاحت دوستی کی طرف اشارہ ہے جلسہ کے صدر سر محمد یعقوب ممبر لیجس لیٹو اسمبلی تھے۔

تقریر ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے ہوئی جو دہلی کے سربرآوردہ لوگوں پر مشتمل تھا۔ تقریر ہندو مسلمان سب میں اسقدر مقبول ہوئی کہ مسٹر جمن لال رپورٹر ہندوستان ٹائمز نے اسکی پچاس ہزار کاپیوں کی طباعت کیلئے اپنی طرف سے انتظام کرنے کی خواہش ظاہر کی ایسی پر مغز اور تجربہ پر مبنی تقریریں بہت کم ہوتی ہیں۔ ہم "مکتبہ" کے قارئین کرام کیلئے اس کو یہاں پیش کر رہے ہیں امید ہے کہ بہت دلچسپی سے پڑھی جائیگی اس میں ترکوں کے متعلق بعض غلط نشریوں (PROPAGONDA) کا ازالہ کیا گیا ہے

"مکتبہ"

ساری تعریف اس خدائے واحد و لاشریک کو سزاوار ہے جس نے اپنی خلاقیت کے صدقے میں انسان ضعیف کو قوت ایجاد و اختراع عطا فرمائی سریع السیر سواریوں کے

ذریعہ زمین کی طنابیں کھینچ دے اور چند ماہ کی قلیل مدت میں ربع مسکون کا چپہ چپہ چھان دے۔

واجب الاحترام صدر اور معزز حاضرین۔ بیسویں صدی عیسوی میں جب کہ مطبع اور لاسلکی کی قوتوں نے مشرق و مغرب کے ڈانڈے ملا دئے ہیں اور پلک جھپکاتے ہزاروں کوس دور کے واقعات کو معلوم کرلینا ممکن کردیا ہے۔ کسی ایسے سیاح سے جس نے ڈیڑھ سال قبل دنیا کے بعض حصوں کو دیکھا تھا یہ توقع کرنا کہ وہ نئی بات آپ کے سامنے پیش کرسکیگا۔ میرے خیال میں امید موہوم سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا زمانہ کی رفتار قرن بستم میں برق و نظر کی رفتار سے بھی زیادہ تیز ہوگئی ہے۔ میرے دیکھے ہوئے ممالک کو ہی لیجئے کتنے ایسے ہونگے جن میں اس ڈیڑھ سال کے عرصہ میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں ایسی تبدیلیاں واقع ہوچکی ہونگی جن کے بعد پرانے حالات کو دہرانا آپ کا وقت ضائع کرنا ہے اور نہ میں اس وعدہ کی جرأت کرسکتا ہوں کہ کوئی نئی چیز آپ کی خدمت میں پیش کرسکونگا۔ لیکن حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے (جو زمانہ کی نبض کو آپ سے اور مجھ سے زیادہ بہتر جانتے اور پہچانتے ہیں) ایک ایسا عنوان میرے لئے منتخب فرمایا ہے جس کا تعلق واقعات سے زیادہ ان کے نتائج اور میرے تاثرات و احساسات سے ہے اس لئے جو کچھ دیکھا اور ان کے ذریعہ جو کچھ سمجھا اس کو بامتثال امر حاضر خدمت کررہا ہوں۔

میں نہیں جانتا کہ روس چین جاپان اور جزائر شرق الہند کے شامل نہ ہونیکے باوجود میرے تاثرات کو کس طرح سارے ایشیا سے متعلق کیا جاسکتا ہے اگر خواجہ صاحب نے بجائے "ایشیا" کے "بلاد اسلامیہ" کہا ہوتا تو زیادہ مناسب ہوتا لیکن بیسویں صدی کے ربع اول میں مشرق کے جس حصہ نے تنزل و ارتقار کے میدان میں ایشیا کی نمایندگی کی وہ یہی ممالک اسلامیہ تھے اس لئے ان کے انقلابات و نتائج حالات سے اگر ایشیا کی عام حالت پر تبصرہ کیا جائے تو کسی طرح نامناسب نہیں ہوسکتا۔

میری سیاحت کا تعلق بالکلیہ بیسویں صدی عیسوی سے ہے لیکن حال کا صحیح تصور نہیں قائم کیا جاسکتا جب تک ماضی کی مٹی ہوئی تصویر پر سرسری ہی سہی ایک نظر نہ ڈال لیجائے آپس کے جنگ و جدل

اور اندورنی کشمکش و اضطراب کے باوجود جو تاریخ کے کامیاب سے کامیاب دور میں بھی پایا جاتا ہے مشرق کا آفتاب عظمت و جلال اٹھارہویں صدی عیسوی کے اواخر تک تابندگی کے ساتھ بلند رہا اور یہی وہ دور تنزل ہے جب کہ صدیوں کی مسلسل و کامیاب حکومت نے مشرقی سلاطین و رعایا دونوں کو عیش پرستی و آرام طلبی کا شکار بنا دیا تھا۔ ایک طرف قوت فیصلہ اپنے سلب ہو گئی۔ دوسری طرف اعضاء کی کہولت و راحت طلبی نے ان کو رزم سے زیادہ بزم طرب کا شیدائی بنا دیا۔ تدبر و فراست ہمیشہ انہی اقوام کا سرمایہ رہے ہیں جن میں طلب حیات کی سرگرمی موجود رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں اکبر و عالمگیر ایران میں عباس و اسمٰعیل صفوی اور روم میں سلیمان و سلیم کے جانشین شاہ شطرنج اور شیر قالین بن کر رہ گئے اور یہی وہ دور ہے جب کہ مغرب کے تاجروں نے بازاروں سے گذر کر مشرق کے درباروں میں قدم رکھا۔

ہندوستان جس کو جد مشرق کا قلب کہا جا سکتا ہے دوسروں کے استقبال کے لئے تیار تھا۔ طوائف الملوکی اور آپس کی کشمکش نے امکانات کو زیادہ قوی کیا اور یہ پہلی اور زبردست کامیابی تھی جو مشرق پر مغرب نے حاصل کی۔ دنیا کا ایک انسان بھی ہاتھ آئی ہوئی نعمت خداداد سے آسانی کیساتھ دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ مغرب نے بھی یہی کیا کہ ہندوستان پر اپنے قبضہ کو مستحکم و مضبوط بنانے کے کسی موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا یوں تو مشرق کی بدبختی اپنی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے ہر وقت کچھ نہ کچھ سامان مغرب کی کامیابی کے لئے فراہم کرتی رہی لیکن اس کی تکمیل جنگ عظیم کے نتائج نے کر دی کیا آپ یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ سنگاپور، جزائر شرق الہند اور عدن کا تسلط اسی ہندوستان کی خاطر تھا اب عراق و فلسطین اور مصر کا انتداب اسی ہندوستان کے لئے خلیج فارس اور بحر قلزم کا راستہ صاف کرنیکی خاطر ہے۔

ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ افغانستان، روس و انگلستان کی چکی میں دانہ بنا ہوا تھا ایران میں جنوب سے بڑھنے والی فوجیں کرمان و مشہد تک اور شمال سے اترنے والی جمعیتیں ہمدان و قزوین تک پہونچ چکی تھیں۔ روم کا مرد بیمار دم واپسیں لے رہا تھا اور

وحدت عربیہ کا شرمندۂ خواب ناآشنائے تعبیر ہو چکا تھا۔

مجھے ان گذشتہ الفاظ کے ذریعہ صرف ایشیا کے انقلابات ماضیہ کی طرف اشارہ کرنا تھا اب حال سے متعلق سنئے۔ جنگ عظیم جہاں ایشیا پر یورپ کے تسلط کی آخری کڑی تھی وہیں ایشیا کے بخت خفتہ کی بیداری کا الارم اور اس کے قفل مجس کے لئے ضربت شمشیر ثابت ہوئی۔

سوتے ہوئے ایشیا نے انگڑائی لی مرتے ہوئے بیمار نے آنکھ کھولی اور جذبہ حریت خودداری حیات تازہ کی طرح چین سے ایشیائے کوچک تک اور سائبیریا کے برف پوش میدانوں سے اس کماری تک جسے ایشیا میں سرایت کر گیا ایک ہی غلغلۂ بیداری تھا جو مصر میں زاغلول پاشا کی، شام میں امیر شکیب ارسلان کی، ترکیہ میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی، روس میں لینن کی، اور ایران میں رضا خان پہلوی کی زبان سے بلند ہوا یہی آواز غازی امان اللہ کی زبان سے نکلکر فضائے افغانستان پر گونجنے لگی۔ اس کی صدائے بازگشت چین سے سنی گئی اور اسی جذبۂ جان نواز کو، تلک و گاندھی نے ہندو ستانیوں کے قلب میں پیدا کرنیکی کوشش کی۔ حیات و زندگی کی اس سعی میں وہ قومیں کامیاب ہوگئیں جو قومیت متحدہ رکھتی تھیں اور جن میں نفاق و شقاق نے انتشار و پراگندگی نہ پیدا کی تھی۔ جتنی قومیں یا جو ممالک ایشیا اس وقت محروم استقلال و حریت ہیں ان کی ناکامی کے یوں تو بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں مثلاً قابضین کی قوت و طاقت خود ان کی عدم صلاحیت۔ مواقع کی عدم موجودگی وغیرہ لیکن ایک سب سے اہم اور قابل غور سبب جس کو ان کے اسباب ناکامی کا قدر مشترک کہا جا سکتا ہے وہ ان کا آپس کا تفرق و انشقاق ہے۔ ہندوستان کی خانہ جنگی آپ کے سامنے ہے مصر میں وفدیوں اور شعیوں کو متصادم ہوتا ہوا آپ نے سن ہی لیا ہے عراق میں سنی و شیعہ کی تفریق کو وہم و اندیشہ نہ سمجھئے اور فلسطین کو دیکھئے کہ اگر وہاں کوئی آپس میں لڑنے والا نہ تھا تو اب یہود اپنی وطنیت کی جذبہ کے تحت وہاں اس کا سامان پیدا کر رہے ہیں لیکن کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ حالات آپ کو مایوس کر دیں۔ جنگ عظیم کی جھڑتی اور برستی ہوئی آگ نے ایشیا کے سوکھے جنگلوں میں احساس و بیداری

کی جو چنگاری پھینکی ہے وہ بجھنے نہیں گئی آہستہ آہستہ سلگ رہی ہے اور ایک روز سارے مشرق کو گرما کر رہیگی۔

حضرات! اب تک آپ نے جو کچھ سنا وہ ایشیا کا سیاسی سفر تھا آپ نے اس سے اندازہ کیا ہوگا کہ اس کی منزل سیاست معین ہے اور وہ مضبوط قدموں کے ساتھ اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ لیکن کیا آپ کسی قوم یا ملک کی ترقی کے لئے صرف سیاسی ترقی یا سیاسی ہلچل کو کافی تصور فرماتے ہیں میرے خیال میں تو اس زمانہ علم و عمل میں سیاسی ترقی بھی منحصر ہے۔ دماغی اور اقتصادی ترقی پر اب غور کیجئے کہ ایشیا کا علمی و اقتصادی سفر کس حد تک اطمینان بخش ہے۔ ان میں سے ہر ایک عنوان ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے اور ایک مستقل صحبت چاہتا ہے کہ اس پر گفتگو کی جائے فی الحال ایک سرسری نظر اس پر ڈالی جائیگی۔

مشرق کی تاریخ شاہد ہے کہ وہ ہمیشہ سے علم و حکمت کا گہوارہ رہا ہے چند روز کے لئے اس کی کاہلی اور آرام طلبی نے اس کو سست اور مغرب کی بیداری و جوش عمل نے اوس کو زیادہ تیز قدم کر دیا تھا۔ اب ایشیا علم کی طرف توجہ کر رہا ہے اور نہ صرف اپنی کھوئی ہوئی دولت سے بلکہ دوسروں کی جمع کی ہوئی سے بھی اپنے جیب و دامن بھر نیکی فکر میں ہے۔ جہاں وہ دوسروں کے کرم کا محتاج ہے وہاں وہی سیکھنے اور معلوم کرنے پر مجبور ہے جو اس کے آقا اس کو سکھادیں اور بتادیں لیکن جہاں اس کی مرضی اس کے افعال پر قادر ہے وہاں اس نے اپنی قومی ضروریات کے مطابق اپنے نصاب مرتب کر لئے ہیں۔ جاپان و روس کی کیوں پوچھتے ہو۔ کہہ سکتے ہو کہ انہوں نے اپنی نقطہ نظر سی منزل کو پالیا ہے ترکیہ کو جس کا نصاب تعلیم نہایت مکمل اور قومی ضروریات پر مبنی ہے اور جس کی کوشش فوجی قوت کے استحکام سے کہیں زیادہ ملک میں علم و حکمت پھیلانے پر صرف ہوتی ہے۔

اس زندہ قوم کی وقت پسند طبیعت نے عین اس زمانہ میں جب کہ اس کو دشمنوں سے لڑنا دوستوں سے معاہدات کرنا گھر کو سنبھالنا اور باہر کی نگرانی کرنا تھا عربی رسم الخط کو ترک کر کے اور لاطینی رسم الخط اختیار کر کے اپنے لئے ایک نئے کام کا اضافہ کر لیا۔ اب ہر قسم کی نصابی کتابیں

لاطینی رسم الخط اور ترکی زبان میں تیار کرلیگئی ہیں تعلیم عام اور جبری ہے۔ مخالف اسلام و مخالف ترک پروپگنڈا کرنیوالے مشن اسکولوں پر سخت نگرانی قائم کردی گئی ہے۔ جبری اور بجری تعلیم کے مدارس پر خاص توجہ دیجارہی ہے۔ ایران گو کوئی مستقل یونیورسٹی اپنے پاس نہیں رکھتا اور اب تک دو مشن یونیورسٹیاں امریکہ اور انگلستان سے آکر اس کے فرزندوں کی تربیت کررہی تھیں لیکن اس کی وزارت معارف اپنے ملک کے لئے خود نصاب مرتب کرتی اور اپنی نگرانی میں اشاعت تعلیم کی کوشش کررہی ہے۔ تقریباً دو سو طلبا ہر سال ایران سے یورپ جاتے اور جدید انکشافات علمی اپنے ساتھ اپنے بھائیوں کے لئے لاتے ہیں جب میں دارالسلطنت میں تھا تو خود اعلیحضرت رضا شاہ تبریز تشریف لے گئے تھے کہ اپنے نوعمر و جوان بخت ولیعہد کو دوسرے ایرانی طلبار کے ساتھ تعلیم کے لئے یورپ روانہ کریں اور اپنی رعایا کے لئے نمونہ پیدا کریں۔

افغانستان ایک مفلس اور غریب ملک ہے پھر بھی غازی امان اللہ خاں کی مساعی نے کابل میں خاصہ علمی ذوق پیدا کردیا۔ صرف مدرسہ حبیبیہ انگریزی زبان میں تعلیم دیا کرتا تھا۔ عہد امانی میں دو نئے دارالعلوم مکتب امانی اور مکتب امانیہ قائم ہوگئے جو المانی اور فرنساوی زبان میں تعلیم دیتے ہیں۔ یہاں کے کامیاب طلبار کی تکمیل تعلیم کے لئے ایک طرف جرمنی اور ہالینڈ اور دوسری طرف فرانس اور سوئٹزرلینڈ سے افغانستان نے خاص معاہدے کئے ہیں۔ غازی امان اللہ خاں کا عاشق ملت دل چاہتا تھا کہ کم سے کم مدت میں اپنی قوم کو پوری طرح زیور علم سے آراستہ کردے انکی اسی کوشش نے افغانستان میں قبل از وقت تعلیم کو جبری کیا۔ اچھے اساتذہ کی فراہمی دشوار بلکہ ناممکن تھی مجبوراً لڑکے انہی ملاؤں کے سپرد کئے گئے جن کو امان اللہ خاں ملک کی ترقی کا مانع تصور کرتے تھے۔ افغانستان کے گذشتہ انقلابات کی ایک بڑی وجہ میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ قوم کی پوری ذہنی تربیت کئے بغیر ملاؤں کے ساتھ بدسلوکی نے مدارس افغانستان کو مرکز بغاوت بنادیا تھا یہ ایک نہایت تفصیل طلب موضوع ہے جس کی یہاں گنجایش نہیں ہے۔ گذشتہ انقلاب نے افغانستان کی علمی ترقی کو بہت نقصان پہونچایا۔ کتب خانے تلف کردئے گئے لیا بوریٹوز معامل سائنس،

برباد کردیگئیں۔ اور مدرسہ اجاڑ دئے گئے۔ اور یہ صرف اس ذہنیت کے تحت ہوا کہ جو شیں بھرے ہوئے افغانوں کے نزدیک یہی مرکز الحاد و زندقہ تھے۔ الحمد اللہ کہ اب پھر افغانستان علمی ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔ اعلیحضرت نادر شاہ کی ہر قسم کی مساعی ارتقا کو میں کہہ سکتا ہوں کہ انہی بنیادوں پر قائم ہیں جو غازی امان اللہ خاں نے رکھی تھیں لیکن رفتار عاقبت اندیشانہ اور مطابق حالات ملک اختیار کی جارہی ہے۔

الغرض ایشیا کی علمی بیداری میں شبہ نہیں لیکن مغربی علوم نے ایشیا پر کیا اثر کیا؟ اور ایشیا نے کس حد تک خذ ما صفا ودع ما کدر کی حکمت عملی اختیار کی اس کو کچھ دیر بعد عرض کروں گا۔

اقتصادیات ہندوستان پر مغرب کے تسلط کے قبل ہی یورپ نے اپنے تجارتی و صنعتی جال تمام ایشیا پر پھینکنے شروع کر دئے تھے اور یہی وہ سب سے زبردست حملہ تھا جس کو ایشیا برداشت نہ کر سکا۔ اس کی خام پیداوار تھوڑے ہی دنوں بعد اپنی شکل بدل کر اس کے خزانوں پر ڈاکہ ڈالتی تھی اس کا معیار زندگی یورپ کے موجودہ تمدن کی تقلید میں دن بدن بلند تر ہو رہا تھا۔ اپنی معمولی سے معمولی ضرورت کی تکمیل کیلئے وہ مغرب کا دست نگر بنتا جارہا تھا۔ جہاں مغرب کو تسلط حاصل ہوگیا تھا وہاں اس نے اپنی حکومت و طاقت سے کام لیکر مشرق کی صنعت کو فنا اور اپنی صنعت و تجارت کو ترقی دینے کی کوشش کی۔ اور جہاں اس کی حکومت نہیں تھی وہاں خود اس کے مال کی نفاست و پاکیزگی آرام دہی اور آسایش بخشی اہل ایشیا کے قلوب کو اپنی صنعت سے متنفر اور اس کی مصنوعات کا شیدائی بنا رہی تھی۔ الغرض ایشیا کے سیاسی مصائب کی طرح اس کے اقتصادی مصائب کی انتہا بھی جنگ عظیم پر ہوئی۔ اب ایشیا کے جیب خالی ہو چکے تھے اس کی تجوریوں کا روپیہ مغرب کے بنکوں کی زینت بن رہا تھا اس لئے اس میں اتنی طاقت تو تھی نہیں کہ یورپ کی صنعت کے مقابلہ میں اپنی صنعت کو پیش کرتا اور مارکٹ میں اس کے مال کے سامنے اپنا مال رکھکر اپنے آپ کو بڑھانے کی کوشش کرتا۔ روس اور

جاپان جن کے پاس اتنی قوت تھی آج آپ ان کی طاقت کا اندازہ کر رہے ہیں کہ ایک ساری دنیا کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر کے صرف اپنے آپ کو درست کرنے اور آئندہ انقلاب کے لئے تیار ہونیکی فکر میں ہے۔ اور دوسرے کی سیاسی طاقت کا راز جس نے حال میں مجلس الاقوام کی تجاویز کو ٹھکرا دیا صرف اس کی اقتصادی ترقی میں پنہاں ہے۔

جنگ عظیم نے سیاسی بیداری کی طرح ایشیا میں اقتصادی بیداری بھی پیدا کی۔ اور ایشیا کے مدبر سوچنے لگے کہ وہ پھر کس طرح یورپ کے اقتصادی طوفان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اس وقت ان کو وہی تدبیر سوجھی جو فطرت ہر مجبور انسان کو وقت پر سجھا دیا کرتی ہے۔ یعنی اپنی چیز کو خواہ وہ خراب ہی کیوں نہ ہو دوسرے کی چیز پر ترجیح دینا اور اس پر قانع ہونیکی کوشش کرنا وہ بجائے اس کے کہ اپنی تہی دامن کے باوجود یورپ کی صنعتی ترقی کا مقابلہ کرتے۔ انہوں نے اپنی قوم کی ذہنیت کو بدل کر اپنی چیز کو پسند کرنے اور حتی الامکان دوسروں کی مصنوعات کو ترک کرنے کا جذبہ اس کے دل میں پیدا کرنیکی کوشش کی۔ ہندوستان کو اس تحریک کی ابتدا کا فخر حاصل ہے۔ لیکن دوسرے ممالک نے اس کے اس مجرب نسخہ کو اپنے امراض معاشی کے علاج کیلئے فوراً منتخب کر لیا۔ مصر میں مجھ سے مصطفےٰ نحاس پاشا جانشین زاغلول مرحوم نے فرمایا کہ ہندوستان کی تمام سیاسی تحریکات میں وہ سودیشی کی تحریک کو سب سے زیادہ پسند کرتے ہیں اور اس تحریک نے ان کے دل میں گاندھی جی کی عظمت بڑھا دی ہے۔ چنانچہ اس وقت ان کے جسم پر جس قدر لباس ہیں دیکھ رہا ہوں وہ سب مصر کے تیار کئے ہوئے پارچہ کا ہے شام میں پارچہ بافی اور خصوصاً ریشمی کپڑے کی صنعت روز بروز ترقی کر رہی ہے اور مصنوعات وطنیہ کی طرف شامیوں کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔ ترکیہ نے ہر قسم کے کارخانے اپنے ملک میں جاری کر رکھے ہیں اور حتی الامکان کوشش کر رہا ہے کہ غیر ملکی مصنوعات سے چھٹکارا حاصل کرے مجھے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی تھی کہ غازی مصطفےٰ کمال پاشا کو مصنوعات ملکی کی ترقی کا بہت خیال ہے۔ عراق اور فلسطین اپنی بساط کے موافق اس عظیم الشان تحریک سے غافل نہیں ہیں۔ ایران نے مصنوعات غیر ملکیہ پر ٹیکس محصول اتنی بڑھا دی ہے کہ

اہل ایران مصنوعات ملکی کی طرف خود بخود مائل ہو رہے ہیں میں حکومت ایران کی اس کوشش کو قدر سے جلد بازی تصور کرتا تھا کیونکہ میرے خیال میں قالین بافی کی صنعت کے سوا ایران میں دوسری صنعتیں ابھی اس قابل نہیں ہوئی ہیں کہ ملک کی حسب ضرورت سربراہی کر سکیں لیکن مجھے وزیر خارجہ اور وزیر مالیہ ایران نے اطمینان دلایا کہ ایران بہت جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہونیکے قابل ہو جائیگا۔ افغانستان کو میں نے ہمیشہ ایک غریب ملک سے تعبیر کیا ہے اس لئے غیر ملکی مصنوعات کی طرف میلان اس کے لئے سب سے زیادہ تباہی کا سبب تھا۔ میں نے ہرات میں اعلیحضرت نادر شاہ غازی کا یہ فرمان دیکھا کر عساکر اسلامیہ افغانیہ کا صیفی و شتائی (گرمی و سردی کے موسم کا) لباس ملک کا کتا اور بنا ہوا ہونا چاہئے خواہ وہ کتنا ہی بھدا اور غیر ملکی پارچہ کے مقابلے میں کتنا ہی بدنما کیوں نہ ہو۔ میں نے اس فرمان کے نتائج جشن نجات وطن کے موقع پر کابل میں دیکھے کہ عساکر افغانیہ جن کی تعداد ایک لاکھ سے کم نہیں ہے۔ ملکی لباس میں ملبوس تھیں اس طرح افغانستان نے نہ صرف اپنی ایک بہت بڑی دولت کو محفوظ کر لیا بلکہ مغرب کے اقتصادی تفوق پر ایک کاری ضرب لگائی عوام ہی نے نہیں خواص بلکہ سلاطین تک نے وقت کی اس اہم ترین ضرورت کو محسوس فرمالیا ہے۔ اعلیحضرت سلطان دکن خلد اللہ ملکہ کا وہ ارشاد گہربار کس کو یاد نہیں جو حیدرآباد میں کالج انڈسٹریل انسٹیٹیوٹ کا افتتاح فرماتے ہوئے شرف صدور لایا تھا کہ اعلیحضرت اور تمام ارکان خانوادۂ عالیہ آصفی گولکنڈہ صابن استعمال فرماتے ہیں اور توقع ظاہر فرمائی تھی کہ اہل ملک بھی مصنوعات ملک کی ترقی کی طرف توجہ کریں گے۔

الغرض اگر احساس کی بیداری اقوام کی ترقی کا پہلا زینہ ہے اور اس سے ان کے مستقبل کی درخشانی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ تو مجھے اجازت دیجئے کہ آپ کو ایشیا کی بیداری کا مژدہ سناؤں اور اس کی ترقیوں کی توقع دلاؤں جو واقعات اس کے سامنے بہت ہیں۔ سرمایہ کی کمی۔ مسلسل غلامی اور افلاس کی وجہ سے اخلاقی جرأت اور طاقت کا فقدان قوائے عملی کا اضمحلال اور سب سے بڑھ کر قوت و طاقت رکھنے والے مغرب کا مقابلہ مگر میں مایوس نہیں ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ جلدی نہیں دیر سے سہی ایشیا اپنی منزل ارتقاء و عروج کو حاصل کر کے رہیگا۔

معزز حاضرین! اس وقت تک آپ نے جو کچھ سنا وہ آپ کے لئے خوش کن اور مسرت بخش تھا اب میں چند خطروں اور اندیشوں کو بھی جو ایشیا کے مستقبل سے متعلق مجھے پیدا ہو گئے ہیں آپ کے سامنے رکھنے کی جرأت کرتا ہوں گذشتہ دو صدی میں یورپ نے ایشیا پر توپ و تفنگ اور تیغ و خنجر کے ذریعہ جس قدر حملے کئے وہ اتنے مہلک نہیں ثابت ہوئے تھے جتنا اس کے زبان و قلم سے پہونچائے ہوئے زخموں نے ایشیا کو نقصان پہونچایا۔ مغرب کے مدبر صرف شہروں پہاڑوں، دریاؤں اور خطوں پر اپنے قبضہ کو اتنا اہم نہیں سمجھتے تھے جتنا آپ کے قلب و دماغ پر تصرف انکے نزدیک اہم تھا چنانچہ مختلف ذرائع سے ایشیا کے قلوب اور دماغ پر قبضہ کیا گیا۔ اور آج انکے مہلک نتائج کچھ تو ظاہر ہو چکے ہیں اور دیکھنے والی آنکھیں زیادہ کی توقع کر رہی ہیں تبدیل ذہنیت کی اس شر انگیز کوشش کا سب سے پہلا شکار فطرتاً وہ ممالک ہوئے جو یورپ سے زیادہ قریب تھے اور اب آہستہ آہستہ وہ ممالک بھی جو دور ہیں اس کوشش سے متاثر ہوتے جا رہے ہیں۔ مشرق قریب میں جو جراثیم ایشیائی دماغوں میں چھوڑے گئے وہ تین قسم کے تھے۔

(الف) یہ تخیل کہ مذہب مانع ترقی ہے۔

(ب) وحدت اسلامیہ کے بجائے قومیت پرستی کا تخیل اور اس کے ذریعہ آپس میں تفریق پیدا کرنا

(ج) گراں خرچ مغربی تمدن و معاشرت و بلند تر معیار زندگی کو مفلس و غریب ایشیا کے کندھوں پر لادنا۔

مذہب مانع ترقی نہیں ہے

ابتدائے آفرینش سے آج تک روحانیت اور مذہب پرستی ایشیا کی خصوصیت رہی ہیں اس کا ایک حصہ مغرب نے بھی اپنے ابتدائی دور میں حاصل کیا تھا لیکن عیسائیت کی بگڑی ہوئی اور مسخ شدہ صورت اس کو کبھی مطمئن نہ کر سکی وہ موجودہ عیسائیت میں اس دنیا کی زندگی کے لئے کوئی سامان نہ پاتا تو اس کو وحشت ہونے لگتی اور وہ سوچنے لگتا کہ کیا فی الحقیقت کوئی شخص مذہبی رہ کر اس دنیا میں ترقی بھی کر سکتا ہے جب اسکے سامنے یہ تعلیم پیش کیجاتی کہ کوئی تمہارے گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی پیش کر دو تو وہ غور کرتا کہ کیا یہی اصول دربار سیاست میں استعمال کیا جا سکتا ہے اور ایک صوبہ کے چھیننے والے کی خدمت میں دوسرا صوبہ بھی نذر کر کے اس دنیا میں زندہ رہنا ممکن ہے؟ جب

اس نے موجودہ اناجیل اربعہ اور نغمہ ہائے زبور ہی کو نہیں بلکہ توریت جیسی مفصل کتاب کو بھی جو اس وقت اس کے ہاتھ میں ہے۔ عالم بعد الموت ہی کیلئے مخصوص پایا۔ اور عالم ناسوت کیلئے اس میں کوئی مکمل ضابطہ اس کو نہ ملا تو اس کے مدبر دنیا کے دوسرے مکمل الہامی ضوابط پر نظر ڈالے بغیر یہ سمجھنے لگے کہ مذہب مانع ترقی ہے اگر آپ بھی انکی جگہ اور ان کے ماحول میں ہوتے تو شاید یہی کرتے۔ ایک طرف انکے مشنریز سارے ایشیا میں لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ بکھیر کر تبلیغ عیسائیت میں مشغول تھے جو ایشیائی قلوب کو مغرب کی طرف مائل کرنیوالی ایک سیاسی تدبیر سے زیادہ کچھ نہ تھا اور دوسری طرف یورپ کی درسگاہوں میں مشرقی طلباء کے دماغ لامذہبیت کی مشین میں ڈھالے جارہے تھے اور یورپ کو اس کے تجربہ نے جو سکھایا تھا وہی اپنے مذہب اور اس کی تعلیمات سے ناواقف مشرقیوں کو سکھایا جارہا تھا مسلمان اس تبلیغ سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ نام نہاد ضروریات زمانہ نے بہت پہلے ہی ان کو اپنی مذہبی تعلیم سے لاپروا کردیا تھا۔ اور جب وہ یورپ جاتے تو ان کو قطعاً علم نہ ہوتا تھا کہ اُن کے اپنے مذہب نے ان کو کیا تعلیم دی ہے اور آیا موجودہ عیسائیت کی طرح وہ بھی مانع ترقی ہے یا مؤید ارتقاء وہ نہیں جانتے تھے کہ خدائے عزوجل نے قرآن میں متعدد جگہ کیا ارشاد فرمایا ہے۔

کیا تم نے دیکھا کہ خدا نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لئے بنایا اور تمہارے بس میں دیدیا۔

الم تر ان اللہ سخر لکم ما فی الارض (حج)

ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا (بقرہ) اسی نے تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے بنایا۔

یہ تو موجودات ارضی کا ذکر تھا سنئے اور غور کیجئے۔

وسخر لکم اللیل والنھار والشمس والقمر اور تمہارے لئے دن اور رات اور چاند اور سورج کو کام میں لگایا

مسلمانوں نے بھلادیا کہ انکو اشرف المخلوقات ہی نہیں بلکہ اس دنیا کے بسنے والے سارے انسانوں کے لئے نمونہ اور مثال بنا کر پیدا کیا گیا ہے۔ کائنات ارضی ہی کی مخلوقات نہیں بلکہ ان کو بشارت دی گئی ہے کہ کائنات سماوی کی مخلوقات اور خود آسمان ان کے لئے پیدا ہوئے ہیں اُن کو یہ جاننے کا موقع ہی نہ ملا کہ فی الحقیقت وہی خلیفۃ اللہ فی الارض ہیں۔ انہوں نے بھلادیا کہ القد کرمنا بنی آدم کی تفسیر وہی ہیں۔ انہوں نے بھاپ اور بجلی کی کرشمہ سازیوں کو تعجب کی نگاہ سے دیکھا۔ حالانکہ ان کو سکھایا گیا تھا کہ مخلوقات عالم پر قبضہ و تصرف ان کی ادنیٰ صفت ہے اور اعلیٰ کوشش اس سے گذر کر خالق مخلوقات کو اپنا کرلینا ہے۔ ؎

دردستِ جنوں من چیریل زبون صیدے　　یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

ان کے سامنے قرآن حکیم آنیوالی ہی نہیں بلکہ اس دنیا کے لئے ایک مکمل نظام وقانون پیش کر رہا تھا لیکن ان کی نگاہ کو اس کے لئے بند تھی انکے روبرو قرن اول اسلامیہ کی تاریخ مسلمان کی حقیقی تعریف پیش کر رہی تھی۔ اور پکار رہی تھی کہ مذہب ہی تو وہ طاقت تھی جس نے "شیر شتر" و سوسمار کھانیوالے عربوں کو باعث رشک قیصر وکسریٰ بنا دیا تھا وہ بھول گئے کہ یہی دیوانگانِ مذہب تو تھے جنہوں نے چھ سو سال تک ہسپانیہ پر آٹھ سو برس تک ہندوستان پر اور تیرہ سو سال تک بلاد اسلامیہ عرب وعجم پر کامیاب حکمرانی کی۔ ان کو یاد نہیں رہا کہ خود یورپ کے مدبروں نے قانون اسلامی کو رومن لا سے زیادہ مستحکم ومظبوط مانا ہے۔ شراب مغرب کے نشہ میں وہ فراموش کر گئے کہ ان کا مذہب دنیا کی ہر تحقیقات جدید اور ہر ترقی کو اپنی منزل مقصود کے لئے ابتدائی قدم بتاتا ہے۔ اور یورپ کا جادو ان پر چل گیا ہے۔ لامذہبیت کے اس طوفان میں جو تمام مذاہب عالم کو یکساں متاثر کر رہا ہے یہ خیر الامم ہی چلی جا رہی ہے۔ اور اپنی منزل سے بے خبر ہے یہ وہ عظیم الشان خطرہ ہے جس نے مشرق قریب کے بلاد اسلامیہ کو گھیر لیا۔ اور اب ہندوستان کی طرف سرعت سے بڑھ رہا ہے۔ علمائے دین اپنی حالتوں میں مست اور اس خطرے سے بے خبر ہیں اور نوجوان اپنی عظمت مغرب سے چوندھیائی ہوئی آنکھوں سے دیکھکر اس شر کو اپنے لئے خیر سمجھ رہے ہیں۔ وقت ہے کہ ہم بیدار ہو جائیں اپنے دین کا قرآن مجید کی روشنی میں مطالعہ کریں اور سوچیں کہ کیا فی الحقیقت ہمارا دین بھی مانع ترقی ہے اگر نہیں ہے بلکہ مؤید ارتقا تو یورپ کو ستا دیں کہ تیرا نظریہ اپنے دین کے پیش نظر درست لیکن اسلام کی موجودگی میں غلط ہے۔ اگر تذکیہ نفس اور سیاست مدن کو ساتھ ساتھ رکھنا چاہتا ہے تو آ۔ دامن اسلام میں پناہ گیر ہو پھر دیکھ کہ مذہب ہی نے سامانِ ترقی پیدا کئے تھے اور اب بھی کر سکتا ہے۔

قومیت اسلامیت اور قومیت متحدہ

ہندوستان کو قومیت متحدہ کی ضرورت ہے لیکن وہاں مذہب کے نام پر ایک دوسرے سے دست وگریباں ہونیوالی ذہنیت ترقی کر رہی ہے۔ یہاں کے مسلمانوں کو میں یہ مشورہ دے سکتا ہوں کہ بیرون ہند کی مسلمان جماعت سے رشتہ اخوت برقرار رکھتے ہوئے ہندوستان کا ان پر حق ہے کہ یہاں کی دوسری اقوام کے ساتھ شیر وشکر ہو جائیں اور ایک

قومیت متحدہ "ہندوستانی" کے نام سے پیدا کریں لیکن مشرق قریب میں جہاں اس کی ضرورت ہی نہیں تھی ان کو صرف ایک ہی تخیل درکار تھا اور وہ اسلامیت کا تخیل ہو سکتا تھا۔ "انما المومنون اخوۃ" کی صدائے پر محبت یورپ کے کانوں میں ہمیشہ صور اسرافیل بنکر پہونچی اور اس نے ہر زمانہ میں یہ محسوس کیا کہ جب تک یہ یقین موجود ہے مشرق پر اس کی کامیابی محال ہے یہی وجہ ہے کہ جہاں اس کی درسگاہوں اور اس کے مشنریز کے ذریعہ مشرق قریب کے فرزندوں کو مذہب کے مانع ترقی ہونیکا درس ملا۔ وہیں عرب کے دل میں عربیت اور کردی قلب میں کردیت کا خیال پیدا کیا گیا۔ ترکوں کو سکھایا گیا کہ تم پہلے ترک ہو پھر مسلمان۔ یہ کیا معنی کہ سیاست میں تو ان پر حکمرانی کرو اور تمدن و معاشرت میں غلامی۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ شریف حسین کی رابطۂ اسلامیہ کی بجائے اتحاد عربیہ کی ناپاک کوشش نے سلطنت اسلامیہ کو پارہ پارہ کر دیا۔ جس پاسپورٹ پر آج سے دس سال قبل صرف ترکی قونصل کا ویزا، حجاز، فلسطین، مصر و شام اور عراق و ترکیہ کی سیاحت کے لئے کافی ہوتا تھا۔ آج انہی ممالک کے داخلہ کیلئے میرے پاسپورٹ پر (۶) ویزا موجود ہیں تعجب یہ ہے کہ اس قدر تباہی کے بعد بھی یہ ذہنیت برابر ترقی کر رہی ہے اور اسلامیت متحدہ کی وہ بنیادیں جو تیرہ سو سال قبل رکھی گئیں تھیں متزلزل ہو رہی ہیں اور پارہ پارہ ہو جانیوالی طاقتیں یورپ کے لئے سامان تسلط فراہم کر رہی ہیں میرے نزدیک پہلے بھی مسلمانوں کی ترقی کا راز اجتماعیت اسلامیہ میں تھا اور آج بھی ہے۔ ولو کانوا یعقلون۔

تقلید کو ائمۂ مغرب

جنگ عظیم کے ہنگامۂ رست و خیز نے جب ایشیا کو اپنی گران خوابی سے بیدار کیا تو اس برسوں کے سوئے ہوئے نے آنکھوں کو ملے بغیر اس سمت میں نظر ڈالی جدھر سے یہ مہیب آوازیں آ رہی تھیں اور پردۂ آتش و دخان کو چاک کر کے جب یورپ کو دیکھا تو عجیب عالم عظمت و جلال نظر آیا جس چیز پر نظر پڑ جاتی تھی کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است۔ اس صدیوں کے پابہ زنجیر غلام نے اپنے آقا کے گھر کی یہ رونق دیکھی تو تمدن و تہذیب مغرب کی ترقی کے ان نتائج کو سبب ارتقاء سمجھا اور حقیقی اسباب سے قطع نظر کر کے خود بھی ظاہر میں وہی بننے کی کوشش کی جو یورپ سالہا سال کے بعد بن سکا ہے۔ اپنی جیب کے وزن کا اندازہ کئے بغیر معیار زندگی کو بلند کرنے لگا اپنی موافق حالات و سادہ معاشرت اس کو ذلیل نظر آنے لگی اور اس کی ماتحاج کیلئے بھی ناکافی

آمدنی کا بیشتر حصہ اپنے گھروں کی سجاوٹ اپنے مکان کی آرائش اور اپنے جسم کی زینت پر صرف ہونے لگا اس کے عمل کی قوتیں اسباب ترقی کو تلاش کرنے اور حاصل کرنیکی بجائے نتائج ارتقار تہذیب کو حاصل کرنے میں صرف ہونے لگیں۔ اس کے دو بُرے نتائج مترتب ہوئے ایک یہ کہ دوسروں کی تقلید کرتے ہوئے مشرق اپنی چھوٹی سی چھوٹی ضرورت کے لئے انہی کا محتاج ہوگیا دوسرے آمدنی کی کمی اور اخراجات کی زیادتی نے اس کو بے انتہا مالی مشکلات کا شکار بنا دیا۔ آج وہ بظاہر مہذب ممالک مغربیہ کی سی زندگی بسر کر رہا ہے لیکن کیا ہم اس سے پوچھیں کہ اس کا دل مطمئن بھی ہے مجھے اپنی اس سیاحت کے تجربہ کی بنا پر یہ کہنے کی اجازت دیجئے۔ کہ مشرق کے فیصدی پچانوے مغرب پرست فرزندوں کو میں نے قرض کی زنجیر میں گرفتار پایا۔

یہ امر مسلمات سے ہے کہ ہر تخریب اپنے بعد ایک تعمیر کی بنیاد ہوتی ہے اور ہر خرابی ایک تجربہ ناخوشگوار کے بعد سامان بیداری فراہم کر دیتی ہے لیکن بعض بیمار ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی نقاہت و ناتوانی کسی مزید اضافہ مرض کو برداشت نہیں کر سکتی ایشیا ایک ایسا ہی بیمار ہے اس لئے یہ کہہ دینا کہ وقت خود بخود علاج کر لیگا میرے خیال میں صحیح نہیں ہے ضرورت ہے کہ ایشیائی اقوام اس خطرے کو محسوس کریں اور جلد سے جلد آمد و خرچ میں توازن قائم کرنے اور تقلید مغرب میں "خذ ما صفا ودع ما کدر" کی تعمیل پر آمادہ ہو جائیں۔

حضرات! میں نے آپکا بہت وقت لیا ہے اور نہیں جانتا کہ ایک بھی ایسی بات پیش کی ہو جو آپکی معلومات میں اضافہ کرے بہرحال خوش ہوں کہ میں نے ایک محترم کرمفرما کے حکم کی تعمیل کی اور ہندوستان کے قدیم ترین دارالسلطنت میں اپنے احساسات و تاثرات سیاحت کو پیش کرنیکا موقع حاصل کیا جب میں یہ سوچتا ہوں کہ میری دکھنی زبان نے اردو کی اس ٹکسال میں کیسی بدکیفی پیدا کی ہوگی تو افسوس ہوتا ہے کہ میں نے آپ کا وقت خراب کیا واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

دارالاشاعت مکتبہ ابراہیمیہ کی تازہ اشاعت

صوت غزل

(مجموعہ کلام نظم طباطبائی۔ قیمت (عہ) ملاحظہ فرمائیے۔

غزل

از

جناب سید عابد علی صاحب عابدؔ ام۔اے ال ال۔بی

بادہ و مطرب و نگار کے رنگ　　آہ اس دور نو بہار کے رنگ
نہ رہا وہ زمان بادہ کشی۔　　نہ رہے تلخی خمار کے رنگ
نوجوانی سے تیری پیدا ہیں　　سرخوشی ہائے بے شمار کے رنگ
دیدنی ہے فریب کاری عشق　　دیدنی ہیں فراق یار کے رنگ
اف تیرا حسن آتشیں شیوہ　　جس سے پیدا ہیں نو رونما کے رنگ
میری مایوسیوں میں چھپ سکے　　کشمکش ہائے انتظار کے رنگ
آہ وہ مستی شباب کا لطف　　آہ وہ سیر جوئے بار کے رنگ
کچھ عجب شے ہے ان کا جور نہاں　　جس میں ہیں لطف آشکار کے رنگ
تیری آنکھوں سے ہو چلے ہیں عیاں　　بادۂ تیز و خوش گوار کے رنگ

وہ جو تجھ سے خفا ہیں اے عابدؔ
ہیں یہی اختتام کار کے رنگ

موت کی فتح

از میرزا ہد علی صاحب کامل

جب میں مرجاؤں تو میرے لئے اس سے زیادہ سوگ نہ منانا
جتنی دیر اُس منحوس گھنٹہ کی آواز تم سنو گی
جو دنیا کو سُنا دے گا کہ میں نکل چکا
اس بُری دنیا سے، دوسرے اور بُرے کیڑے مکوڑوں میں رہنے کے لئے۔

نہیں، اگر تم یہ سطریں پڑھو، تو یاد نہ کرنا
اُس ہاتھ کو جس نے یہ نظم لکھی، کیونکہ میں تم سے ایسی محبت کرتا ہوں
کہ تمہاری پیاری یاد میں فراموش ہو جانا مجھے اچھا معلوم ہوگا
اگر میرے خیال سے تمہیں اُس وقت کوئی رنج پہنچے۔

ہاں! سنو تو، اگر تم اس نظم کو دیکھو
اُس وقت جب میں شاید خاک میں خاک ہو جاؤں
تو مجھ بیکس کے نام تک کو دہرانے کی تکلیف نہ کرنا
بلکہ اپنی محبت کو بھی میری زندگی کے ساتھ فنا کر دینا۔

کہیں ایسا نہ ہو، عقلمند دنیا تمہارے ماتم کو سُن پائے
اور میرے مرنے کے بعد میرے ساتھ تمہاری بھی ہنسی اُڑے۔

(شکسپیر کے سانیٹ Triumph of death کا ترجمہ)

کلکتہ ہندوستانی

ایک مخلوط بولی کی تحقیق

(مترجمہ)

جناب میر حسن صاحب، مدیر مجلہ عثمانیہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

فی زمانہ بنگال کے ایک متمول گھرانہ میں آدھی درجن سے زیادہ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ بازاری ہندوستانی ان سب میں مشترکہ زبان کا کام دیتی ہے۔ غالباً گھر کا مالک معیاری کلکتہ بنگالی بولیگا۔ اُس کا منتظم اور منشی بنگالی، گھر کی خادمہ کا تعلق بالعموم مدناپور یا بنکورا جیسے بنگال کے اضلاع سے ہوگا۔ ملازمین بھی بالعموم بنگال کے نہ ہوں گے۔ اگر وہ بنگالی ہوں تو اُن کا تعلق مدناپور یا بنکورا سے ہوگا۔ ورنہ وہ بہاری یا اوریا ہونگے۔ مالی اوریا ہوگا۔ مویشی کی نگہداشت کرنے والے (اگر گائے وغیرہ ہو) اوریا یا بہاری ہونگے۔ باورچی مغربی بنگال کا باشندہ یا اوریا برہمن یا ستپھل برہمن ہوگا۔ سائیس بہار یا ممالک متحدہ کی نیچ ذات کا ہندو ہوگا۔ گاڑی بان مشرقی ہندی بولنے والا مسلمان ہوگا۔ اور اگر موٹر ہو تو شوفر بنگالی ہندو یا سکھ ہوگا۔ گھر کا خدمت گار اور نگہبان عام طور سے بھوج پور کا برہمن یا سکھ اور بعض اوقات گورکھا ہوگا۔ یہ تمام کے تمام (سوائے خاص بنگالیوں، اور اوریوں کے، آپس میں گفتگو کرتے وقت بازاری ہندوستانی بولینگے۔ بہار کے اضلاع کے وسطی اقطاع کا وارد دہقانی ملازم یا سائیس کچھ عرصہ

تک اپنی مادری بولی بولیگا۔ لیکن اس کی زبان نہیں سمجھ سکینگے۔ اُس کو بہت جلد عام زبان سیکھنی پڑیگی صورت حال ہندوستان قدیم سے ملتی جلتی نظر آتی ہے جیسا کہ ہم سنسکرت ڈراموں سے اندازہ کر سکتے ہیں۔

کلکتہ کے بدیسی باشندوں کے لئے بازاری ہندوستانی سیکھنی ضروری ہے۔ جس کو وہ باضابطہ درس و تدریس کے بغیر سیکھ لیتے ہیں۔ فٹ بال، گھوڑ دوڑ، یا ٹرام اور لاری میں بنگالیوں، گجراتیوں، سکھوں، افغانیوں چینیوں، تاملوں، ایرکنوں، بغدادی یہودیوں اور انیگلو انڈینوں کو یکجا ہونے کا موقع ملتا ہے۔ بازاری، ہندوستانی ہی ایسی زبان ہے۔ جس کو وہ سب کے سب بات چیت دلگی مذاق، اور آپسی بحث و تکرار میں استعمال کرتے ہیں۔ اُن میں سے کوئی دہلی تک کے دلی کا باشندہ بھی، قواعد اور صحت زبان کا خیال نہیں رکھتا۔ ہندوستانی، اور بالخصوص بازاری ہندوستانی جمہور ہند کی زبان ہے۔ یہ ہر اُس جگہ مستعمل ہے جہاں ہندوستان سے کچھ بھی تعلق رکھنے والے لوگ آباد ہیں۔ پنیانگ میں ایک جہاز پر مجھے ایک کیانٹونی اور ایک شانگہائی والے چینی کے درمیان مترجم کے فرائض انجام دینے کا اتفاق ہوا۔ اول الذکر انگریزی جانتا تھا، اور ثانی الذکر معمولی ہندوستانی بول سکتا تھا۔

ہندوستان سے باہر جب کبھی مجھے کسی ہندوستانی سے ملنے کا اتفاق ہوا تو میرے سوال "کیا بھائی ہندوستانی ہو؟" کا جواب (اگر جواب دینے والا شمالی ہند کا باشندہ ہوا) تو ہمیشہ ہندوستانی میں ملا۔ بعض اوقات جنوبی ہند والے بھی ہندوستانی میں جواب دیتے ہیں۔ لیکن بالعموم جنوبی ہند یا لنکا کے باشندے جن میں اور ہندوستانیوں میں امتیاز کرنا مشکل ہے۔ اس زبان کے بول نہ سکنے کا عذر پیش کرتے ہیں۔

جب کوئی زبان فی الحقیقت عوام کی بازاری زبان ہو جو فطرتاً جمہوری ہوتی ہے، اور کوئی اعلیٰ ادب کی مدعی نہیں اور جو تقریباً دو صدیوں تک اسی طرح مروج رہی، ایسی زبان سے تلفظ، طرز ادا، لغات، اور محاورات میں بالکل باقاعدگی یا معیار کی امید نہیں کی جا سکتی۔ کلکتہ کی بازاری ہندوستانی کا نشو و نما زیادہ تر بنگالی عنصر زمین پر ہوا ہے۔ بعض اوقات اُسکی حیثیت بنگالی اور ہندوستانی کی درمیانی زبان کی سی ہوتی تھی۔ اولاً وہ مشرقی ممالک مخدہ، اور بہار کے جمہور کی (جس کی اکثریت غیر تعلیم یافتہ ہے۔) بے قاعدہ زبان ہے۔ جس پر مشرقی ہندی اور بہاری کا اثر نمایاں ہے۔ بنگال میں بنگالی زبان کی لغات اور محاوروں کے اثر سے

اس کی ہیئت اور بھی بدل گئی ہے۔ اُس کی ہیئت اور لغات میں مشرقی ہندی اور بہاری کی خصوصیات پائے جاتے ہیں۔ بنگالی کا اثر زیادہ تر لغات پر مرتب ہوا ہے۔

بازاری ہندوستانی، مخلوط زبان ہونے کی وجہ سے بلحاظ نوعیت معیاری زبان سے مختلف ہے بنگالی، انگریز، اور یا، اور تاملین۔ ہر ایک اپنی مادری زبان یا بولی اور بازاری ہندوستانی پر اپنے حدِ عبور کے لحاظ سے اِس مخلوط زبان کو اپنے خاص رنگ میں رنگ لیتا ہے لیکن ایک رشتۂ اتصال جو بولتے وقت اِن سب کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کر دیتا ہے، ایک اساسی اصول جو سب میں مشترک ہے، جس کی وجہ سے زبان عام فہم ہو جاتی ہے اور جو اس کے منتہی اصولوں کو زبان کے اساسی مقصد سے باز رکھے روکتا ہے ــــ "قواعد، اصطلاحی لغات، اور روزمرہ کے محاورات، اور طرز ادا کی کم سے کم پابندی ہے"۔

اِس امر کا اعتراف ضروری ہے کہ صحیح اور بامحاورہ ہندوستانی کا اکتساب کوئی آسان کام نہیں قواعد کی پیچیدگیوں، لغات کی گوناگونیوں، اور محاورات کے انبار ضخیم کی وجہ سے، یہ زبان بہت زیادہ مشکل ہو گئی ہے۔ فارسی سے زیادہ مشکل ہو گئی ہے (مجتمع سادگی ہے) گذشتہ زمانہ میں بنگال کے تعلیم یافتہ مسلم خاندانوں میں تبادلہ خیالات کے لئے فارسی استعمال کی جاتی تھی نہ کہ اردو جس شخص کی مادری زبان اردو نہ ہو وہ بہت کچھ تفکر اور محنت کے بعد ہی اہل زبان کی تشفی کے موافق بولنے کا دعوے کر سکتا ہے۔ چنانچہ ایک اردو شاعر کہتا ہے ؎

بعضوں کا گماں یہ ہے کہ ہم اہل زبان ہیں
دلی ہی نہیں دیکھی زباں داں یہ کہاں ہیں؟

ایک دوجنسی زبان جس کا طریقہ تصریف دقیق ہو جس کے لغات کے استعمال کا طریقہ بے ڈول ہو (عربی اور فارسی الفاظ اور طرز بیاں کے قطع نظر جن کی وجہ سے اُس کی اردو شکل میں مزید پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں) اُس کے استعمال میں چند مشکلات کا وجود لازمی ہے۔ وہ نہ صرف اصولاً بلکہ حقیقتاً ہندوستان جیسے وسیع ملک کی لیے جمہوری زمانہ میں قومی زبان (راشٹر بھاشا) ہے۔ آسانیوں کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ ہندوستانی میں (جو کہ عوام یا جمہور کی پسندیدہ اور مقبول زبان کا کام دے رہی ہے) حسب ضرورت

ترسیم ہوتی رہنی ضروری ہے۔ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے حکمراں وسطی علاقوں سے زیادہ، اس زبان میں، اپنی ضرورت اور استعداد کے لحاظ سے، حذف و اضافہ کرنے میں ہاتھ بٹائینگے۔ ہندوستان کی قومی زبان کا اعزاز حاصل کرنے کیلئے ہندوستانی کو اپنی اکثر مخصوص اور صوبجاتی خصوصیات کی قربانی کرنی پڑیگی، جن سے دور افتادہ انقطاع کے باشندے ناآشنا رہتے ہیں۔ اُس کو ایک حد تک بازاری زبان کی اتباع کرنی پڑیگی۔ ایسے افراد کی تعداد جن کی مادری اور واحد زبان یہی بازاری ہندوستانی ہے (کلکتہ کی تنگ و تاریک گلیوں کے باشندوں، سن کی گرنیوں کے مزدوروں، ریلوے کے ملازمین، اور جزائر انڈمان کی تعزیری آبادی، اور اُن ہندوستانیوں کی تعداد میں جنہوں نے ترک وطن کرکے فجی میں سکونت اختیار کی ہے روز افزوں اضافہ ہوتا جارہا ہے) آرمینی یا یہودی جو کلکتہ میں سکونت پذیر ہوجاتے ہیں۔ دوسری یا تیسری پشت کے بعد بازاری ہندوستانی ہی بولنے لگتے ہیں۔ مشرقی ہندی یا بہار کے رہنے والے بعض مسلمان مزدور پیشہ (جنہوں نے کلکتہ میں سکونت اختیار کی ہے۔) کی مادری زبان رفتہ رفتہ ہندوستانی ہوگئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ شمالی ہند کے ہندو مسلمان، جب اپنی اصلی زبان کو ترک کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں تو بازاری ہندوستانی بولنے لگتے ہیں۔ کلکتہ کے بنگالی مسلمانوں نے اسی طرح ماحول کے اثر سے بنگالی کو خیرباد کہا، اور بازاری ہندوستانی بولنے لگے۔ یہ لوگ ORE MOHE OF LEGS - DERICE ME) اپنے وطنی ماحول اور سوسائٹی سے علیحدگی اختیار کرکے شہر میں ایک ایسے ادنے اور روز افزوں طبقہ کی بنیاد قائم کررہے ہیں، جو تہذیب اور تمدن سے ناآشنا ہے۔

یہ بجا طور سے کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستانی کا مشرقی معیار سیدھا سادا ہے۔ اُس میں فعل لازمی کے صیغہ ماضی میں، مجہول اور غیر ذی روح کا لحاظ (جو مغربی ہندی کی امتیازی خصوصیت ہے) بالکل نہیں رکھا جاتا اس کے علاوہ مزید آسانیاں بھی ہیں۔ اگرچہ اس قسم کی زبان کا معرض تحریر میں آنا اعلیٰ ہندی اور اردو کے خلاف بدعت ہوگی، تاہم ممالک متحدہ کے مشرقی حصوں، اور بہار کی تعلیم یافتہ جماعتوں میں یہی زبان عام طور سے لکھی جاتی ہے۔ ہندوستانی کا مشرقی معیار اپنے اندر ایک خاص قسم کا زور اور دلکشی رکھتا ہے۔ اور مغربی ہندی کے قواعد کی پیچیدگیوں سے مبرا ہونے کی وجہ سے ایک قسم کی سادگی پیدا ہوجاتی ہے، جو زوریاں اور لطافت زبان میں چار چاند لگادیتی ہے۔ تاحال اس میں کوئی سنجیدہ ادب پیدا نہیں ہوا۔ اگرچہ بعض مکالمے، نظمیں اور کہانیاں

لکھی جا چکی ہیں زبانو نکا فرق ہندوستانیں ہمیشہ سے محسوس ہوتا رہا ہے۔ اسٹیج کی ابتدا ہی سے ہندوستانی ڈراموں میں اس اختلاف سے فائدہ اُٹھایا گیا ہے۔ فی زمانہ بہت سے بنگالی ڈرامے ایسے ملتے ہیں جن میں کلکتہ کی معیاری بول چال کی زبان (رادھا یا مغربی بنگالی) مشرقی بنگال کی زبان (کلکتہ اسٹیج مشرقی بنگالی) نامی ایک زبان وجود میں آئی ہے، جو ڈھاکہ کی زبان کی تقلید کی کوشش کا نتیجہ ہے، اور یا ہندوستانی اور بنگالی کا آمیزہ ہے۔ یہ ایک قسم کی اسٹیج کی زبان ہے جس میں بہت سارے معصومانہ خصوصیات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جو بالعموم ڈراموں میں غیر معمولی وحشی فرقوں کی زبان کے طور پر اُن کے کردار کو نہایت ہی سادہ اور بے ریا پیش کرنے کیلئے استعمال کیجاتی ہے۔ یہ لوگ چوپانی زندگی بسر کرتے ہیں اور اپنی معصومیت کی وجہ سے ہندی اور بنگالی ملا کر بولتے ہیں۔ بہاری ہندی اور بنگالی کا آمیزہ (جو چھوٹا ناگپور کے نیم متمدن جاروب کش اور مزدور استعمال کرتے ہیں) اسٹیج کی زبان کی بنیاد ہے۔ جو ہندوستانی استعمال کی جاتی ہے وہ صرف بازاری قسم کی ہوتی ہے کیونکہ بالعموم بنگالی ڈرامہ نویس اعلےٰ قسم کی زبان سے نابلد رہتے ہیں۔ بعض بنگالی مزاحیوں میں نظمیں، اور بعض اوقات سارے مناظر اسی زبان میں، یا بنگالی اور ہندوستانی کی پر تصنع آمیزش سے لکھے جاتے ہیں۔ اس قسم کے مناظر بنگالی اسٹیج کی دو سب سے مشہور شخصیتوں یعنے گریش چندر اگھوش اور امرت لعل بوس کے کارناموں میں کثرت سے موجود ہیں اِن ڈرامہ نویسوں کے طبع شدہ تصانیف کے منظروں اور پاروں سے اِس زبان کی بہترین مثالیں ملتی ہیں اس طریقہ کار کو جدید بنگالی ڈراموں نے بقولِ عام یاترا ڈراموں سے حاصل کیا۔ اِن میں بالعموم سرآغاز اور اختتام مزاحیہ ہوا کرتا ہے۔ انہیں بنگالی میں سیام (سانگ) اور ہندوستانی میں سوانگ کہتے ہیں۔ مزاحیہ مناظر بھی ہوا کرتے ہیں، جن میں بعض کردار ہندوستانی بولتے ہیں۔ اس طرح ایک عام منظر مثلاً قدیم یاترا ڈرامہ کا پراستاوانا جو رامائن، مہابھارت، یا پرانوں سے ماخوذ ہوتا، کالوایا بھولوا نامی شاہی مہتر یا جھاڑودار کے کردار پیش کرتا ہے، جو شاہی عہدہ داروں سے نہایت حاضر جوابی سے کام لیتے ہیں۔ ناچ اور گانا ہوتا ہے، گفتگو ہندوستانی اور بنگالی میں ہوتی ہے۔ گذشتہ زمانہ میں شہر کلکتہ میں ایک سالانہ میلا ہوا کرتا تھا، جس کو سام (سوانگ) بھی کہتے تھے، اور جس کی تنظیم شہر کے قدیم اور اہم فرقے (بنگالی کٹری جماعت، یا پیتل اور گھنٹی کی دہات بیچنے والے لون) کے ذمہ تھی۔ یہ تقریب کچھ سال تک متروک رہی، لیکن تقریباً آج سے بارہ سال قبل

ایک دوسری ہندی جماعت جالیاس (مچھیل ہارے اور مچھلی فروش) نے اس میں دوبارہ جان ڈال دی۔
یہ میلا بنگالی سال کے آخری دن ہوتا ہے۔ بہت بڑا جلوس نکلتا ہے جس میں جالیا فرقے کے بنگالی خاص قسم کے ملبوس پہنے ہوئے یا تو پیدل چلتے ہیں یا آراستہ و پیراستہ موٹر لاریوں یا بنڈیوں میں سوار ہو کر، کوئی ڈرامہ یا منظر پیش کرتے ہوئے راستوں پر سے گذرتے ہیں۔ یہ لوگ موسیقی، اداکاری، اور نظموں کے ذریعہ سال بھر کے واقعات اور کلکتہ کی پیشہ ورانہ سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے عیوب کو پیش کر کے مضحکہ اڑاتے ہیں۔ اس موقع پر سب کے سب (جن میں شمالی ہند کے موچی، مارواڑی تاجر، کابلی ساہو، اور شمالی ہند کے دھوبی) بھی شامل ہوتے ہیں، بے تکلف بازاری ہندوستانی بولتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی کتابیں جن میں گیت اور مناظر درج ہوتے ہیں، بنگالی رسم الخط میں چھپتی ہیں۔ یہ ہندوستانی گیت، اس بولی کے مخصوص نمونہ پیش کرتے ہیں۔ کہیں کہیں تجارتی اشتہارات اور اسباب کی فہرستیں بازاری ہندوستانی میں لکھی ہوئی نظر آتی ہے لیکن اُن کا رسم الخط دیوانگری ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا قسم، اس زبان کی تحقیق کے لئے مطبوعہ مواد کا کام دیتی ہے۔ عدالتوں کی شہادتیں اور گواہوں وغیرہ پر جرح بالعموم بازاری ہندوستانی میں ہوتی ہے۔ بھوج پوری بولنے والے محرر کے تحریر کردہ رپورٹ اور کارنامے (جو سوائے دیوانگری اور کیتھی لکھنے کے اور کسی علمی قابلیت کا دعوے نہیں کر سکتا) اگر حاصل ہو سکیں تو اس زبان کے بہترین نمونے پیش کر سکتے ہیں۔

میں نے خاص طور سے محسوس کیا کہ ہندوستان کے وسطی حصوں کے اردو بولنے والے (مثلاً دہلی کے تاجر) اگر کچھ عرصہ تک کلکتہ میں سکونت اختیار کرتے ہیں تو اپنی معیاری زبان نہیں بولتے۔ سوائے اپنے ہم وطنوں کے دوسروں سے گفتگو کرتے وقت بازاری ہندوستانی بولتے ہیں۔ اسی طرح انگریز بھی چینیوں، بحر جنوبی کے جزائر کے باشندوں، اور افریقہ کے حبشیوں سے (اگر وہ شدید مقامی مخلوط انگریزی بولنے کے اہل ہوں) مخلوط انگریزی میں گفتگو کرتے ہیں۔ پنجابی، راجستانی، گجراتی، اور سندھی بولنے والے جن کی زبان کے لحاظ سے فعل کی مجہول اور بے جان ترکیب مغربی ہندی کی طرح ہے۔ اس معاملہ میں بہت بے اعتنائی سے کام لیتے ہیں۔ اور کلکتہ کی بازاری ہندوستانی بولتے وقت مشرقی معیار کی آسانیوں کو پیش نظر نہیں رکھتے۔

ایک ادبی روایات رکھنے والی مقبول عام اور زندہ زبان (جو کئی لاکھ نفوس کی گھریلو زبان ہی) ہونے کی حیثیت سے بازاری ہندوستانی بے انتہا تنوع پیش کرتی ہے (دہلی کے مولوی کی معیاری اردو دہلی کے پنڈت کی اعلیٰ معیاری ہندی متھرا کے پجاری (پانڈا) کی مخلوط ہندوستانی اور برج بھاکا، کلکتہ کے پولیس کے ملازم یا بنارس کے دوکان دار کی مخلوط ہندوستانی اور بھوج پوری سے لے کر بنگالی منشی کی بنگالی ہندوستانی تک) تمام خصوصیات کو ذہن میں رکھنے سے کلکتہ ہندوستانی کے اساسی اصول کی نسبت صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے بالآخر پروفیسر چٹرجی نے کلکتہ ہندوستانی کے بعض نمونے پیش کئے ہیں جن کو یہاں درج کیا جاتا ہے۔ کٹلر کی قواعد ہندوستانی سے اٹھارویں صدی کے اوائل کی بازاری ہندوستانی کے کچھ نمونے ملاحظہ ہوں (دی لنگوا ہندوستانی کا، صفحہ ۴۸۵ اور ۴۸۸)

(الف)

تم کوئی بت اور اُس سے برابر مت بناؤ، جیوں آسماں میں اوپر ہے، اور نیچے جمیں میں ہے، اور زمین میں تلے ہے، اور پانی میں جمین میں نیچے ہے۔ تم اپنے کا آگے عزت مت دیجو، اور انہیں خدمت مت کرو۔ واسطے میں صاحب تمہارا اللہ ہے، وایہ گناہ گنے باپ کا، اُس سے بیٹا کون تیرے اور چوتھے کبیلہ، وے گنے کرتے اور دلاسا کر ہزار سے وے جو ہم پیار کرتے، اور میرا فرمائش رکھتے۔

(ب)

ہمارے باپ، کہ وہ آسماں میں ہے، پاک ہوئے تیرے نام۔ آوے ہم کو تک تیرا، ہووے راج تیرا جیوں آسماں توں زمیں میں۔ روٹی ہمارے نہ تھی، ہم کو آج دے، اور ماف (معاف) کر تکسیر (تقصیر) اپنے ہم کو جوں ماف کرتے اپنے کرض (قرض) داروں کو۔ نہ دال ہم کو اس آزمایش میں بلکی (بلکہ) ہم کو خلاص کر اس برے سے۔ تیرا ہے پاتشاہی، زور آوری، عالم گیری، کیا ہے (قیامت) ہیں۔

اٹھارویں صدی کے اواخر کی بازاری ہندوستانی کا نمونہ۔

عربی حکایت (حقیقت) ہندوستانی بات میں

بادشاہ کا بیٹی اور تین سلطان، جو اُسی کا پیار کے واسطے ایک مسافرت کیا تھا۔ تین سو برس گیا

بنگالے میں ایک پادشاہ تھا۔ بہت طالع ور تھا۔ اُس کو پاس ایک سو ہزار ترک سوار، نو سو اونٹ، اور پندرہ سو ہاتھی تھا۔ اس کا نام مان سنگھ۔

اُس کا ایک خوبصورت بیٹی تھا۔ اس کا خوبصورتی کا نام بہت پادشاہی پر اُڑا۔ تین پاکیزہ سلطان، بھائی، اُس ہی کو پیار کر کے شادی کرنے کو باپ سے مانگے۔

پادشاہ بیٹی کو کہا، یہ تین سلطان سے تم ایک کھسم کو واسطے پسند کرو۔

بی بی باپ کو جواب دیا، ہم کو سب برابر ہے۔ جیسا تمہارا خوشی ہم ایسا کرینگے۔"

پادشاہ اپنا منصوبہ سے یہ حکمت بنایا۔ سلطان لوگ کو بولے "تم لوگ ہمارا بیٹی کو پیار کرتے ہے۔ وہی اُسی کا پسند ہم کو دلایا۔ ہمارا کوسن۔

تم لوگ ایک مسافرت کرینگے، تین مہینہ۔ وہ جو اچھا سے اچھا نذر اُس ہی کے واسطے کالا دینگے، اُس ہی کو شادی کرینگے۔ جوان پادشاہ کو سلام کر کے باہر گیا اور ایک سرائے میں پہونچ کے قبول کیا کہ جب مہینہ خلاص ہو گیا تھا، وہ سرائے میں ملنے کو، اور ایک ایک کا نذر ایک ایک کو دکھلانے کو۔

جیسا قبول ایسا کیا اور سرائے میں پہنچ کے بڑا بھائی ایک دُرمین دکھلایا، اور آنکھ کو لگا کے کہا، اگر ہمارا پیاری ہم ابھی دیکھ سکتے ہے کیسا خوش کرنے ہوگا۔

تدا چانک پکارا "ہے ہے ہے! ہم لوگ کا حراب نصیب کیا ہے! جب تک دل یہ عجیب بی بی کو لگاوتے ہیں، وہ ہی ابھی سچ مرتا ہے۔

دوسرا بھائی بولا، "یہ شیشی، اس میں جان کا پانی ہے، اگر اُسی کو پاس اس وکت جاؤ سکتے ہے، البتہ اُس ہی کو چنگا کرینگے۔

اِس پر چھوٹا بھائی رساتے بولا "یہ گالیچہ دیکھو، اگر ہم لوگ اس پر بیٹھنگے، کدہر چلنے مانگتے، اگر دس ہزار کوس چل سکتے ہیں۔

تدر تین سلطان گالیچہ پر بیٹھ کے بی بی کا کوٹھری میں آیا، پلک مارتے کا وکت میں۔

شاہ زادی جان پانی تگل کے اور چنگا ہو جائے کے بچھانے سے اٹھا۔ تدر تین جوان جھگڑا لگانے کو

شروع کیا، اور رائے روبرو کو گیا تھا، اور مسافرت اور پھیلا کام کا کیفیت اُس کو جنایا۔

"رائے تھوڑا چپ ہو کے سوچا، اور کہا" جیسا کھوبی ایسا تھارا نذر ہے۔

اگر دوربین والا ہمارا بیتی کو دیکھتا تھا نہیں، کس طرح اُس کا سماچار کو معلوم تم لوگ پایا تھا؟۔

اگر گالیچہ دار اٹھا لاگیا تھا نہیں، کس طرح آو سکتے؟

اور پانی چھوڑ کے تمہارا دا کھل کام کدہر ہے، اِس واسطے تم لوگ بی بی کے واسطے پنا مارنے ہوگا

گلکرائسٹ نے اوپر کی نثر کو ادنےٰ درجہ کی ہندوستانی کا نمونہ قرار دیا۔ اور خود اُس کو اپنی زبان میں اس طرح لکھا۔

تین سو برس آگے ایک بڑا دولت مند بادشاہ، مان سنگھ نام، بنگالہ میں تھا۔ اُس کے لاکھ سوار، نو سو اونٹ، پندرہ سو ہاتھی رہیں۔ اس کی بڑی خوبصورت بیٹی تھی۔ جس کی خوبصورتی کی دھوم بہت ملکوں میں پہونچی۔ تین بھائی شاہ زادے بہت اچھے، اس پر عاشق ہوئے، اور اُس کے باپ سے اُس کی شادی کی خواستگاری دی۔ بادشاہ نے اپنی لڑکی سے کہا، ان تینوں شاہزادوں میں سے ایک اپنے بیاہ کے واسطے پسند کرو۔ "شاہ زادی نے باپ کو جواب دیا، وے سب مجھے برابر ہیں، جس سے آپ کی مرضی ہو اُس ہی سے میں شادی کروں گی"۔ تب بادشاہ نے اپنی عقل سے یہ منصوبہ ٹھہرایا۔ شاہزادوں سے کہا "تم تو میری بیٹی کو چاہتے ہو، پر اُس نے اپنی پسند ہم پر موقوف رکھی ہے۔ میرا حکم سنو، تمہیں تین مہینہ کا سفر کرنا ہوگا۔ اِس میں جو کوئی اسکے واسطے بہت اچھا لاویگا اور وہ تحفہ اُس لڑکی کے لئے فائدہ رکھے، سو ئی اُس سے شادی کرے گا۔ خیر تین جوان بادشاہ سے مجرا کر کے باہر نکلے۔ کسی سرائے میں جا کے آپس میں یہ قرار کیا، "جب مہینہ تمام ہو تو اِسی سرائے آویں۔ اپنا اپنا تحفہ آپس میں دکھلاویں"۔ جو کہا سو کیا۔ پھر اسی سرائے میں ایک جا گے ہوئے۔ بڑے بھائی نے ایک دوربین اپنی آنکھ پہ رکھ کے کہا، جو میں اپنی پیاری کو دیکھ سکتا، تو کیا خوش ہوتا! اتنے میں اچانک پکار اٹھا، رہے، ہے، کیا برا نصیب ہے ہمارا۔ جس شاہزادی پر ہم نے محبت سے دل لگایا تھا سو وہ تو اِسی دم مرتی ہے!" تب پر منجھلا بھائی بولا، دیکھو یہ، شیشی، اِس میں امرت ہے یعنے آب حیات۔ جو اس وقت میں وہاں پہونچ سکتا

تو اُسے میں بھلا کرتا۔ پھر چھوٹے بھائی نے خوشی کہا، لو دیکھو یہ غالیچہ ہے اس پر جو ہم بیٹھیں اور جہاں کہیں جانا چاہیں، اگر لاکھ کوس ہو، تو بھی جا سکیں، تینوں شاہ زادے غالیچہ پر بیٹھ کر پل مارتے اُس کے خلوت خانہ میں آپہونچے۔ شاہ زادی کو امرت کا گھونٹ پیتے ہی آرام ہوا، چارپائی پر اٹھ بیٹھی۔ تب یہ تینوں آپس میں جھگڑنے لگے، اور بادشاہ کے روبرو گئے۔ اپنے سفر کا احوال اور پچھلی حقیقت سب کہ سنائی۔ بادشاہ کوئی دم چپ رہا، پھر سوچ کر کہا، سچ ہے، جیسے تمہارے تحفے ویسے ہی تمہاری خوبیاں ہیں۔ کیوں کہ دوربین والا جو میری بیٹی کو نہ دیکھتا تو اس کے حال کی خبر کیوں کر تم وہاں ملتی، اگر غالیچہ کا مالک تم کو اہاں نہ لاتا، تو کس طرح آتے۔ اور امرت بنا تمہارا آنا بھی یہاں کچھ کام کا نہ تھا۔ اس لئے تمہیں پانسا ڈالنا ہوا، شاہ زادی کے واسطے۔

ایک بنگالی روزنامہ کا اعلان ملاحظہ ہو

(اشتہار ۷ جون ۱۸۶۸ء)

سب کوئی کو خبر دیا جاتا ہے کی شہر کلکتہ کا اُتر دیہی زن کا شامل مقام امرتا لاگو پن چندر لین میں اگیا نمبر کا جمیں، بلاک نمبر اگیارہ، ہولڈنگ نمبر ایک سو تراپنے۔ اوجمین کا ناپ پانچ کاٹھا۔ اُس کا کچھ کمی ہوئے۔ اور بیشی ہوئے، اوجمیں، اور سورتی باگان کے رہنے والا اُس کا مالک بابو ہری نرائن چکرابرتی نیچے لکھتا ہے یہ بھی اشتہار دیا جاتا ہے، جو کوئی کو کچھ کلیم (CLAIM) یعنے دعوے رہے، یعنے اگر وہ جمیں کسی کا پان بنک رہے۔ وہ سکس کو چاہے جے نیچے ساہی کرنے والا لوگوں دس روج کا بیچ میں اس کا حالی جنوائے۔ یہ میعاد جانے سے کچھ دعوے نہی سنا جائیگا۔ اور وہ عدالت میں بھی منجور نہیں ہو دیگا۔

بنگالی اور بازاری ہندوستانی نظموں کے مجموعے سے جنہیں ۱۹۱۶ء، درج ذیل کی جاتی ہیں۔ جو سالانہ میلے کے موقع پر مچھلہاروں کی ٹولیاں گایا کرتی تھیں۔

(الف)

کابلی ساہو

میری نام گنور میاں، جب ملک سے آیا، سا تھے لایا تھوڑا سا ہنگ برے بجار کا سڑک میں بیٹھ کے، دن بھر اوہی چیج بیچ کے، نفع سے پانچ پیسہ لے کے گجارتے ہم دن (۱)

جو روج ایک تھور روپیہ ہوا، اوہی روج ہم کسم کھایا۔

"اہی روپیہ ترائے تو ہم حرام کھورے" ایک آدمی نام رامو کہار، روپیہ تھو اُس کو دیا ادھار، رج دو پیسہ سود دیا برس بھور (۲)

سود میں سب ملا جتنا، اُدھار ہم دیا اُتنا۔ سود لیا روپیہ میں چار آنہ ابھی ہم مہاجن ہوا، مہینہ میں سود ملتا تین سو روپیہ، جس کو دینا لیتا اُس کو گورو، جورو، دھوتی اور اُرانا (۳)

سالا بد معاش، روپیہ لیا نو ماس، سود دیا تھوڑا بھوت دو سو روپیہ۔ اور نہی، سود دیتا۔ اوہی واسطے سالا کو گالی دیتا۔

اور دندا تھنڈا کرنے اہی دوست لوگ کو لایا، لے آو سالہ روپیہ (۴)

چمار

(ب)

آو جھٹکے لے کے جوتی، سلائی کر کے دینگے۔

ای کام جروری، مت کراؤ دیری، بڑی دور میں جانگے۔ (۱)

بھبانی پور میں ہیں میرا سوا سور (بہنوی) گھورا کا ساج بناتی۔ میرا جات کھوتا چمار کوئی کوئی گھورا کا لیدی اٹھاتی (۲)
کوئی ٹلک سے آتا، کچھ نئی جانتا خرچ کرکے روپیہ خالی
تیکی (چوٹی) ارکہتا، مالا سدتا (پھیرتا) منجا مالا گوئیں (۳)
جو رو ملتا، فائدہ دیتا پھوتا (مذہبی علامات) کاتکے رو ماسا بھونگ، بھی مارتا۔ (درویش نوا گوسائیوں کی تقریبوں میں حصہ لینا)
کھان (خان) یاں کے پیسے لیکے گورکا دھولی بھی دیتا (۴)
کوئی سوتی (زُنّار) پن کے شہر میں آکے ہوٹل میں کام کرتا چپ (چاپ) کتلت (کٹلیس) کورما، کباب بہاجتی پراتا (پراٹھہ) (۵)
کوئی گانک (نجومی) ہوتا، ہاتھ گنتا (دیکھتا) کرنا کھاسنا مانگیری کوئی تیا قلی، ہوتا موت (سامان) لیکے بھاگنا، کرتا ہے، دک داری (تکلیف دیتا ہے) (۶)
کوئی بھارو دیتا، بھوسی والا ہوتا، بیچنا کابلی چنا۔
کوئی حجام بناتا، کتے کا کام کرتا، چوری کرتا اُس کا چھانا دونڈا (۷)
ایسا بھول پھرے کے ہری ہری بولکے، ہوتا ہے بابو موچی۔
سلائی کرکے، ہاف سول مارکے، ہونا تب بھی سوچی (مذہبی آدمی) (۸)

پردیسی (شمالی ہندی) کی زبان

دل میں ایک بھاؤنا سے کلکتہ میں آیا۔
کیساں کیساں مجاہم۔ یہاں دیکھنے پایا (۱)
آری سماج، برہما سماج، گرجا، مہجد۔
اک لوٹھا میں ملتا ــــ دودھ، پانی، سب چیج (۲)

چھوٹا بڑا آدمی سب، باہر کے دانت
جھپت مار کے بولتا ہے انگریجی میں بات (۳)
اریا آدمی لوگ انگریجی میں بولتا ہے، "کم ہیر بابو"
کلکتہ کے کام دیکھ کہ ہم بھی ہوا کا بودے قابو (۴)
گانجا، گوبی، چرس، چانڈو، شراب، کوکین میں ہے بھور۔
کلکتہ کے پنارہ (پندرہ) آنہ آدمی نشاخور (۵)
یہاں کالج، ہواں کالج، کالج بھی تھائیں تھائیں
کالج کا پھل تو بھیا کچھ بھی ملا نہیں (۶)
بہتر دیکھا عادت (اخلاق) کچا، باہر دیکھا پکا۔
بات میں سب عادت نرت (نامعقول) کام میں دیکھا پھانکا (خالی) (۷)
جو دِک میں میں آنکھی کھولا، دیکھا جوا، چور۔
سچا بات میں نہی ملتا ہے، جھوٹا بات میں بھور (۸)
اور ایک بات، میرا بھائی یاد ہو کے گیا۔
آپ کا (اپنا)، دھرم چھوڑ کے سب جیو (عیسیٰ) بھجنے گیا۔

---

(۵)

ایسا کلکتہ بابو کبھی نہ دیکھا جی۔
مونڈا (مٹھائیاں) چھوڑ کے انڈا کھاتا، ہوتل میں سب کوئی جاتا جی۔ (۱)
گنگا مائی گنج میں بہتا، کبھی نہ اُس میں نہاتا جی۔
بولتا — اُس کو میلا پانی بدن میلا کرتا جی (۲)
دیوتا، برہمن مانتا نہی، بولتا بھتنی (بلا) کالی مائی۔
ہندوانی چھوڑ دیا سب کرستانی نہی سکتا جی (نہ تو مسیحیت کی پیروی کر سکتے ہیں اور نہ ہندومت کی (۳)

دار و پی کے پانت پانت، سب بابو کا مجاج چھوٹا لاٹ۔
جورو سے کجیہ، مائی کو لاٹھی، باپ کو سالا بولتا جی (۴)
کاپٹن بابو کوئی کوئی ہے، ہڈ توت، کاٹ کے جیل میں جائے۔
سات پُرس کا مکان بیچ کے رنڈی باڑی چلتا جی (۵)
جس کو نہیں چاں چولھا، وہ بھی دکھاتے امیر کا سالا۔
گھر میں آگے کابلی احسن دبیلا نگا واکرتا جی (۶)
جنیا یوگ کا کیسا حال مرد سے چلتا سماں چال۔
ماٹھ میں جاتا، ہوا کھاتا، بائسکل میں چڑھتا جی (۷)

مسرف بیٹے کی کہانی

ایک بنگالی کی زبانی ــــ جس نے نہ تو ہندوستان کی تعلیم حاصل کی۔ اور نہ کبھی صحیح زبان بولنے کی کوشش کی، لیکن جس کو ہندوستانی بولنے والے بہاریوں وغیرہ سے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا۔

ایک آدمی کا دو چھوکرا تھا۔ اس سے چھوٹا لڑکا اُس کا باپ کو بولا "بابا ہمارا بیسے (اساسہ) کا حصہ ہم کو دے دیجئے۔ اُہی بات سُن کے اُس کو بابا دو نو لڑکا کو بھاگ بٹوارہ کرکے دیا تھا۔ اس کو تھوڑا دن بعد چھوٹا لڑکا اُس کو بیسے کا حصہ ایک ساتھ کرکے دور دیس پر چلا گیا تھا، اور اُس دیس میں بدخیالی کرکے سب بیسے خرچ کر دیا۔ جب اس کو سب خرچ ہو گیا تھا۔ تب دیس میں بہوت مانگاد ہوا۔ اس کو خرچہ چلانے پڑتا (سکتا) نہی۔ تب وہ چھوٹا لڑکا اُس دیس کا ایک آدمی کو پاس گیا تھا۔ وہ اس کو اپنا کھیتی میں سور چرانے کو واسطے بھیج دیا تھا۔ تب تک وہ سور کا کھانے کو چیج کھانے ملنے سے خوش ہوتا، لیکن وہ چیج کوئی اس کو نہیں دیا، اس کو پر اُس کے بعد جب اُس کو خیال ہوا۔ تب وہ اپنا من میں بولا تھا۔ باپ کو کیتا طلب والا

(تنخواہ دار) نوکر لوگ کو درکار سے جاتی کھانا ملتا، اور ہم بھوکا سے (بھوک سے) مرجاتا ہے۔ ہم باپ کو پاس جاگا، اور باپ کو بولے گا "بابا ہم آپ کو اور بھگوان کو پاس کسور کیا۔ ہم اور (پھر) آپ کا لڑکا، بولنے سکتا نہیں۔ ہم کو آپ کا ایک طلب والا نوکر کے رکھ دیجئے، اُس کو بعد وہ چھوٹا لڑکا اُسکو باپ کو پاس چلا گیا۔ دور سے اُس کو بابا اُس کو دیا آگیا (اسے) دیکھا۔ دیکھنے سے اُس کو دیا آگیا اور وہ لڑکا کو گلا لگا کر کے چوما کھایا۔ تب لڑکا بولا، بابا آپ کو اور بھگوان کو پاس ہم کسور گیا، ہم آپ کو لڑکا اور بولنے کو سکتا نہیں۔ لیکن اُس کو بابا نوکر لوگ کو بولا۔ سب سے اچھا کپڑا لے کے اُس کو پنھاؤ۔ اُس کو ہاتھ میں ایک تھو انگٹی (انگوٹھی) پاد پاؤں پر جوتی پنھاؤ۔ اور آج ہما۔ ا (ہم لوگ) کھانا پینا اور آنند کرینگے۔ کاہے ہمارا ای لڑکا مر گیا تھا، اور پھن مل گیا ہے۔ کھو آگیا تھا۔ (کھو گیا تھا) ابھی اس کو پھن پھر کے بابا اُس سے سب لوگ آنند کرنے شروع کر دیا۔

اِسی مسرف امیرزادے کی کہانی

ایک بہاری باورچی (غیر تعلیم یافتہ برہمن) کی زبانی جس کو یہ قصہ اُس کی اپنی بولی میں سنایا گیا تھا۔

ایک آدمی کو دو لڑکا رہا، چھوٹا لڑکا باپ سے کہا کی، ہمرا حصہ تم دیدو۔ باپ لڑکن کا حصہ بانٹ دیا۔ چھوٹا لڑکا سبھ کچھ لیکر پردیس چلا گیا اور اوہنا نوابی سے سب اڑا دیا جب کچھ اُس کے پاس نا رہا، تو اک آدمی کے انہاں جا کر وہ نوکری کر لیل (کر لیا) اوکرا (اُس کا) مالک سوَر کے بچہ چرانے کے کام دلائے (دیا) سوَر چرواتے بھوک سے وہ بڑا بیاکل ہو گیا۔ تب چاہا کی ہم بھی تھوڑا بھوسا کھالیں۔ پھر اُس کو بہت پچھتاوا آیا اور تب سوچس (سوچا) کی، باپ کے انہاں لوٹ جیتی تو اچھا ہوت ہمرا باپ کے اُنہا تو بہت نوکر چاکر کام کرتا ہے کا ہم کو ہی کھانے بھر کا نہیں ملیگا؟ اسی بچ کے وہ اپنے ملک لوٹ آیا، اور باپ کے انہا گیا۔ باپ دیکھتے اس کو گلا لگا لیا، باپ بڑی (بڑا) خوشی (خوش) ہوا، اور اچھا اچھا کپڑا منگا کر پھرا دیا۔ (کرا اُس کے) بعد وہ

بچھو رو مانگا، اور اُس کو مار کے کھلانے چاہا۔ مگر اُس کا بڑا (بڑا) بیٹا بولا کہ "بابو جی ہم جو برابر تو ہار ساتھ رہت ہیں اگر ہمراہ واسطے تو ایسا کبھی نہ کیں۔ وہ تو اتنا دن سے بھاگا رہا، تو بھی اوکر اُس کا واسطے اتنا کرتے ہو تب باپ سب کو سمجھایا کی، وہ لڑکا تو برباد ہو گیا تھا، مگر اب سنبھل گیا ہے، اسی واسطے خوشی مناتے ہیں۔

ایک بہاری ملازم اپنے بنگالی آقا کو، کلکتہ کے عجائب خانہ کے مشاہدات اس طرح سناتا ہے:۔

کل ہم جادو گھر دیکھنے کو گیا تھا، ہواں بہت عجب چیج ہم دیکھا۔ ہم کو سب سے تعجب معلوم ہوا۔ جناور کا گھر تھو۔ مرا ہوا جناور جتنا دور دیس کا ہے، سب سیسا کا الماری میں رکھا ہے۔ جیسا کی جیال (زندہ) ہے۔ ٹھیک جیسا چڑیان خانہ میں ہیلا ہمارا خیال ہوا کی، وہ سب جناور جیسا مودل (مردہ) تیسا ہی لاکے ہواں آرک لگا کے رکھ دیس، اُہاں تو بابو ہم کو بولیس، کی مرا ہوا جناور کا چام اُتار لیتا، اور چام کا بھیتر اتی سے بھر دیتا، اور باہر سے پرار، بال اُل مرمت کر کے اور رنگ اُنگ لگا کے رکھ دیتا ہے۔ ہم تو تعجب مانا۔ باپ رے۔ اسی کیساں ہنر کا کام ہے۔ وہ بابو بولیس کی، سمندر میں ایک کیسم (قسم) کا مچھری (مچھلی) ہوتا ہے۔ ہاتھی سے بھی بڑا، اوکرے کے اُس کے دوئی مونٹھ کا ہڈی ایک تو در واجا کا دو کنار میں لمبا کھڑا کر کے لگا کر رکھ دیا ہے۔ کمرا میں سب تو تل پھوٹل (ٹوٹے پھوٹے) منڈل کا پتھل۔ دیوتا، مورت، اسی سب بھرا ہے۔ اور دیکھا، سیسا کا بڑا الماری اور بگس میں ٹوٹا پھوٹا کھپریل، ہانڈی کٹورا، اسی سب رکھا ہے۔ اسی سب بہت پرانا جمانا کا، ماٹی کا اندر سے نکلا اور ایک کمرہ میں دیکھا کتنا کیسم (قسم) کا کپڑا بستر لا کے رکھ دیا ہے سب۔ اسی کپڑا بنارسی کمکھاب، دھاکائی، کشمیری سال دسالا، جوری کلم کیا ہوا، طرح طرح کا رنگین کپڑا۔ پھر دیکھا برتن، سونا چاندی کا، پیتل کا، کانسہ کا، سب کہا ہے اور لکڑی کا کاریگری اور ایک لمبا کمرہ میں سب پتلی رکھا ہے آدمی کا سا بڑا اپنی دنیا کا دیس دیس کا آدمی لوگ کا صورت جیسیاں کے تیساں ماٹی کا بنا کے لمبا سیسا کا الماری میں رکھا ہے اور اسی کمرا میں جگہ جگہ سیسا کا بکس میں چھوٹا چھوٹا پتلی رکھا، ماٹی کا، ایک گاؤں کا آدمی لوگ کا عجب حال اسی پتلیوں سے معلوم ہوتا۔ اوھر بنگالا ملک کا گاؤں اور پچھم ملک کا گاؤں، اسمیں کسان رعیت کا گھر کھیت میں کھیتی کا کام مالک کا کچہری اور سادی بیاہ بجار، اسکل، اور اسمیں رکا لوگ پڑتا ہے، اور گرو ہاتھ میں چھڑی لیکے بیٹھا ہے، بنگالی بابو لوگ کے باڑی میں کالی ماٹی کا پوجا دکھایا ہے۔ اسمیں بھینسا کو بلیدان کیا گیا۔ اور برہمن لوگ کو کھلایا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ دکھایا گیا۔

علامہ طباطبائی

جدید اردو شاعری کی ترتیب کے وقت میں نے علامۂ طباطبائی سے اپنے حالات کے متعلق ایک تفصیلی نوٹ عنایت کرنے کی درخواست کی تھی۔ موصوف نے کمال مہربانی سے چند کمیاب رسالے اور بہت سا مواد مجھے عنایت فرمایا۔ اپنے خاندان اور "میٹابرج" سے متعلق بھی بہت سے حالات بیان فرمائے جنھیں نے قلمبند کرلئے۔ علامہ مرحوم کی خواہش تھی کہ میں ایک مفصل سوانح عمری لکھدوں۔ "جدید اردو شاعری" میں جس قدر حالات کی ضرورت تھی میں نے شامل کرلئے۔ میری دسترس میں جس قدر مواد موجود ہے اس سے ایک مختصر سی سوانح عمری لکھی جاسکتی ہے لیکن مجھے اظہار ہے کہ مرحوم کے تلامذہ اور اعزا سے جس قدر مزید مواد دستیاب ہوسکے وہ اکٹھا ہوجائے۔ توقع ہے کہ آپ کی وفات سے متعلق رسالوں وغیرہ میں جو مضامین نکلینگے ان سے، اس سوانح کی تدوین میں بڑی مدد ملیگی۔

عبدالقادر سروری

گذشتہ لکھنؤ کی آخری بہار دیکھے ہوئے بزرگوں میں ایک علامہ سید علی حیدر الملخاطب بہ حیدر یار جنگ بہادر طباطبائی باقی رہ گئے تھے۔ افسوس ہے کہ یہ آخری یادگار بھی ہمیشہ کے لئے اب ہم سے چھین لیگئی۔ موت ایک دن سب کو آنی ہے لیکن ایسے شخص کا مرنا جس کا بدل نہ ہوسکے بڑا دل مسوس دینے والا سانحہ ہے۔ عالم اور وہ بھی علامہ طباطبائی کا سا عالم اب ڈھونڈے سے کم ملیگا۔ سچ ہے "موت العالِم موت العالَم" طباطبائی کے

مرنے سے ہم میں سے نہ صرف ایک بزرگ ہستی اور ایک عالم کی کمی ہوگئی ہے بلکہ درحقیقت ہماری قدیم شائستگی کا ایک مکمل نمونہ ہندوستان سے جاتا رہا۔ ہماری ماضی کا ایک رشتہ ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا۔ کاش ماضی اور حال کا یہ واسطہ ہمارے درمیان کچھ اور عرصہ تک باقی رہتا۔

ممکن ہے کہ علامہ طباطبائی سے بڑھ کر عالم ہم میں پھر پیدا ہوں لیکن واجد علی شاہ کی لکھنوی سوسائٹی کی تصویریں اب کہاں نظر آئینگی۔ قدیم علم وفن اور شائستگی کے خزانے اس سینے میں اس طرح مدفون کر دیے گئے ہیں کہ قیامت تک نہ نکل سکینگے

علامہ طباطبائی کی زندگی علم وادب کے لئے وقف تھی آخری سانس بھی اسی خدمت میں صرف ہوئی۔ یہ زندگی ہر شخص کو کہاں نصیب ہوتی ہے۔

نظم علامہ شبلی اور شوق قدوائی کے ہم عمر تھے۔ غدر کے قریب ان کی ولادت ہوئی۔ اور بیاسی (۸۲) سال کی عمر میں ایک قابل احترام حیات اپنے پیچھے یادگار چھوڑ کر بتاریخ ۳ مئی ۱۹۳۳ء میں انتقال فرمایا

نظم کے اجداد کو شاہان اودھ کے دربار میں بڑا رسوخ تھا۔ نواب مختار الدولہ جو وزیر اودھ نواب آصف الدولہ کے نائب السلطنت تھے آپ کے جد اعلیٰ ہیں

مختار الدولہ کے فرزند مرزا بزرگ نواب اقبال الدولہ بھی دربار اودھ میں خاص مرتبہ رکھتے تھے اُن کی وفا شعارانہ خدمات کے صلہ میں انگریزی گورنمنٹ نے ایک ہزار کا وظیفہ تین پشت تک عطا کیا تھا۔ آپ کے والد میر مصطفےٰ حسین نواب واجد علی شاہ کے جان نثاروں میں تھے چنانچہ میٹابرج (کلکتہ) میں بھی یہ نواب کے ساتھ تھے۔ اور وہیں انتقال کیا۔

نظم کی ولادت لکھنو میں ہوئی اور یہیں آپ کا نشو ونما ہوا۔ ابتدائی تعلیم کچھ تو نانا کے گھر میں اور کچھ ملازم اساتذہ کے پاس ہوئی۔ آپ کے والد کے ملنے والوں میں ایک ہندو بزرگ منشی مینڈو لال زار تھے جنھیں فارسی ادب اور شعر و شاعری کے علاوہ فن عروض اور بلاغت میں خاص مہارت تھی۔ انہیں سے نظم نے فارسی اور بلاغت اور عروض کے فن کی تحصیل کی۔ عربی صرف ونحو ملا طاہر صرفی سے پڑھی۔ بعد میں جب آپ میٹابرج (کلکتہ) میں تھے درس نظامی کی تکمیل قائمتہ الدین سے کی۔

نواب واجد علی شاہ اختر لکھنو سے جب میٹابرج آ گئے تو اُن کے عمائد اور ارکین بھی سب میٹابرج ہی میں آ رہے۔ میر مصطفےٰ حسین بھی انہیں میں تھے۔ اس وقت طباطبائی کی عمر کم و بیش ۲۰ سال کی تھی والد کے ساتھ یہ بھی میٹابرج چلے آئے۔ یہاں بھی ان کے علمی مشاغل برابر جاری رہے۔ چنانچہ اسی زمانہ میں آپ نے "تشریح الافلاک" پر ایک حاشیہ لکھا تھا جو ۱۳۰۰ھ میں مطبع اردو گائیڈ اخبار سے شائع ہوا غالباً تصنیف و تالیف کی طرف طباطبائی کا یہ پہلا قدم ہے۔

اس خاندان کے حقوق اور نظم طباطبائی کے علمی ذوق کے مدنظر آپ کا تقرر، مدرسۂ شاہ اودھ میں شاہزادوں کی تعلیم پر ہوا۔ "تقریب الاطفال" آپ نے انہیں طلباء کے لئے تصنیف کی تھی جو بعد میں حیدرآباد کے شہزادوں کے درس میں بھی شامل رہی۔

۱۸۸۷ء میں جب واجد علی شاہ اختر کا انتقال ہوا تو ارباب علم و فضل کے لئے کلکتہ میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی۔ نظم طباطبائی بھی حیدرآباد تشریف لائے اور ابتدائی ملازمت نظام کالج میں کی جہاں یہ آقا حیدر علی پروفیسر کی رخصت کے زمانہ میں منصرم کئے گئے۔ جب آقا صاحب رخصت ختم کر کے واپس ہوئے تو آپ کا تقرر کتب خانہ آصفیہ میں بہ حیثیت معتمد ہوا۔ لیکن اس کو ایک سال بھی گذرنے نہیں پایا تھا کہ پروفیسر حیدر علی کا انتقال ہو گیا اور ان کی جگہ آپ کا مستقل تقرر نظام کالج میں عمل میں آیا۔ یہ خدمت آپ عرصہ تک انجام دیتے رہے۔ یہیں سے ولیعہد بہادر کی تعلیم پر آپ کا تقرر ہوا۔

عثمانیہ یونیورسٹی کے ادارۂ تصنیف و تالیف یعنی "دارالترجمہ" کے قائم ہونے کے بعد آپ یہاں ناظر ادب کے عہدہ پر فائز ہوئے اور تین سال تک (۱۳۳۶ھ لغایۃ ۱۳۳۹ھ) تک یہاں رہکر وظیفہ پر سبکدوش ہوئے۔

ناظر ادب کے عہدہ کی خدمت انجام دیتے ہوئے وضع اصطلاحات علیہ کی کمیٹیوں میں بھی آپ شریک ہوا کرتے تھے۔ موخرالذکر خدمت پر حضرت اقدس و اعلیٰ نے طباطبائی کا تقرر وظیفہ پر سبکدوشی کے بعد از سر نو فرمایا۔ آخر دم تک آپ یہ اہم خدمت انجام دیتے رہے۔

انتقال سے چند ساعت پیشتر تک آپ کے یہ علمی مشاغل برابر جاری رہے۔ جس رات

آپ کا انتقال ہوا آپ حسب عادت دیر تک علمی مسائل پر گفتگو فرماتے رہے۔ اور نہایت اطمینان کے ساتھ سونے کے لئے تشریف لے گئے۔ پہر رات رہے۔ آپ کو کھانسی تکلیف ہونے لگی۔ اپنے فرزند سید امجد کو جو بازو کے مکان میں سو رہے تھے بلوایا۔ کھانسی بڑھنے لگی۔ کھانسی کو روکنے کے لئے آپ نے پان کا بیڑا طلب کیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد آپ کا انتقال ہوگیا۔

علامہ طباطبائی کے علمی مشاغل بہت متنوع اور بلند پایہ تھے شعر اور ادب کے علاوہ قواعد عروض اور بلاغت سے آپ کو خاص دلچسپی تھی جن میں آپ نے متعدد تصانیف چھوڑیں۔ قدیم عربی علوم میں آپ کی دستگاہ کے متعلق مولانا شرر مرحوم نے اپنے مشہور رسالہ "دلگداز" میں کئی جگہ اعتراف کیا ہے۔ شعر و سخن کی طرح ان علوم میں بھی شرر کو علامہ سے تلمذ حاصل تھا۔ ہیئت کے متعلق اکثر دفعہ آپ پروفیسر محمد عبدالرحمن خاں صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ خاں صاحب مدرسہ عالیہ کی طالب علمی کے زمانے میں آپ سے درس لیا کرتے تھے اسی لئے خاں صاحب سے نظم کو خاص انس تھا۔

تشریح الافلاک، اور تعریب الاطفال کا ذکر اوپر گذر چکا ہے آخر الذکر کتاب کے متعلق خود علامہ طباطبائی کا خیال یہ ہے "اسے دیکھ کر صدہا کتابیں اس طرز کی لوگوں نے تصنیف کر کے شائع کرنا شروع کیں" اسی طرز کی دو اور کتابیں "مبنیات" اور "معربات" آپ نے حیدرآباد آنے کے بعد لکھیں۔ علم عروض اور قافیہ پر آپ کی ایک کتاب "تلخیص عروض و قافیہ" جامعہ عثمانیہ کی جماعتوں کے نصاب میں شریک ہے۔ اس کتاب کی آپ کے دل میں بڑی وقعت تھی چنانچہ اپنے "خود نوشت حالات" میں اس کے متعلق اپنے خاص انداز میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک بڑا کلمہ میں کہتا ہوں۔ لیکن باللہ العظیم بالکل صحیح ہے یعنی فارسی اردو والے عروض کو نہ سمجھے تھے اس فن کو الجھا کے رکھدیا تھا یہی حال قافیہ کا بھی تھا۔ میں نے تلخیص عروض و قافیہ لکھ کر تمام گتھیوں کو سلجھا دیا۔ اور حشو و زوائد کو چھانٹ دیا (زمانہ ص ۱۰۵)"

۱؎ خود نوشت حالات مطبوعہ زمانہ بابتہ فروری ۱۹۳۳ء

شعر و سخن سے آپ کو خاص لگاؤ تھا۔ حیدرآباد اور شمالی ہند کے ادبی رسالوں میں آپ کی غزلیں عام طور پر شائع ہوتی رہتی تھیں۔ ادب میں طباطبائی ایک اُمرائی ذہنیت رکھتے تھے آپ نے اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے پہلے "دلگداز" کو اور پھر "زمانہ" کو مخصوص فرمالیا تھا۔

نظام کالج کی ملازمت کے زمانہ میں آپ کے قصیدوں اور نظموں کا ایک مجموعہ "نظم طباطبائی" کے عنوان سے شائع ہو چکا تھا۔ اس میں آپ کی وہ شہرۂ آفاق نظم "شام غریباں" (ترجمہ گریز ایلے جی) بھی شامل ہے۔ جس کے متعلق آپ سے ایک بیرسٹر رؤف صاحب نے فرمایا تھا کہ "وہ ایٹن کالج میں" گرے کی تصویر اور "ایلے جی" کے ساتھ مطلا چوکھٹے میں لٹکی ہوئی دیکھی گئی۔ "نظم طباطبائی" مدراس یونیورسٹی کے انٹرمیڈیٹ اور بی۔ اے کے نصاب میں برسوں داخل رہی۔

آپ کا دیوان، جو قصائد اور غزلوں کا ایک نفیس مجموعہ ہے "صوت تغزل" (اسم تاریخی) ابھی ابھی انجمن امداد باہمی مکتبہ ابراہیمیہ سے شائع ہوا ہے۔ اس دیوان کی تصحیح خود آپ نے بہ نفس نفیس فرمائی تھی۔

علامہ طباطبائی کی "شرح غالب" کو جو شہرت حاصل ہوئی وہ مخفی نہیں ہے۔ یہ درحقیقت دیوان غالب کی ایک اچھی اور لکھنوی دبستان کے طرز کی آخری بڑی تنقید ہے جو غالب کی شاعری کے ساتھ ساتھ زندہ رہیگی۔ بعد کے تقریباً تمام شارحین غالب نے اعتراض یا اتفاق کے انداز میں اسی سے استفادہ کیا ہے۔

اعلیحضرت غفراں مکان کے جشن جوبلی کی تاریخ نواب فصاحت جنگ جلیل نے دو جلدوں میں لکھی تھی۔ حضرت اقدس و اعلیٰ نے علامہ طباطبائی کے پاس اصلاح کے لئے بھیجا تھا۔ اس تاریخ میں آپ نے جو کام کیا اس کو آپ ہی کی تحریر سے اخذ کر کے پیش کرتا ہوں۔

"اس تاریخ و کن کے متعلق میں نے بڑا کام یہ کیا کہ حیدرآباد آفیسرز کی سب جلدیں اول سے آخر تک پڑھیں اور مضامین ضروری کا انتخاب کیا۔"

علامہ طباطبائی" جامعہ مدراس کے اردو بورڈ آف اسٹڈیز کے رکن عرصہ تک رہے۔

اس سلسلہ میں آپ نے جو اہم خدمات انجام دیں اس کا تفصیلی ذکر خود آپ نے اپنے "خود نوشت حالات" میں کیا ہے۔ جامعہ کے اردو نصاب کو صحت بخش اصول پر مرتب کرنے میں آپ نے بڑا کام کیا۔ آپ کی ہی تحریک پر "دیوان غالب" جامعہ مدراس کے نصاب میں داخل کیا گیا اور جب اس کے ادق ہونے کی شکایتیں وصول ہونے لگیں تو آپ نے وہ شرح لکھی جس کا اوپر ذکر ہوا۔ اس شرح کو دیکھکر آقا سید علی شوستری نے فرمایا تھا "اردو کے دیوان کی شرح لکھنا میری رائے میں اس کے لئے سبکی کا باعث ہوا ہے اُسے چاہئے تھا کہ عربی کے کسی دیوان کی شرح لکھتا"

یہ قدیم طرز کے ایک عالم کی اپنی ذاتی رائے تھی۔ لیکن علامہ طباطبائی آقا صاحب کی رائے کو بڑی وقعت کی نظر سے دیکھتے تھے چنانچہ آقا صاحب کا قول جب آپ تک پہونچا آپ نے فوراً امراؤالقیس کے دیوان کی شرح لکھ ڈالی "ان شرحوں کے متعلق خود مصنف کا خیال تھا کہ" میں سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں شرحیں لکھ کر میں نے اپنی زبان کو بڑی رونق دی"

جامعہ مدراس سے تعلق کے دوران ہی میں علامہ طباطبائی نے ایک اور اہم کام انجام دیا مدراس کے السنۂ شرقیہ کے امتحانات کی شرکت کے لئے میٹرک کامیابی کی جو شرط لگائی گئی تھی اس کو بڑی کوشش سے منسوخ کرایا۔

دارالعلوم کالج کی علمی جماعتوں کے آپ اکثر ممتحن رہتے تھے۔

لارڈ کرزن کے زمانہ میں دارالعلوم کالج کا تعلق جب پنجاب یونیورسٹی سے منقطع ہو گیا تو علامہ علی حیدر طباطبائی اور ڈاکٹر اگھورناتھ نے اپنے طور پر ایک بورڈ یہیں حیدر آباد میں بنایا جس کی طرف سے اُن طلبار کا امتحان لیا گیا جو دارالعلوم کالج کے پنجاب سے منقطع ہو جانے اور امتحان کے رک جانے کے سبب بیحد پریشان حال تھے۔ جو طلبا و کامیاب ہوئے اُنہیں سندیں دی گئی اس سلسلہ میں علامہ نے جو رپورٹ لکھی ہے اس میں حیدر آباد کے لئے ایک مستقل اور اپنی جامعہ کے قیام پر زور دیا ہے۔ رپورٹ ناظم تعلیمات کی موسومہ ہے اور شائع ہو چکی ہے۔

وضع اصطلاحات کی کمیٹیوں میں علامہ طباطبائی کی معلومات سے قابل قدر مدد ملتی رہی آپ

نے علمی خصوصاً کیمیا کی اصطلاحات سے متعلق اپنے نقطۂ خیال کو ایک رسالے کی شکل میں شائع فرمایا تھا جو اس موضوع پر بڑی عالمانہ بحث ہے۔

جامعہ عثمانیہ کے بورڈ آف اسٹڈیز کے رکن آپ انتقال کے وقت تک رہے۔

یہ ہے ایک اجمالی خاکہ قدیم عالم اور قدیم شائستگی کے ایک گذرے ہوئے نمونے کا، جس کا بدل آج ہندوستان بھر میں مشکل سے مل سکے گا

(مدیر)

نغمۂ محبت

مجھے دریا کا وہ سنسان، خاموش اور ریگستانی ساحل محبوب ہے، جہاں صبح کا بحر خموشی بگلوں اور بطوں کی ننھی ننھی امواج نغمہ میں تبدیل ہو جاتا ہے اور جہاں شام کے دلنواز نظارہ میں تھکے ماندے شکاری اپنی کشتیاں کنارہ پر لاکر لمبی لمبی گھاس پر آرام لیتے ہیں۔ ——

تمہیں دریا کا وہ ساحل محبوب ہے جہاں بانس کے گنجان درخت اپنے بازو پھیلائے ہمیشہ سایہ فگن رہتے ہیں جہاں دیہاتی عورتیں صبح و شام اپنے گاگریوں میں پانی بھر کر لے جاتی ہیں —— گو ساحل دو ہیں مگر دریا ایک ہے جو دونوں کے درمیان بہتا ہے اور دونوں کو ایک ہی گیت سناتا ہے۔ میں نے وہ گیت تاروں کی انجمن میں ریتیلے ساحل پر لیٹے ہوئے سنا اور تم نے اسی گیت کو جیائے اوین میں ساحل کے ڈھلوان کنارہ پر بیٹھے ہوئے —— لیکن جو کچھ میں سنا اُس سے تم بالکل بے گانہ ہو اور جو تم نے سنا وہ میرے لئے ایک سربستہ راز ہے۔

از ٹیگور ترجمہ حلیم صاحب حیدرآبادی

نوائے راز

از

ابوالفاضل صاحب رازؔ چاندپوری

یہ سچ ہے، واقعی سچ ہے کہ خود نما ہوں میں
فریبِ دہر کو اب عام کر رہا ہوں میں

وفا شعار ہیں سب، صرف بیوفا ہوں میں
بجا کہ درست، بہت خوب ما کہا ہوں میں

نہ خود پرست، نہ خود بیں، نہ خود ستا ہوں میں
کسی کے حسن کا افسانہ کہہ رہا ہوں میں

مجھے نہ دیکھ، مجھے دیکھنے سے کیا حاصل
فقط یہ دیکھ کہ کیا بات کہہ رہا ہوں میں

عجیب چیز ہے پابندیٔ محبت بھی
قیودِ دہر سے آزاد ہو گیا ہوں میں

کرم کرم، خضر خوش بیاں، جزاک اللہ
طریقِ اہلِ محبت کو جانتا ہوں میں

نگاہِ بادہ پرستاں ہے دستِ ساقی پر
نگاہِ ساقیٔ رعنا کو دیکھتا ہوں میں

وہ خود فروش کہے مجھ کو یا خدا آگاہ
وفا کا درس زمانے کو دے رہا ہوں میں

مشاہداتِ رہِ دوست کیا کہوں تم سے
قدم قدم پہ پئے سجدہ گر پڑا ہوں میں

عجب حکایتِ رنگین ہے، دل نہیں بھرتا
کتابِ زیست کو سو بار پڑھ چکا ہوں میں

خدا کا شکر ہے بس اور کیا کہوں اے رازؔ
وطن سے دور، بہت دور ہو گیا ہوں میں

تخمیس بر غزلِ غالب

از

(مفتوں اجمیری)

حسن کی نیرنگیاں چھپ کر بھی عریاں ہوگئیں　　دل کی بربادی کا ہر صورت میں ساماں ہوگئیں
کچھ صنوبر بن گئیں، کچھ سرو و بستاں ہوگئیں　　سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں، کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

کیا سنائیں عہدِ ماضی کی کسی کو داستاں　　تھا موافق ایک دل اپنا بھی آدورزماں
تھے کبھی ہم بھی جہاں میں رونقِ بزمِ جہاں　　یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہوگئیں

اُف رے سوزِ ضبطِ گریہ، الاماں دردِ جگر　　پڑ گئے سینے میں چھالے، چھن گیا نورِ نظر
شدتِ غم سے، بظاہر تھا نہ فرقت کا اثر　　قید میں یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہوگئیں

روح فرسا بھی ہے اور جاں بخش بھی نامِ فراق　　ہے نویدِ وصل گر سمجھو تو پیغامِ فراق
بوالہوس کیا جانے کیا ہے لذتِ جامِ فراق　　جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق
میں یہ سمجھونگا کہ شمعیں دو فروزاں ہوگئیں

دیدۂ غم دیدہ کے اشکِ مسلسل، الاماں　　خار و خس بنکر نہ بہجائیں کہیں کون و مکاں
بے سبب ہرگز نہیں مفتوں کی یہ آہ و فغاں　　یونہی گر روتا رہا غالب تو اے اہلِ جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہوگئیں

دلِ بیتاب

تمہاری متجسس نگاہوں سے مایوسی کے آثار نمایاں ہیں۔ وہ میری آرزوؤں کو سمجھنے کی اُسی طرح کوشش کرتی ہیں۔ جس طرح چاند سمندر کی نامعلوم تہ تک پہنچنے کی سعی لاحاصل میں سرگرداں نظر آتا ہے۔

میں نے اپنی زندگی کے ہر پہلو کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک، بغیر کسی راز کو اخفا کئے تمہاری نور آنکھوں کے سامنے بے نقاب کر دیا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ تم ابھی تک میرے مدعائے دلی کو سمجھنے سے ناکام ہو۔

کاش! وہ ایک ہیرا ہوتا کہ میں اسکے صدہا ٹکڑے کر کے انکا ایک مالا تیار کرتا۔ تاکہ وہ تمہاری نازک اور مرمریں گردن کا ہار بنے۔

کاش! وہ ایک خوبصورت، نوشگفتہ محور کن پھول ہوتا کہ میں اسکو اُسکی نازک ٹہنی سے توڑتا تاکہ وہ تمہاری عنبریں زلفوں کی زینت بنے لیکن آہ..... اے محبوبہ..... وہ تو ایک تڑپتا ہوا دل ہے جسکی وسعت و عمق کا کہاں پتہ!

تم اقلیم دل کی وسعت سے ہنوز بیگانہ ہو حالانکہ تم اس کی خود مختار ملکہ ہو۔

اگر وہ صرف ایک لمحہ مسرت ہوتا تو تمکے پھول سکراتے جس کی مسکراہٹ کو تم دیکھ سکتیں چھو سکتیں اور محسوس کر سکتیں۔

اگر وہ صرف ایک زندگی اچاٹ کر دینے والی خلش ہوتا تو شفاف، گرم اور پُر معنی آنسوں میں تبدیل ہو سکتا۔ جو بغیر ایک لفظ کہے دل کے تمام رازہائے سربستہ کا پوری طرح انکشاف کرتے..... مگر آہ۔ اے محبوبہ! وہ تو محبت کا بے پناہ سمندر ہے جس کی ایک موج مسرت و انبساط کا سا سماں پیش کرتی ہے تو دوسری

دلوں کو سرد کر دینے والی کیفیت طاری کر دیتی ہے۔ اس کی ناتناہی خواہشات کی کڑی فضائے بسیط کو مقید کئے ہوئے ہے ..... وہ تم سے اتنی ہی قریب ہے جتنی کہ تمہاری اپنی جان۔ لیکن آہ تم اس کو اتنی ہی دور متصور کرتی ہو۔

ٹیگور شہاب حیدرآباد

سلطان الہند

مصنفہ

مولوی امین الدین خاں صاحب مفتوں اجمیری

خواجۂ خواجگاں حضرت خواجہ معین الدین حسنی اجمیری قدس اللہ سرہ العزیز کی منظوم سوانح عمری

(بطرز مسدس حالی)

کسی تاریخی اور مذہبی واقعہ کو اس طرح نظم کرنا کہ تاریخی واقعات صحیح طور پر نظم ہو جائیں حشو و زوائد بھی نہ ہو اور شاعری کی خوبیاں بھی ہاتھ سے نہ جانے پائیں آپ کو اس کتاب میں ملینگی۔ سلطان الہند کے متعلق اخبار مدینہ بجنور مطبوعہ ۱۵ ستمبر ۴۲ء کی رائے ملاحظہ ہو

"جناب مفتوں اجمیری نے مسدس حالی کے انداز میں حضرت خواجگان خواجہ معین الدین حسنی اجمیری قدس اللہ سرہ العزیز کی سوانح عمری لکھی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ خوب لکھی ہے۔ علی العموم زبان درست، بندش چست کلام میں زور اور لطافت بھی موجود ہے بعض مقامات کے دکھانے میں قوت متخیلہ اور زبان نے خوب ساتھ دیا ہے۔ مثلاً راجہ پتھورا کے حکم سے حسنیان اجمیر کا حضرت خواجہ کے مریدوں کو بہلا پھسلا کے لئے بن منور کے جانا اور متعدد کوششوں کے بعد واپس آنا۔ یا جیپال جوگی کا سلطان الہند سے مقابلہ اور شکست و قبول اسلام وغیرہ

حقیقت یہ ہے کہ حلقہ بگوشان خانوادۂ چشت کے لئے یہ کتاب بہترین اور نایاب تحفہ ہے۔ قیمت ۶/

ملنے کا پتہ۔ مکتبہ ابراہیمیہ محی الدین بلڈنگ حیدرآباد

"نیند کیوں رات بھر نہیں آتی"

از

راقم قاسمی صاحب

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم البتہ تحقیق کہ ہمارے تئیں ایک عادت ہے جس کے جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں براہ کرم کوئی صاحب قصد طبع نہ فرمائیں اور وہ عادت شریفہ یہ ہے کہ ہم ہر چیز کی کیا کرتے ہیں تحقیق ایک دن نہیں خدا جھوٹ نہ بلوائے ایک رات جب مساجد سے نماز عشا بخیر و عافیت راہی جنت الفردوس ہو چکی اور ہم نے پیٹ کے دہندے سے فراغت پائی یعنی کھانا کھایا تو ایک پلنگ پر لیٹ گئے اس انداز سے کہ پلنگ پلنگ پر دری دری پر گدی گدی پر چادر چادر پر چار تکیے دو سرہانے اور دو ہاں پہلو اور اس تمام گروہ روئی تنائی پر چاروں شانے چت ہم مسلط اور ہمارے فراخ سینے پر ایک ننھی منھی جان المعروف بہ دیوان غالب سوار۔ مال گاڑی کے کوہ پیکر انجن کی طرح جب ہم سگریٹ کا لچھیدار دھواں اپنے دو دکش دہن سے بھک بھک اڑاتے ہوئے چل پے چل چل پے چل ردیف پائے تحتانی کے وسیع میدان میں پہنچے اور اس شعر پر نظر پڑی۔ موت کا ایک دن معین ہے ؎ نیند کیوں رات بھر نہیں آتی تو ہمارے دماغی انجن کے انجر پنجر ڈھیلے ہو گئے بڑی بڑی کوششیں کیں الامکان جتن کر ہارے مگر کیا مجال جو ایک انچ بھی آگے بڑھے ہوں بلکہ الٹے آنتیں گلے پڑیں

۔ وائرلس کے پیغام کی طرح مذکورہ بالا زیر نظر شعر کے تاثرات سرعت برق کے ساتھ آنکھوں سے دماغ، دماغ سے دل، دل سے امعاء، امعاء سے معدے میں پہنچ کر قلابازیاں کرنے لگے اور یک نہ شد دو شد کا معاملہ پیش آگیا پہلے تو صرف نیند کیوں رات بھر نہیں آتی کی تحقیق ہی جان کا گاہک بنی ہوئی تھی۔ اب معدہ کی قلابازیوں والے معاملے کی وجہ معلوم کرنا بھی ضروری ہوگئی کیونکہ کیا سٹر آئیل کے عوض تحقیق ہماری گھٹی میں پڑی ہے لہذا ہم اٹھے لوٹا لیا اور سیدھا بیت الخلاء داخل مثل مشہور ہے "جو بندہ یا بندۂ بیت الخلا میں پہنچتے ہی معدے کی قلابازیوں کی وجہ روز روشن کی طرح ظاہر ہوگئی یعنے تمام باتیں ایک ایک کرکے آنکھوں کے سامنے آگئیں خیال تھا کہ لگے ہاتھوں غالب کے شعر کی بھی تحقیق ہو جائیگی مگر یہ امید بیکار ثابت ہوئی افسوس اس مقام پر بھی جہاں ساری دنیا کی رفع حاجت باسانی ہو جاتی ہے۔ ہماری ایک حاجت رفع نہ ہو سکی ناچار کچھ مغموم اور کچھ مسرور وہاں سے آئے، مسرت کا یہ اثر تھا کہ لوٹا اٹھالیا اور غم کا یہ اثر کہ قندیل بھول آئے۔ خیر صاحب پھر بستر پر لیٹے اور لگے نیند کو لالچ دے دے کر بلانے مگر توبہ گھڑی بھر کو بھی آنکھ جھپکی ہو تو قسم لیجئے۔ تمام رات عالم استغراق میں گذر گئی خدا خدا کرکے پانچ بجے ہم نے بازو کے تکیوں کو آخری بار سینے سے لگایا۔ سرہانے کے تکیے سے تھوڑی دیر منہ ملتے رہے، اور تمام بستر کو یاس بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بادل ناخواستہ دیدۂ گریاں الوداع کہا۔ سو کر اٹھنے کے بعد آنکھوں سے پانی کیوں نکلتا ہے؟ یہ راز آج تک کسی کی سمجھ میں نہیں آسکا مگر ہم نے اس کی تحقیق کرلی ہے وہ یہ کہ اپنے رات بھر کے ساتھی کی جدائی کے غم میں آنسو نکلتے ہیں جس طرح عاشق اپنے معشوق سے بچھڑتے وقت روتے ہیں۔ خیر یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا۔ کہنا یہ ہے کہ جس وقت مرغ نے پہلی بار اذاں دی ہم بچشم نم کتب خانہ آصفیہ کے احاطے میں تھے دروازہ بند پاکر ہمارے پیروں تلے کی زمین نکل گئی اور ہم دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر زمین پر اکڑوں بیٹھ گئے دو گھنٹے کے کامل انتظار کے بعد ریلوے اسٹیشن کے ٹکٹ گھر کی طرح کتب خانہ کا دروازہ کھلا اور چپراسی سے ایک جوتا پہلے ہی جو شخص کتب خانے میں داخل ہوا وہ ہماری تحقیق شدہ ذات بابرکات تھی "نہ صبر و دل عاشق نہ آب و رنگ یار" والا مضمون تو آپ نے سنا ہی ہوگا پس تحقیق کہ ہم لگے چوطرف دیوان غالب کی شرحیں ڈھونڈنے ہماری قابل رحم حالت دیکھ کر منتظم کتب خانہ کو کچھ رحم آیا۔ اچھا جناب آپ کو کونسی کتاب درکار ہے ہم نے کہا دیوان غالب کی جتنی شرحیں یہاں موجود ہیں۔ منتظم صاحب کہنے لگے کہ فہرست دیکھ کر نمبر نوٹ کر دیجئے

میں ابھی نکلوا دیتا ہوں۔ اب خدارا آپ انصاف کیجئے کہ تحقیق کی خاطر جس شخص نے اپنے عزیز ترین رفیق یعنی بستر سے جدائی منظور کی ہو اور جس کے دو گھنٹے ایسوں کی طرح اکڑوں بیٹھے بیٹھے گذارے ہوں اس سے اتنی طویل شرائط "فہرست کھولنا ورق گردانی کرنا، نمبر دیکھنا، نمبر لکھنا چپراسی کو پرچہ دینا اور پھر بھی انتظار کرنا" کیونکر برداشت کیجا سکتی ہیں درآنحالیکہ تمام کتابیں الماریوں میں سامنے ہی رکھی ہوئی تھیں مگر کیا کرتے مجبوری تھی ہرچہ آید بر سر اولاد آدم بگزرد۔ خدا خدا کر کے شرحیں آئیں اور ہم نے ایک ایک کر کے نظم۔ سہا حالی، حسرت وغیرہ وغیرہ سب کی شرحیں دیکھ ڈالیں لیکن سب بے سود۔ کتب خانہ کا وقت بھی ختم ہو گیا مگر ہمارا شرحیں دیکھنا ختم نہ ہوا۔ اور جب شرحوں سے کام نہ چلا تو ہم نے کتب خانے کی تمام لغات پر بھی ہاتھ صاف کر دیا بلکہ منطق، فلسفہ، نفسیات، جمالیات، واہیات، خرافات، وراقات وغیرہ وغیرہ کتب بھی دیکھ ڈالے مگر دل کی خلش میرے جو پہلے تھی سو اب بھی ہے کا راگ الاپتے ہوئے ناکام اٹھنا پڑا گیٹ کے باہر نکلے تو بمبی ہوٹل پر نظر پڑی ساتھی "ادب از بے ادباں آموختم" کا مقولہ یاد آگیا۔ اپنی جیبوں کا جائزہ لیا تو ایک روپیہ ساڑھے چار آنے نکلے سنار ہے تھے ہم نے کہا ان پیسوں کے حسن توسط سے چائے خانہ میں شاید دل کی الجھن دور ہو جائے کیونکر فرماتے ہیں علمائے دین کہ پیسے ہیں چائے خانے کے درمیان ملک کے مشہور ادبا کمال شعرا فضلا وغیرہم پس تحقیق کہ ہم نے داخل کر دیا اپنے تئیں بھی درمیان چائے خانے کے اور لگا دی ایک دھواندار صدا ایک پیالی ڈبل کی۔ اور دوہرا دیا اپنے گوش نصیحت نیوش کو فضلائے چائے خانہ کے مباحث پر گول میز کانفرنس۔ نان کوآپریشن انڈین نیشنل مسلم لیگ۔ سارداایکٹ۔ نہرو رپورٹ۔ سائمن کمیشن پر مباحث ہوئے۔ گاندھی جی کی گرفتاری کے متعلق رائیں قائم کی گئیں متقدمین و متاخرین شعرا کے کلام پر تنقیدیں ہوئیں۔ دیوان غالب کے محاسن و معائب بیان کئے گئے مگر نہ کہی کسی نے تو ہمارے دل کی بات کہ نیند کیوں رات بھر نہیں آتی۔ حالانکہ ہم نے اسی کی تحقیق کے مارے کامل ایک روپیہ ساڑھے چار آنے چائے کی نظر کر دیا البتہ اتنا ضرور ہوا کہ جب ہم ساڑھے بیس پیالی فرد قرار داد جرم عائد کر رہے تھے تو ہمارا اعلیٰ ظرف اور صابر معدہ بھی ناچار بغاوت پر آمادہ ہو گیا اور سائمن گو بیک کی طرح نکالو نکالو کے شکم شگاف بروزن فلک شگاف نعرے بلند کرنے لگا اگرچہ کہ از راہ شکم پروری ہم نے اس کی اپیل منظور کر لی اور قریب کی مسجد میں جا کر اخراج کے احکام بھی اجرا کر دئے مگر آپ نے سنا ہو گا عقلمند کی دور بلا معدے کی بغاوت کے باعث غالب کا یہ مصرع دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھا کا مطلب سمجھ میں آگیا گھر پہنچے تو دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ ہمارے عقیدے میں کفران نعمت گناہ عظیم

چاہا کہ کھانے پر کچھ دست درازی کریں لیکن ہاتھ تو ہاتھ دل و دماغ کو بھی معدے کے زیر فرمان پا کر سخت حیرت ہونے لگی۔ بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیت دل جو مملکت جسمانی کا بادشاہ ہے آج معدے کا تابع فرمان کیونکر ہو گیا! ابھی اس مسئلہ پر اچھی طرح غور بھی نہ کیا تھا کہ پھر نکالو نکالو! کے نعروں سے فضائے شکم گونج اٹھی۔

بہت دیر کے غور و خوض کے بعد ہمارا خیال انقلاب افغانستان کی طرف منتقل ہوا کہ جس طرح بچہ سقہ نے چند روزہ حکومت کر لی اسی طرح حضرت معدہ کی آج حکمرانی ہے اگر اعلیٰحضرت دل اپنے حریص مشیر نفس کی صلاح کو منظور نہ کرتے اور ولایت خواہش کی سراب آسا رنگینیوں پر نظر ڈالتے تو آج یہ روز بد دیکھنا نہ پڑتا۔ بہر طور جلد یا بدیر یہ معمہ بھی حل ہو گیا مگر جس کے کارن یہ سب کچھ ہوا اور جس کی تحقیق کے ضمن میں یہ تمام معلومات حاصل ہوئیں وہی معمہ آخر نہ حل ہونا تھا نہ ہوا حتیٰ کہ دن گذرا رات آئی اور وہی ڈھاک کے تین پات والا معاملہ اپنے ساتھ لائی یعنی نیند کیوں رات بھر نہیں آتی لیکن ہم جیسے محقق بھی کبھی ہمت ہارے ہیں؟ ہم نے بھی فوراً خیالی وائرلس کے ذریعہ سے یہ اہم مسئلہ گول میز کانفرنس میں پیش کر دیا۔ وہاں سے جواب ملا کہ سیاسیات کی موجودہ مکدر فضا بیخوابی کا باعث، اگرچہ بات کہی ہوئی تھی و انایان فرنگ کی لیکن کچھ جی کو نہیں لگی۔ خیال ہوا کہ لاؤ گاندھی جی سے پوچھیں کیونکہ فی زمانہ یہ بہت زیادہ عقلمند سمجھے جاتے ہیں۔ لہٰذا اسی خیالی وائرلس کی مدد سے اپنے دل کا درد مہاتما جی کی خدمت میں پیش کیا۔ ارشاد ہوا کہ جب تک ہندوستان آزاد نہ ہو جائے رات بھر تو کیا گھڑی بھر بھی نیند نہیں آسکتی اور جو ایسے نازک وقت پر سوتا رہے یا سونا چاہے وہ ملک اور قوم کا کھلا دشمن ہے۔ لیجئے صاحب! توقع جن سے تھی کچھ خستگی میں داد پانے کی وہ ہم سے بھی زیادہ خستہ تیغ ستم نکلے۔ اسی کو کہتے ہیں نماز بخشوانے گئے تو روزے گلے پڑے۔ خیر چاہے کچھ ہو مذکورہ بالا شعر کا مطلب تو سمجھ میں آگیا۔ مگر اصل عقدہ یہاں بھی حل نہ ہوا۔ ؎

رہا عقدہ یہ لاینحل جو چابک دست تھے ہارے
کسی کے ناخن ادراک نے کچھ کی نہ گیرائی

آخر کار بہزار دقت آلات جدیدہ کے توسط سے مرزا غالب کی روح حاضر کی گئی لیکن یہ مہربان تو ایسے ہوئے انجان کہ جیسے جانتا ہی نہیں گویا نیند کیوں رات بھر نہیں آتی والا شعر ان کا کہا ہوا نہیں ہے

ہمارے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں خواب اور بیداری کی قیود سے آزاد ہوں میں یہ تک نہیں جانتا کہ نیند کس کو کہتے ہیں اور بیداری کیا چیز ہے۔ ؎

آہ کچھ نہ پوچھئے کہ یہ جواب صاف سنکر ہماری کیا حالت ہوئی۔ ؎

مایوس ہو کے پلٹیں جب ہر طرف سے نظریں
بستر کو بت بنایا تکیوں سے گفتگو کی

عالم مایوسی میں اپنے عزیز ترین یعنے بستر سے لپٹ کر رونے لگے نہ جانے اس حالت میں کتنی دیر گذر چکی تھی کہ کسی نے چپکے سے ہمارے رخسار پر ایک چٹکی لے لی مگر ہم نے کو اپنے دل و جان عزیز محبوب کی شرارت سمجھ کر خاموش ہو رہے جب جسم کے متعدد مقامات پر مسلسل چٹکیاں بھری جانے لگیں تو ہم نے عاجز ہو کر اپنے شرمیلے معشوق کے رخ انور سے نقاب الٹ دی یعنی بستر کی چادر ہٹائی تو دیکھا کہ ان گنت کھٹمل قطار ہائے خون کی طرح دوڑ رہے ہیں پھر کیا تھا فوراً اس شعر کا مطلب سمجھ میں آگیا کہ "نیند کیوں رات بھر نہیں آتی" اور اب مارے خوشی کے نگے ہم شور مچانے۔

بچہ بغل میں ڈھنڈورا شہر میں! بچہ بغل میں ڈھنڈورا شہر میں۔

غور و فکر اور علم

غور و فکر کے ذریعہ سے علم تک رسائی ہوتی ہے۔ ہر کوئی دیکھ سن اور پڑھ سکتا ہے جو چاہے، اور جسقدر چاہے سیکھ سکتا ہے، لیکن اس سے وہ کوئی بات جان نہیں سکتا، بجز ان امور کے جن پر غور و فکر کر کے اس نے سرمایہ خرد بنا لیا ہو۔

اب اگر میں یہ کہوں کہ انسان غور و فکر کے ذریعہ سے ہی حقیقی انسان بنتا ہے تو کیا یہ بیان مبالغہ آمیز سمجھا جائیگا؟۔

(نامعلوم)

مترجمہ امنتا (حیدرآبادی)

افسانہ نگار کی غلطی

از

جناب نقش عالمی صاحب

رشید کو اپنی محبوبہ الفت سے جدا ہوئے کوئی چھ سال کا عرصہ گذرا ہوگا۔ وہ ایک مشہور افسانہ نگار تھا اردو دنیا میں شہرت حاصل ہونے کی بڑی وجہ تھی کہ وہ ہمیشہ غمگین افسانے لکھا کرتا تھا اس کا غم دوست دلِ فراق کے صدمے برداشت کر کے مجسمہ غم بن گیا تھا۔

ایک روز جب وہ افسانہ لکھ رہا تھا الفت کا خیال بری طرح ستانے لگا۔ وہ لکھنے کی میز سے اٹھا اور پلنگ پر لیٹ کر آنسو بہانے میں مشغول ہوگیا ایک ایک کر کے گذشتہ واقعات یاد آنے لگے اس کے تصور میں الفت کھڑی باتیں کر رہی تھی۔ وہ اپنے دل میں خاص خوشی محسوس کرنے لگا۔

رشید نے قصہ کی ابتدا اس طرح کی تھی کہ کسی گاؤں میں ایک یہ کا گھر تھا اس کے ایک نور نظر تھی جس کا نام خاتون تھا وہ ہمیشہ طالب سے کھیلا کرتی تھی جس کا والد فوج میں معمولی عہدہ پر تھا۔ ان دونوں کی عمریں

صورتیں کچھ ایسی تھیں کہ اجنبی کو بہن بھائی کا گمان ہوتا۔ دونوں کے گھر بھی پاس پاس تھے اس لئے وہ دن بھر کھیلا کرتے۔

جب انھوں نے بچپن کے معصوم میدان کو طے کر کے شباب کے سرسبز و شاداب چمن میں قدم رکھا تو طالب کی نگاہیں خاتون میں نئی نئی چیزیں دیکھنے لگیں۔ اب خاتون پہلے کی سی نہ تھی بلکہ سادگی نے ناز و ادا کا درجہ حاصل کیا تھا۔ اس کے گلابی رخساروں میں غضب کا حسن اور آنکھوں میں بلا کا جادو تھا۔ وہ اپنے چلبلے پن سے طالب کے معصوم دل پر ہنس کر بجلیاں گراتی اور سریلی دلکش آواز کے سحر نے رشید کو زنداں الفت میں محبور کر دیا۔

خاتون کے والد نے طالب کو پردہ کی رسم کی وجہ سے مغموم کرنا پسند نہ کیا چونکہ دونوں بچپن کے رفیق تھے ایک دم اس طرح جدا کرنے سے ہر دو کے دلوں کو ناقابل برداشت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ تھا اس لئے خاتون کو اس کی خالہ کے گھر روانہ کر دیا۔ دونوں میں سے کسی کو بھی اس راز کی خبر نہ تھی افسوس طالب کو معلوم نہ تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے اور اسے زمانہ کو بکو دیار بدیار پھرانے پر تلا ہوا ہے۔ طالب نے خاتون سے جدا ہوتے وقت بے حد ضبط سے کام لیا مگر آنسو تھم نہ سکے، طالب نے خاتون کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا "پیاری خاتون مجھے تم بھول نہ جانا"

یہاں تک لکھنے کے بعد رشید کو الفت کا خیال بری طرح ستانے لگا اور وہ خیال یار سے دل بہلانے لگا۔ جب اس کا غم آنسوؤں کی صورت میں بہہ نکلا تو وہ پھر لکھنے کی میز پر آیا لیکن افسانے کی ہیروین کو بھولا ہوا۔

دو الفت کو بچھڑے چار سال گذر گئے۔ جب کبھی طالب اس کے والد سے دریافت کرتا تو وہ خیریت سے ہے۔ کہہ کر ٹال دیتا، طالب کے دل میں الفت کی محبت اثر کر چکی تھی۔ وہ خود کو الفت اور پیاری الفت کے خیال میں کھو چکا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ وہ پھر کبھی الفت کی صورت نہیں دیکھ سکتا۔ اس خیال کے ساتھ ہی آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلتا اور سرد آہیں دماغ سوختیں۔ الفت کی محبت نے عاشق صادق کو مجنوں بنا دیا اور وہ کو بکو ویرانوں اور جنگلوں میں مارا مارا پھرنے لگا۔ آہ افسوس وہی طالب جو کبھی حسن افروز شباب کا مرکز تھا عشق میں پڑنے کے بعد ایسا خانماں برباد ہوا کہ پیر صاحب دل اس کی ناگفتہ بہ حالت پر چار آنسو بہا دیتا۔

وہ ظالم امیر اپنی چند روزہ دولت کے نشہ میں اتنا مخمور ہوا کہ محبت کے اعلیٰ اور پاک مرتبے اسکی کمینہ نظروں میں ہیچ نظر آنے لگے۔ وہ بارہا اپنے کم ظرف دل سے کہتا "بھلا مجھ جیسے امیر کبیر سے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اپنی نورِ نظر کو ایک معمولی فوجی کے لڑکے سے بیاہ دوں، نہ تو طالب کے والد کی سوسائٹی میں عزت ہے اور نہ اس کے گھر پر موٹر، بے شک طالب ایک خوبصورت تعلیم یافتہ نوجوان ضرور ہے مگر اس کا باپ دولتمند نہیں"

اس تنگ نظر دولت کے غلام کو معلوم نہ تھا محبت ان تمام قیود سے آزاد ہے۔ یہاں کوہکن اور ایران کی شہزادی ہر دو مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ جب محبت کی چنگاری کسی دل میں روشن ہو جاتی ہے۔ تو وہ دنیا کے تمام قیود سے آزاد ہو جاتا ہے اسے اپنی تک خبر نہیں رہتی طالب پر بھی محبت کی نظر عنایت پڑ چکی تھی اور وہ الفت اور پیاری الفت پر جان دیتا تھا۔

طالب کو شہر کے شریر لڑکے ستایا کرتے اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے مگر وہ خاموش سر جھکائے رہتا کسی نے پوچھا "بھئی کس کی تلاش ہے"، وہ ننھے بچہ کی طرح رونے لگا۔ سر پکڑ کے راستہ پر بیٹھ گیا۔ پھر اٹھا اور دیوانہ وار دریا کی طرف دوڑتا ہوا کہنے لگا "اس کی تلاش ہے جو پردے میں ہے اور میرا امتحان لیا جاتا ہے" اُف اُف" کہتا ہوا دریا میں کود پڑا دریا کو اس کی بے سروساماں پر ترس آیا اور اسکی تکالیف کا خاتمہ کر دینے کے لئے اپنی آغوش میں لے لیا۔

رشید نے افسانے کو شہر کے مشہور و معروف رسالہ میں بھیجدیا جب رسالہ منظر عام پر آیا تو بہت سارو ں نے خاتون کی بجائے الفت کو کاتب کی غلطی پر محمول کر کے نظر انداز کر دیا۔ مگر الفت کی نظر سے جب یہ رسالہ گذرا تو اس کے سوئے ہوئے فتنوں میں ایک چنگاری سی پڑ گئی اور وہ تلاش یار پر مجبور ہو گئی

صبح کا وقت تھا۔ آفتاب اپنی تیز اور چمکدار شعاعیں سطح زمین پر نہایت فیاضی سے پھینک رہا تھا رشید کسی کے خیال سے دل بہلانے میں مصروف تھا۔ وہ اپنے خیال میں غرق ہو گیا تھا کھڑکی کے شفاف شیشوں میں سے کسی کی مضطرب نگاہیں اسے دیکھ رہی تھیں۔ مگر وہ بے خبر تھا "رشید پیارے" رشید کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ کرسی پر سے اچھل پڑا اور دروازے کی جانب لپکا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہی چھ سال کی

کی بچھڑی ہوئی الفت پھر روبرو ہے۔ اسے اپنی قوت بینائی پر تبہ ہونے لگا۔ وہ سکتہ کے عالم میں کھڑا تھا کہ الفت "رہائے رشید" کہتی ہوئی اس کی جانب بڑھی

اے نازنین

از ٹیگور

ترجمہ جناب مصطفےٰ علی صاحب گرامی خلف نواب اصالت جنگ

تیری ٹوکری ورنی ہے تیرے نازک اعضا تھکن سے چور ہو گئے ہیں وہ دنیا کی ایسی کونسی شے ہے جس کے پھول کی خواہش نے تجھ سی پری پیکر کو ایسے تکلیف دہ سفر پر مجبور کیا؟ بتا تو کہاں سے آرہی ہے اور کہاں جائیگی؟ منزل دور ہے آفتاب کی حدت سے ریت تپ رہی ہے، دیکھ پانی گہرا اور شفاف چشمہ پاٹوں بہہ رہا ہے جس کے ڈھلوان ہری ہری نرم گھاس سے پٹے ہوئے ہیں ـــــ آ اور اپنے گرد و غبار سے اٹے ہوئے سہمین پاؤں سے چشمے کی بیتاب موجوں کو ہم آغوش ہونے کا موقع دے ـــــ دوپہر کی تیز و تند ہوا اپنی نقرئی انگلیوں سے تیری عرق آلود زلف عنبریں کو خشک کریگی خوش الحان طیور نغمہ سرائی کرینگے اور درختاں سبز پوش جھوم جھوم کر تجھے لوری سنائینگے۔ دن ڈوب رہا ہے تو ڈوبنے دے۔ وقت کے گذرنے کی پروا نہ کر۔ رات کی تاریکی اس ویران جنگل سے گذرنے کو راستہ نہیں دیگی تو نہ سہی وہ دیکھ مہندی کی باڑ کے وسط میں میرا آرام دہ جھونپڑا دکھائی دے رہا ہے میں تجھے وہاں لے چلونگا تیرے لئے اپنا غریبانہ مگر راحت بخش بستر بچھا دونگا اور ایک ٹمٹماتا ہوا مگر مکروہات دنیا کو جلا دینے والا چراغ روشن کردوں گا صبح جب چڑیاں آشیانوں سے نکلتی ہیں اور گوالنیں دودھ دوہتی ہیں میں تجھے جگا دونگا تو اپنی منزل کی طرف چلی جانا ـــــ

دِل کی پیاس

محبت کے اثر سے قبل جب سنسان تھی دنیا
یہ عالم تھا کہ تا حدِ نظر ویراں تھی دنیا

نہ ارباب تماشا تھے نہ سامانِ تماشا تھا
نہ امید تماشا تھی نہ امکاں تماشا تھا

نہ کوئی دلکشی تھی زندگی کی خشک راتوں میں
نہ کوئی تازگی تھی روح کی بے کیف باتوں میں

فضاؤں پر عجب پُر خوف سناٹا سا طاری تھا
ہواؤں کی زباں پر ایک غمگیں گیت جاری تھا

ہر اک ذرہ مجھے سویا ہوا معلوم ہوتا تھا
زمانہ خواب میں کھویا ہوا معلوم ہوتا تھا

ستاروں پر خموشی چھا چکی تھی آسمانوں میں
بہاروں پر اُداسی آ چکی تھی گلستانوں میں

میں یہ حالاتِ دنیا دیکھ کر بیزار دنیا تھا
کہ میری روح بھی پیاسی تھی میرا دل بھی پیاسا تھا

یکایک عالمِ جذبات میں اک انقلاب آیا
جلو میں بجلیوں کو لیکے وہ سرمست شباب آیا

گلستانوں میں روحِ زندگی پھونکی بہاروں نے
مسرت میں فلک سے پھول برسائے ستاروں نے

دلِ بے سوز میں الفت کی شمعیں جگمگا اٹھیں
میری تبدیلی حالت پہ کلیاں مسکرا اٹھیں

ہوا کو نغمہ ہائے عشق نے دلچسپیاں بخشیں
فضا کو جلوہ ہائے حسن نے رنگینیاں بخشیں

میرے دل پر گرائیں بجلیاں اُسکی نگاہوں نے
بدل ڈالا نظامِ دہر میری گرم آہوں نے

اٹھایا دل نے اک طوفان جذباتِ محبت کا
نتیجہ یہ کہ پورا ہو گیا ارمان فطرت کا

مٹا دی تشنگی روح احساسِ اذیت نے
بجھا دی میرے دل کی پیاس غمہائے محبت نے

شاہد صدیقی اکبرآبادی

رموزِ خاموشی

از

(از سید اختر حسن اختر جامعہ عثمانیہ)

میرے ایک عزیز (اور کس قدر عزیز!) دوست، جن کے نام کی "تابانیوں" اور کام کی "درخشانیوں" نے کچھ دنوں سے ہمارے "حلقۂ ادب" میں ایک انقلابِ عظیم پیدا کر دیا ہے ـــ ایک دن مجھ سے فرمانے لگے کہ "تمہارا سب سے محبوب شغل کیا ہے؟" میں نے سنجیدگی آمیز مذاق کے ساتھ جواب دیا ـــ "خدا کرے آپ نہ سمجھیں لیکن میرا محبوب شغل یہ ہے کہ آپ کی معیت میں "تبت"، اور "بت شکن" کے باہمی رابطوں پر غور کروں اور صرف اپنی "خاموشیوں" سے دوسروں کی "گفتگوؤں" کا جواب دوں ـــ"

شاید میرے "یارِ عزیز" نے اس سمہ کو کچھ نہ کچھ حل کر لیا اور نہایت متانت سے گردن ہلاتے ہوئے مسکرا دئے میں نے بھی نگاہوں سے اُن کی فراست کی داد دی اور زیرِ لب لہجہ میں یہ مصرع گنگنانے لگا۔ ع

"نازنینے کہ لطیف است نہ سرتا بہ قدم"

اِس واقعہ کو بہت دِن ہو گئے ـــ شاید دو مہینہ، یا اِس سے بھی زیادہ لیکن ابھی ایک ہفتہ کا ذکر ہے کہ زمانہ کے ستم شعار ہاتھوں نے اُسی "رنگین ورق" کو الٹ کر پھر میرے پیشِ نظر کر دیا۔

عنوان کی "دلفریبیوں" پر جان نذر کرنے سے پہلے وقت کی ستم ظریفی پر نثار ہو جانے کو جی چاہا،

بہرحال سجے ہوئے نقوش از سرِ نو تازہ ہو گئے ـــ اب اگر ان "نقوش" کی نظر فریب رنگینیوں کو میری نگاہیں جذب کر چکی ہیں تو اس میں میرا کیا قصور ـــ؟ ہو سکتا ہے کہ یہ "جذب" ایک "منتقل صورت" اختیار کر لے لیکن میں اپنی حد تک تو اس سے گریز کی کوشش کروں گا ـــ لیکن مجھے افسوس ہے کہ عبارت پیچیدہ ہوتی جا رہی ہے اور مفہوم غیر واضح ـــ پر کیا کیا جائے؟ یہ عنوان، اور یہ مضمون ـــ معاذ اللہ!! یہ فسانہ نہیں دنیا کو سنانے کے لئے اچھا سا معمولی اور مختصر الفاظ میں سیدھی طور پر کچھ خاص خاص باتیں حوالۂ قلم کرتا ہوں، اگر میرا "محبوب مشغلہ" اجازت دیتا تو بہت کچھ لکھتا، خیر خدا وہ دن کرے ..... خاموشی، خاموشی... خاموشی"، ! بس یہی میرا محبوب مشغلہ ہے۔ یہی میرا دلچسپ شغل ہے ـــ اب اس کی تفصیلات میں بہت سی باتیں آجاتی ہیں جن کو مصلحتاً نظر انداز کیا جاتا ہے ـــ ہاں مضمون کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

کون سمجھ سکتا ہے کہ میں نے "خاموشی" کی بدولت کتنے فائدے اٹھائے ہیں اور کس قدر مفید کام سرانجام دئے ہیں؟ ہاں تکلیف تو ہوگی ـــ لیکن میرا روز کا نظام العمل بھی ذرا سن لیجئے۔ سات بجے "بیدار" ہوتا ہوں۔ (اگر فجر کے وقت اٹھنے کا عادی ہوتا تو بیدار کا لفظ استعمال نہ کرتا) اور نہایت خاموشی کیساتھ تمام ضروریات سے فارغ ہو کر لکھنے کی میز پر آجاتا ہوں ـــ اس عرصہ میں اردگرد کی ہزاروں چیزیں میری خاموش نظروں کے سامنے شور و غل مچا مچا کر مجھے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتی ہیں ـــ میں نہایت آہستگی، سنجیدگی، اور متانت کے ساتھ ہر "چیخ" کا جواب ایک خاموش "آہ"، اور ہر "شورش" کا جواب ایک "مدہم مسکراہٹ" سے ادا کرتا ہوں ـــ اس کے بعد "کالج کی گلیاں"، یاد آتی ہیں اس کا گھنٹہ میرے نزدیک "فریاد جرس" کا حکم رکھتا ہے، میرا قلم رک جاتا ہے، شائد وہ بھی تائید کرتا ہے کہ ـــ "ہر بندیدہ محملہا" ـــ کالج کے اوقات میں مجھے اپنے ضمیر کے خلاف بہت کچھ بولنا پڑتا ہے اس کے بعد چار بجے سے میرے سکوت کا دور شروع ہو جاتا ہے اگر کسی نے کوئی سوال کیا تو مختصر الفاظ میں اس کا جواب دے دیا اور پھر اپنے محبوب شغل میں محو ہو گیا ـــ شاید میرے محترم قارئین کو یہ بدگمانی پیدا ہو چلی ہے کہ مجھے بات کرنا نہیں آتی اور اس عیب کو چھپانے کے لئے میں چپ رہتا ہوں۔ مگر میں یقین دلاتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے میں نے بہت سوچ سمجھ کر اس مشغلہ کو شروع کیا ہے اور یہاں تک اس پر کاربند ہوں کہ حتی الامکان تحریر میں بھی "وہ بات" اور "مطلب" کو چھپانے کی کوشش کرتا ہوں ـــ

خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری!

میں نہیں کہہ سکتا کہ کب تک اپنے اس شغل کو جاری رکھوں گا اور کس وقت تک میں اپنے ساتھیوں کو اکیلا کروں گا؟ لیکن اتنا ضرور ہے کہ جب میرا مطمح نظر، میرا نصب العین، پایہ تکمیل کو پہونچنے لگے گا تو اپنی خاموشیوں کو ایک مستقل بکواس میں تبدیل کر دونگا ــــ انشاء اللہ! ہاں تو چار بجے سے لیکر مغرب تک میرا شغل اور بھی زیادہ محبوب ہو جاتا ہے اس لئے کہ اس وقت، اس عرصہ میں، میں سیر و تفریح کی خاطر باہر نکل آجاتا ہوں ــــ میرے عزیز دوست کے اصرار کو کون رد کر سکتا ہے۔؟ اُن کا حکم ہوتا ہے کہ میں ان کے ساتھ چائے پیوں اور پھر ہوٹل میں، ایسی ہوٹل میں جو لب سڑک واقع ہو، کیا یہ میری خوش نصیبی نہیں ہے؟ وہ ہوٹل کے مالک سے گفتگو کرتے ہیں، اپنے آنے جانے والے دوست احباب سے ہم کلام ہوتے ہیں، پان والے سے بولتے ہیں، ملازم کو آواز دیتے ہیں اور یہ سب سوال و جواب، یا ساری باتیں، میری خاموش نگاہوں کے سامنے حیرت کا ایک طلسم کھڑا کر دیتی ہیں ــــ اور پھر، اس کے علاوہ ہوٹل میں بہت سے لوگ آتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ ایک لمحہ کے لئے بھی کسی کی زبان نہیں رکتی، بہت اچھا منظر ہوتا ہے۔ شیریں، دلفریب، نظر نواز، اور میں ٹھیک ہے، میں کبھی کبھی اپنی "بیاض" میں بعض اچھی باتوں کو لکھتا جاتا ہوں ــــ اور پھر گھر واپس ہو کر اُن کو دُھراتا ہوں تاکہ یاد ہو جائیں تمام کو تسہیل دلنواز سڑکوں پر تفریح کے لئے نکلنا بہت پر لطف شغل ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہر شخص اس منظر سے کیف اندوز نہیں ہو سکتا، لوگ اپنی گفتگو سے اس دلکش سے کی شعریت کو مجروح کر دیتے ہیں ــــ "بریں ذوق انسان باید گریست!" ــــ دیکھئے! مجھ میں اور دوسروں میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ میں جب سیر سے واپس آتا ہوں تو بہت سی باتیں میرے ذہن میں محفوظ ہوتی ہیں لیکن میرے دوسرے احباب جیسے جاتے ہیں ویسے ہی واپس چلے آتے ہیں، کیا فائدہ ایسی تفریح سے۔؟

جب میرے سکوت کا پیمانہ خیالات، جذبات، اور مشاہدات، کی مے سے لبریز ہو جائے گا اس وقت مجھے اُمید ہے کہ میں دوسروں کو بھی اس کی لذتوں سے کامیاب کر سکونگا ــــ پھر دیکھنا ہے کون تھکتا ہے؟

سچ عرض کرتا ہوں کہ خاموشی کی لذتیں گفتگو میں نہیں، آپ انسان کی فطرت کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں

چاہتے ہیں کہ اُس کے خیالات، جذبات، اُس کے اخلاق و عادات اور اس کے کردار سے بہ خوبی واقف ہو جائیں تو بس "خاموشی" کا حربہ استعمال کیجیے۔ یعنی اس سے ملیے لیکن بالکل چُپ، خاموش، ساکن، گویا آپ کچھ جانتے ہی نہیں۔ اپنے کو بالکل جاہل اور بیوقوف بنا کر اُس کے آگے پیش کیجیے پھر دیکھیے کس طرح وہ اپنے راز فاش کرتا چلا جاتا ہے — جن کو وہ اب تک، دوسرے بڑے بڑے لوگوں سے مرغوب ہو کر، اپنے سینہ میں محفوظ کیے ہوئے تھا۔

خاموشی سیکڑوں مصیبتوں، ہزاروں بلاؤں سے آپ کو بچائے رکھتی ہے، مثل مشہور ہے کہ "بات میں بات نکلتی ہے — لہذا ؎

خاموشی بہ کہ خمیرِ دلِ خویش　　باکسے گفتن و گفتن کہ مگو!

لیکن محض خاموش رہنا کچھ زیادہ مفید نہیں، خاموشی کو بھی اپنا ایک خاص شغل سمجھنا چاہیے جیسا میں نے سمجھ رکھا ہے۔ مجھے ہر وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مسلسل ساکت اور خاموش رہتی ہے میں بھی چپ رہتا ہوں — اور پھر دنیا کے ہنگامے، زندگی کے شور و غل، غرض ساری چیزیں میرے سامنے "بازیچۂ اطفال" کی حیثیت رکھتی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا وجود ایک عظیم الشان سیلاب کے مانند ہے جو بڑے زور و شور کے ساتھ بہتا چلا جا رہا ہے اور انسانوں کی حیثیت اس میں خس و خاشاک کے برابر ہے، جدھر سیلاب کا رخ ہے اُسی طرف وہ بھی بہے چلے جا رہے ہیں اور میں — صرف میں لب ساحل، خاموش، تنہا اُس کے نظارے میں محو ہوں واقعی کس قدر لاجواب مشغلہ ہے —!

مجلہ مکتبہ میں اشتہار دیکر فائدہ اٹھائیے۔

منیجر

غزل

از مولانا امی حیدرآبادی

پیک صبا! زیار بسویم بیار خط — ناید به کار هیچ ز غیرش هزار خط
سازِ تنوعی به عبارات حسن خط — کامِ دلم ربود بشد کامگار خط
ای خط به غیر چند نویسی به من بس — بنیاد دوستی که کند استوار خط
دل بند در لفافه! بران ثبت مهر او — چون در حضور یار رود دلفگار خط
بر شاخسار گل همه خونِ جگر خورد — اجرا کنم چو در بر پر هزار خط
کفرست پرسشِ دل کافر ادا پرست — در دورِ عارضِ تو برافروخت نار خط
خوش صفحه ایست روی صنم! باد تا ابد — کو از کرم نوشت به خطِ غبارِ خط
سوگند میخورم به فسخان که بخت یار — کو سوی من نوشت به برگ چنار خط
سحر البیان ز امی گم گشته باز جو — از عشق دفتریست که باغ و بهار خط

امی که روزمرهٔ پارس لسان اوست
با شاهدانِ قوم چه شده همکنار خط

تنقیدیں

دروں افرازیات (انڈوکرینالوجی)

انسانی زندگی میں جنسیات کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا گزشتہ صدی میں جنسی مسائل کی توجیہ میں تشریحات (اناٹمی) اور فعلیات (فزیالوجی) سے مدد لی جاتی تھی لیکن بیسویں صدی کی ابتدا سے یہ جگہ حیاتی کیمیا (بیوکیمسٹری) کو حاصل ہوگئی۔ اسی علم کا ایک نہایت اہم شعبہ درونِ افرازیات (انڈوکرینالوجی) ہے جو اندرونی طوبت اور ہارمونس سے بحث کرتا ہے اس مضمون کی نظری اور عملی اہمیت روز بروز بڑھتی جارہی ہے، یورپی ممالک کی ممتاز یونیورسٹیوں اور طبی مراکز میں علماء اس شعبہ کی تحقیق و تدقیق میں مصروف ہیں۔ ہندوستانی یونیورسٹیوں اور بالخصوص طبیہ کالجوں میں اس شعبہ کی تعلیم یقیناً اشد ضروری ہے ڈاکٹر اشرف الحق صاحب ان چند ہندوستانی اطبا میں سے ہیں جنھوں نے اس نئے شعبہ کی تحصیل یورپ میں کی ہے اور انہوں نے ایک مختصر پمفلٹ اس مضمون پر لکھ کر اردو داں طبقہ کو اس جدید مضمون سے واقف کرانے کی جو کوشش کی ہے وہ نہایت قابلِ تحسین ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ رسالہ نہایت مختصر ہے لیکن اس میں درونِ افرازیات کے نظری اور عملی پہلو کی اہمیت سرسری طور پر ظاہر کی گئی۔ رسالہ ہذا کا مطالعہ طلبائے سائنس اور عام قارئین دونوں کے لئے، یکساں مفید ہے۔ ڈاکٹر صاحب سے ہم متوقع ہیں کہ اس سلسلہ کے اور رسالے حسب وعدہ جلد شائع کریں اور اس طرح اردو میں طبی اور سائنسی لٹریچر کا اضافہ کریں۔

بڑھاپے کا مقابلہ

یہ شہرۂ آفاق جرمن عالم ڈاکٹر اشٹناخ کی ایک تصنیف کا ترجمہ ہے ڈاکٹر مذکور کی شہرت جنسیات اور انڈوکرینالوجی کے ماہر حیثیت سے محتاجِ بیان نہیں اسی نے سب سے پہلے جانوروں کی تذکیر (Masculization) اور تانیث (Feminization) پر تجربات کئے اور پھر خصی شدہ جانوروں میں تعلیم کے عمل سے ثابت کیا کہ جنسی افعال تشریحات پر مبنی نہیں بلکہ درونِ افرازیات سے متعلق ہیں۔ اس نے اس کے بعد انسانوں

کے لئے ایک مفید عمل جراحی ایجاد کیا۔ یہ عمل واز وگیشن اور ابو جنیا ٹی پر مشتمل ہے اور یہی انسان کی تشبیب (Rejuvenation) کے باعث ہوتا ہے۔ اسی عمل سے انسان بوڑھاپے سے مقابلہ کرتا ہے۔ اس رسالہ میں مختلف محققین کی کاوشوں اور عمل جراحی کے نتائج بیان کئے گئے ہیں شٹینخ کی اپنی تصنیف کا مطالعہ طلبائے سائنس وطبابت کے لئے نہایت دلچسپ اور سبق آموز ہے۔

کسی یورپی زبان اور بالخصوص جرمن زبان سے علمی اور فنی کتاب کا اردو میں ترجمہ نہایت مشکل ہے، تاہم ڈاکٹر اشرف الحق صاحب قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے ایسے دقیق کام میں کامیابی حاصل کی۔ ترجمہ نہایت صاف اور واضح ہے انداز بیان سہل اور دلچسپ، اصطلاحات کے ترجمہ کے وقت اگر اصطلاحات جامعہ عثمانیہ بھی پیش نظر ہوتے تو بہتر تھا بعض الفاظ کے ترجمہ سے ہمیں اختلاف ہے مثلاً تقبض (انقباض عثمانیہ)

کیمیائی ردعمل (کیمیائی تعامل) ظاہری (خارجی)

منسوج - (نسیج) عضوی بازتولید (عضویاتی تشبیب)

سید شاہ محمد، ایم، اس، سی

ترجمان القرآن

تقطیع رائل سائز ۱/۸ صفحات (۶۲) مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس۔
ملنے کا پتہ:۔ تحریک قرآن اکیڈمی حیدرآباد دکن۔ چندہ سالانہ)

یہ حیدرآباد دکن کا ایک ماہوار مذہبی رسالہ ہے جو تقریباً ایک سال سے جاری ہے۔ رسالہ کا واحد مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کو قرآن مجید کی صحیح تعلیم دی جائے کہ وہ اصلی معنوں میں مسلمان کہلائے جاسکیں حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو انہیں امور پر توجہ کرنے کی زیادہ ضرورت ہے اس لئے کہ محض طوطے کی طرح بے سوچے سمجھے قرآن شریف کا پڑھنا ذرا بھی مفید ثابت نہیں ہوسکتا۔ آج ہم دنیوی علوم وفنون حاصل کرنے کے لئے غیروں کے آگے زانوئے شاگردی تہ کرنا باعث فخر سمجھتے ہیں مگر کبھی ٹھنڈے دل سے اس پر غور نہیں کرتے کہ آخر وہ کونسا معجزہ تھا کہ ہمارے اسلاف نے صرف قرآن شریف پڑھکر ایک دنیا سے اپنی علمی قابلیت اور استادی کا لوہا منوالیا تھا! بات یہ تھی کہ انہوں نے قرآن شریف کو صحیح طور پر پڑھا اور اس پر عمل کیا۔ ترجمان القرآن کی اشاعت کا بھی یہی مقصد ہے کہ ہم اور ہماری نسلیں قرآن شریف کو صحیح طریقہ سے پڑھیں اور اس پر عمل کریں۔

مختصر فہرست کتب مکتبہ ابراہیمیہ ادبیات محروسہ حیدرآباد دکن

(۱) خزینۂ اخلاق از سید عبدالعزیز عزیز۔ اخلاقی نظم و نثر کا مجموعہ لڑکے اور لڑکیوں کے لئے مفید ہے ضخامت ۶۴ صفحے قیمت ۶ر

(۲) قاعدہ فارسی از ابوالمحاسن ہتین ڈائرکٹ میتھڈ پر فارسی زبان کا جدید قاعدہ قیمت ۶ر

(۳) دروس فارسی حصہ اول از ابوالمحاسن ہتین ڈائرکٹ میتھڈ پر فارسی کی پہلی کتاب قیمت ۸ر

(۴) مخزن القواعد از مرزا علی رضا شیرازی لکھنوی (۱۳) سٹی کالج ہائیسکول کیلئے فارسی کی بہترین گرائمر ۱۲

(۵) عضائد الاسلام از محمد عبدالغفور عابدی حضرت امام اعظم کی مقبول عام کتاب فقہ اکبر کا عام فہم اور سلیس اردو ترجمہ ۳ر

(۶) قواعد مضمون نویسی حصہ اول۔ از مظفر الدین اردو (۱۵) مضمون نگاری کی تعلیم و تربیت میں بہترین کتاب قیمت ۵ر

(۷) قواعد مضمون نویسی حصہ دوم از مظفر الدین ۶ر

(۸) طریقہ املا نویسی از مظفر الدین اردو املا نویسی (۱۶) کا مفید رسالہ ۱ر

(۹) تنظیم الاخلاق از سید عبدالعزیز عزیز۔ لڑکے اور لڑکیوں (۱۷) کیلئے اخلاقی نظموں کا مجموعہ ضخامت ۱۹۸ صفحے قیمت ۱۲ر

(۱۸) مکمل ہندسہ عملی از محمد فیرالدین بی اے۔ میٹریکولیشن کے لئے نہایت کارآمد و مفید کتاب قیمت ۴ر

تاریخ ہند حصہ اول ہندوؤں اور مسلمانوں کے زمانہ کی تاریخ جو ایک تجربہ کار ٹرینڈ گریجویٹ نے لکھی ہے قیمت ۸ر

جغرافیہ ریاست حیدرآباد از غلام قادر بی اے و غلام رسول اساتذہ سٹی کالج قلمرو حضور نظام کا بہترین جغرافیہ ضخامت (۱۷۶) صفحے قیمت ۱۲ر

معلومات دیہی حصہ اول از غلام رسول قلمرو حضور کے صیغہ کی زراعت کی ابتدائی معلومات اور دیہاتی انتظام کے متعلق مفید کتاب قیمت ۱۲/۶ر

معلومات دیہی حصہ دوم از غلام رسول زراعت اور انتظام سے متعلق مزید معلومات قیمت ۴/۶ر

شاہ رفیع الدین قندھاری از محمد عبدالغفور عابدی دکن کے صاحب دل صوفی و عالم کی دلچسپ سوانحعمری ضخامت ۸۰ صفحہ قیمت ۵ر

سیرت خیرالبشر از ذہین آنحضرت صلعم کے اخلاق حمیدہ نظم میں ار

چھوٹا شیطان از ذہین علم کی فضیلت اور جہل کی مذمت نظم میں ار

پنچھونکا قاعدہ از مولانا مختار احمد ذہین بچوں کے لئے اردو کا قاعدہ ۳

۱۹ اردو کے حروف تہجی کا تختہ مدارس کے لئے اردو انجمن پڑھانے کے رنگین باتصویر چارٹ ۱ عہ

۲۰ بالک پہاڑہ بچوں کیلئے مع تفریق ضرب اور تقسیم اور کسری پہاڑے قیمت ۶ر

۲۱ بچوں کا جغرافیہ مرتبہ سجاد مرزا ایم اے کیمبرج برائے جماعتہائے دوم و سوم قیمت ۴ر و ۶ر

۲۲ حمایت الحساب (۵) حصے از غلام سول صاحب ابتدائی جماعت سے لیکر چوتھی جماعت کیلئے حساب کی کارآمد مفید کتاب ہر ایک حصہ کی قیمت بالترتیب ۴ر ۶ر ۶ر ۱۲ر ۱۴ر

۲۳ جبر و مقابلہ و سلطانیہ از نواز حسین بی۔ اے مڈل اسکولوں کیلئے کارآمد جبر و مقابلہ قیمت ۱۵ر

۲۴ مقدمات عبدالحق حصہ دوم قیمت (عہ)

تمام ہندوستان میں چل گئی

حیدرآباد کی مشہور و معروف دواء الفضل خدا تمام ہندوستان میں چل گئی اور بکثرت آرڈر آرہے ہیں یہ ممکن نہیں کہ جو ایک مرتبہ زندہ طلسمات کو خریدے دوبارہ نہ خریدے جسنے ایک مرتبہ آزمایا وہ ہمیشہ کا خریدار بنا کیونکہ زندہ طلسمات مریضہ کطاعون بخار کھانسی دمہ پیچش نزلہ زکام سانپ بچھو کے زہریلے منٹوں پر طلسماتی اثر دکھا کر مریض کو اپنا گرویدہ بناتی ہے ہر دوکان پر بیلگی زندہ طلسمات کو شہرت پاتے دیکھکر نقالوں نے زندہ طلسمات کی پوری نقل کی تاکہ ان پڑھ دھوکہ میں نقلی دوا خرید لیں لہذا بوقت خرید احتیاط سے خریدئے۔

شیشی (۱) عہ (۲) ۸ر (۳) ۴ر

خط و تار کا پتہ

زندہ طلسمات حیدرآباد دکن

اردو شہ پارے حصۂ اول از ڈاکٹر سید محی الدین قادری ایم اے پی ایچ۔ ڈی تاریخ اردو نے قدیم اور ابتدائے اردو سے لے کر ولی اورنگ آبادی تک نظم و نثر کا بہترین انتخاب مع نو تصاویر شعرائے قدیم ضخامت (۴۰۰) صفحے قیمت مجلد (۱۲ے)

روح تنقید ۔ از ڈاکٹر صاحب موصوف اردو میں فن تنقید کی پہلی کتاب ہے۔ قیمت (۴ے)

تنقیدی مقالات ۔ از ڈاکٹر صاحب موصوف روح تنقید کا دوسرا حصہ پیش کردہ تنقیدی اصولوں کی روشنی میں چیدہ شعراء کے کلام پر تنقید و تبصرہ ضخامت (۵۰۰) صفحے مجلد (۱۲ے)

اردو کے اسالیب بیان از ڈاکٹر صاحب موصوف ابتدائے اردو نثر سے لے کر موجودہ زمانے کے نثر نگاروں کے انداز تحریر و بیان کی ارتقائی تاریخ ضخامت (۲۰۴) صفحے مجلد (۶ے)

محمود غزنوی کی بزم ادب ۔ از ڈاکٹر موصوف غزنوی دور کے علمی و ادبی کارناموں کا مرقع ضخامت (۱۲۰) صفحے قیمت ۱۲

ارباب نثر اردو ۔ از سید محمد امین اے اردو نثر نویسی کی تاریخ اور فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے مصنفین اردو کا تذکرہ ضخامت (۲۲۰) صفحے مجلد قیمت (۱۰ے)

ولیعہد دولت آصفیہ کے عہد مسعود کی واحد علمی یادگار

الاعظم

(ہفتہ وار)

جو ملک کا سب سے ارزاں اور اضلاع مملکت آصفیہ کا واحد ترجمان ہے جس میں ملک کے چپہ چپہ کی خبریں حالات ضروریات عامہ وغیرہ سب سے زیادہ چھپتی ہیں جسمیں بہترین نظمیں افسانے اور مفید و دلچسپ مضامین کی خاصی تعداد ہوتی ہے۔ اس پر بھی استرداد رزیڈنسی کی مسرت میں ۱۳۱ شہریور ۱۳۲۲ف تک ہونیوالے خریداروں سے اسکی قیمت بجائے (۵ے) کے صرف (۴ے) اور ششماہی بجائے (۲ے) کے (۱۸ے) مع خرچہ پیشگی لیجائیگی۔

آپ بھی آج ہی اسکے خریدار بنجائے پتہ ۔ حکیم انصاری دفتر الاعظم بازار نور خاں ۲۴۰ برائے کرم آفیس میں مسئلہ مکتبہ کا حوالہ ضرور دیجئے۔

حیدرآباد دکن

دکن میں اردو از نصیر الدین ہاشمی ضخامت صفحے قیمت (عہ)

جنوبِ ہند میں اردو کی ابتدائی تاریخ، قطب شاہی، عادل شاہی اور آصفجاہی دور کے شعراء کا تذکرہ اور دکن کے علمی انصباف رسائل اخبارات کے مفصل حالات ضخامت (۳۸۰) صفحے قیمت (عہ)

آثار الکرام از حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری ایم اے، ایس ایران وسط اور جنوبی ہند کے اسلامی سلاطین کے علمی ادبی کارناموں کی محققانہ تاریخ ضخامت (۱۴۴) صفحے قیمت (۱۲ عہ)

گلشن گفتار مرتبہ سید محمد امام اے اردو شعرا کا پہلا تذکرہ معہ جامعہ مقدمہ ۱۶۵۰ء سے پہلے دکن اور ہندوستان کے شاعروں کے حالات نوشتہ خواجہ خلیل حمید اورنگ آبادی ضخامت (۸۵) صفحے قیمت ۱۲ر

مقدمات عبد الحق مرتبہ مرزا محمد بیگ تعلقدار مولوی عبد الحق معتمد انجمن ترقی اردو پروفیسر اردو جامعہ عثمانیہ کے علمی ادبی اردو مقدموں اور پیاموں کا مکمل مجموعہ جو مختلف موضوع پر گراں مایہ کتابوں میں شائع ہوئے تھے ضخامت (۵۰۰) صفحات قیمت (۴ے)

دنیائے افسانہ

مصنفہ عبد القادر سروری ام اے ال ال بی

کیف جیمری کی رائے :۔ قیمت (عہ)

دورِ حاضر میں افسانہ نگاری کی رفتار جس سیماب تقلمی سے جاری ہے اس کے ہیجان کو محسوس کرتے ہوئے حکم لگایا جاسکتا ہے کہ آئندہ چند سال کے عرصہ میں اگر اردو افسانوں کا شمار کیا جائے گا تو بیسویں صدی کے نصف اول کے افسانوں کی تعداد کئی ہزار کے قریب ہوگی۔

ہندوستان کے مختلف صوبوں سے اس وقت جتنے اخبار اور رسالے نکل رہے ہیں ان کی بقا فنا کا راز، پیچیدہ اور اچھے افسانوں میں مضمر ہے۔ روزانہ اخبارات کو چھوڑ کر ملک کا ہر ہفتہ وار جریدہ اپنے مربع یا مستطیل اوراق کے کالموں میں ہر ہفتہ میں ایک سے زائد افسانے لے کر نکلتا ہے۔ ہماری رسائل کے بالائی ورق پر ایک لفظ "ادبی" بھی لکھا ہوتا ہے اس ادبیت کا خاص منشا یہ ہوتا ہے کہ رسالہ افسانے بھی پیش کریگا۔

تمدن کی بلند و رفیع چوٹی پر پہونچنے کے بعد اقوام عالم کے ادیب و ظریف حکماء و شعراء اپنی قومی اور بین الملی روایات کو بھی روشن اور شگفتہ بناتے رہتے ہیں جنھیں شعری اور ادبی زبان میں فنونِ لطیفہ کہا جاتا ہے۔

ادب ایک فنِ لطیف ہے۔ اس کی اساسی کائنات "قصہ و افسانہ" ہے قصہ و افسانہ کی گہری چاشنی وہ انسانی جذبہ ہے جسے عرف عام میں محبت کہتے ہیں جو آگے چل کر جامعہ عثمانیہ کا اسلوب کہلائے تو کوئی تعجب نہیں۔

مکتبہ ابراہیمیہ امداد باسمی (محدود) حیدرآباد دکن

اغراض و مقاصد

دورِ عثمانی کا اوّلین علمی ادارہ مکتبہ ابراہیمیہ ہے جو ایک عرصہ سے ابنائے ملک کی علمی و ادبی خدمت کر رہا ہے۔ ریاست ابد مدت میں صرف اسی مکتبہ کو ولایت کا فخر حاصل ہے جس نے سب سے پہلے اردو زبان کی اشاعت و ترقی کی خاطر ملک میں اردو زبان کے علوم و فنون کی قدیم و جدید کتابوں کا بڑا کتب خانہ قائم کیا۔ ملک میں کتب بینی کا ذوق پیدا کیا۔

مکتبہ کے زیر غور جو اسکیم ہے اسکی تکمیل انفرادی قوت سے ناممکن تھی اسلیئے انجمنہائے امداد باہمی کے تحت اس کی رجسٹری کرائی گئی تاکہ ملک کے مشترکہ سرمایہ سے اغراض و مقاصد ذیل کی تکمیل کیجائے۔

(۱) جملہ درسی کتب مجوزہ و سررشتہ تعلیمات سرکار عالی کا فراہم کرنا۔

(۲) ملک کی ضروریات کے لحاظ سے نصاب تعلیم کی کتابیں تیار کرا کے بک کمیٹی سررشتہ تعلیمات ملک سرکار عالی میں پیش کرنا۔

(۳) کتب درسی کے علاوہ دیگر ضروریات تعلیمی مثلاً نقشہ جات۔ آلات سائنس و ڈرائنگ وغیرہ کی فراہمی۔

(۴) مصنفین و مولفین اور مترجمین کی امداد یعنی ان کی قابل اشاعت تصنیفات و تالیفات و تراجم کو باخذ حق تصنیف شائع کرنا۔

(۵) ہر علم و فن کی شائع شدہ مطبوعات اردو کی فراہمی۔

(۶) اردو کے علاوہ دیگر زبانوں مثلاً انگریزی، فارسی، عربی، تلنگی، مرہٹی اور کرنٹی کی مفید و کارآمد کتب کی فراہمی۔

مکتبہ کے تین شعبے ہیں

(۱) شعبہ تجارت۔ (۲) شعبہ اشاعت۔ (۳) شعبہ طباعت

(۱) شعبہ تجارت جسمیں مختلف علوم و فنون کی تمام اردو کتابوں کا وافر ذخیرہ موجود ہے اور ہر وقت اردو کی جدید مطبوعات جو ہندوستان میں شائع ہوا کرتی ہیں ان کو مہیا کرتا ہے نیز درسی کتابیں۔ آلات تعلیم۔ نقشہ جات۔ آلات سائنس بچوں اور عورتوں کے مذاق کی کتابیں۔ انعام و کتب خانوں کے قابل کتابیں اور اردو کے شہرہ علمی و ادبی ماہوار رسائل اور اخبارات یہ سب چیزیں مکتبہ سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔

(۲) شعبہ اشاعت مختلف علوم و فنون کی کارآمد درسی و عام تعلیمی کتابیں شائع کر رہا ہے۔ اسکی شائع کردہ درسی کتابیں محکمہ تعلیمات سرکار عالی کے نصاب میں داخل ہیں اور اسکی علمی و ادبی کتابیں تمام ہندوستان میں خراج تحسین حاصل کر رہی ہیں۔ کتابوں کے علاوہ ایک علمی و ادبی ماہوار رسالہ مجلہ مکتبہ بھی شائع ہوتا ہے

۳۰) اشاعت علوم اس شعبہ میں ہر قسم کی چھپائی سیاہ و رنگین غیرہ کفایت اور نہایت صحت و نفاست کے ساتھ کیجاتی ہے جس اغراض و مقاصد کیلئے تحت قواعد انجمن ہمارے امداد ہی سرکار عالی مکتبہ کی دار ترجمہ کی ترجمہ کی گئی کردہ ملک کیلئے شاندار خدمت بخش خدمت ہے جس ریاست پدر کی تعلیم و ادب کی اشاعت مضمر ہے۔

۳۱) علوم و دست مفات اور بھی خواہان ملک امید ہے کہ یہ اعلیٰ ادارہ میں جس علمی خدمت کے ساتھ ساتھ مالی منفعت بھی حاصل ہوتی ہے شریک ہو کر کارپردازان انجمن کی ہر صلاح فرمائیگے۔

انجمن ہذا کی مجلس انتظامی حسب ذیل ارکان پر مشتمل ہے

میر مجلس ۔ نواب بہادر یار جنگ بہادر جاگیردار

نائب میر مجلس ۔ سید غلام محی الدین صاحب قادری زور بی۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ۔

اراکین ۔ محمد عبدالقادر صدیقی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔

۔ سید محمد صاحب ایم۔ اے لیکچرار کلیہ عثمانیہ بلدہ

۔ محمد کریم اللہ خاں صاحب۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی لیکچرار کلیہ عثمانیہ بلدہ

۔ محمد خواجہ احمد صاحب۔ ایم۔ اے۔ مہتمم نمائش گاہ باغ عامہ۔

۔ نظیر حسین شریف صاحب ناظر مدارس بلدہ

۔ غلام رسول صاحب مدرس کلیہ عثمانیہ بلدہ۔

معتمد ۔ مظفر بیگ صاحب۔

اس انجمن کو عام طور پر کام کرتے ہوئے یہ ساتواں سال ہے انجمن ہذا کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ ۲½ حصہ داروں کو سالانہ ۲½ فیصدی نفع تقسیم کرنے کے علاوہ ۲½ فیصدی زکوٰۃ نکالتی رہی ہے اور اس کو تحقیق کی امداد شلاً عانت طلبا زائرین و بیوگان یتامیٰ و معذورین و مسافرین غیرہ میں صرف کرتی رہی ہے چنانچہ ابتدا سے اس وقت تک چھ سالیں تقریباً سوا تین ہزار روپے صرف ہو چکے ہیں۔

تقسیم زکوٰۃ کیلئے ایک علیحدہ مجلس ہے جس کے ارکان حسب ذیل ہیں:۔

(۱) حکیم بشیر احمد صاحب۔

(۲) قاضی محمد عبدالقادر صدیقی ایم۔ اے پروفیسر دینیات کلیہ جامعہ عثمانیہ

(۳) سید رسول صاحب ظریفہ یاب منتظم دفتر نظامت تعلیمات

(۴) مرزا آغا عبدالحسین صاحب ظریفہ یاب مہتمم تعلیمات

(۵) سید پیر محمد صاحب ظریفہ یاب صیغہ دار محکمہ مالگذاری

(۶) مظفر بیگ صاحب معتمد

اسوقت تک مکتبہ ابراہیمیہ مندرجہ ذیل مصنفین و مولفین کی تصانیف و تالیفات طبع و شائع کرچکا ہے

ڈاکٹر سید غلام محی الدین صاحب قادری پی ایچ ڈی - میر حسن الدین صاحب بی اے ایل ایل بی - غلام رسول صاحب - محمد فاروق صاحب بی - اے

۱	روح تنقید	عہ/۱۲	۱۷	مبادی فلسفہ	۱۳	۳۰	حمایت اسلام بتاریخ صغیر	۴عہ/۴	۴۷	الغامی تقریریں	۴
۲	تنقیدی مقالات	۴		نصیرالدین صاحب ہاشمی		۳۱	" " اول	۷	۴۸	حمید اللہ صاحب ام۔ اے ایل ایل بی
۳	اردو کے اسالیب بیاں	عہ/۶	۱۸	دکن میں اردو	۶	۳۲	" " دوم	۶/۶	۴۹	نیلگری	۵
۴	سلطان محمود غزنوی کی بزم	۱۲/		احمد عارف صاحب		۳۳	" " سوم	۱۲/		عبدالعزیز صاحب عزیز	
۵	اردو شیرپارے حصہ اول	۱۲/	۱۹	حیاتِ بابر اردو	۶	۳۴	" " چہارم	۱۲/	۵۰	تنظیم الاخلاق	۱۲/
	محمد عبدالقادر صاحب سروری - ایم اے		۲۰	مقدمات عبدالحق حصہ اول	۷	۳۵	جغرافیہ ریاست حیدرآباد	۱۲/	۵۱	خزینہ اخلاق	۶/
۶	دنیائے افسانہ	عہ/۶		" دوم	۶	۳۶	معلومات ہندی حصہ اول	۶/۲		محمد منیرالدین صاحب بی اے	
۷	گردا و اوراق افسانہ	۸عہ/	۲۱	سید غلام مصطفےٰ صاحب ذہین		۳۷	" " دوم	۶/۴	۵۲	مکمل ہندسہ عملی	۴عہ/
۸	قدیم افسانے	عہ/۲				۱۵۱	محمد حسن خان صاحب متین		۵۳	حل پرچہ جات ریاضی	عہ/۴
۹	چینی رجاپانی افسانے	۹		سید فخار احمد صاحب		۳۸	قاعدہ فارسی	۶/		غیاث الدین صاحب	
۱۰	انگریزی افسانے	۴عہ/	۲۲	جواہر کلیات نظیر	۴عہ	۳۹	دوس فارسی اول	۸/	۵۴	معجزانی گر	۲/
۱۱	فرانسیسی افسانے	۱۲/	۲۳	قاموس الاغلاط	۷/	۴۰	" " دوم	۱۲/		سید غلام مصطفےٰ صاحب ذہین	
	سید محمد صاحب ایم۔ اے		۲۴	بچوں کا قاعدہ	۴/	۴۱	" " سوم	۱۴/	۵۵	حدائق الاخلاق	عہ/
۱۲	ارباب نثر اردو	۶/		سید احمد حسین صاحب شوکت بلگرامی		۴۲	" " چہارم	عہ	۵۶	سیرۃ مبارک	۲/
۱۳	گلشن گفتار	۱۲/	۲۵	مے و آتشہ	عہ/۴		سجاد مرزا صاحب بی اے پرنسپل ٹریننگ کالج		۵۷	سیرۃ خیرالبشر	۱/
۱۴	شہنشاہ میر	بی		محمد ظہیرالدین صاحب بی اے		۴۳	بچوں کا فیروز جنگ دوم	۴/	۵۸	نیک بی بی	۲/
	احمد عبداللہ صاحب سبزواری بی اے ایل ایل بی		۲۶	محمود کا وال		۴۴	" " سوم	۶/	۵۹	چھوٹا شیطان	۱/
۱۵	اسوہ حسنہ	۱۲/		محمد عبدالغفور صاحب جلیلی			سید علی صاحب شیرازی ایم اے			مظفرالدین صاحب مدرس	
	شیخ عبدالحمید صاحب شوق بی۔ اے		۲۷	شاہ فیع الدین قندہاری	عہ	۴۵	قواعد	۱۲/	۶۰	طریقہ الانوسی	۱/
۱۶	مبادی نفسیات	عہ/۸	۲۸	وصیۃ الامام	۴/	۴۶	" " دوم	۱۲/	۶۱	قواعد مضمون نویسی حصہ اول	۵/
	متفرقات		۲۹	عقائد الامام	۴/	۴۷	سید انوار حسین صاحب بی اے				
۶۷	تاریخ ہند	۷/		حکیم شمس اللہ صاحب قادری		۴۸	جغرافیہ مکمل	۱۵/	۶۲	" " دوم	۶/
۶۸	اردو کے مزوفہ ہجی کا تختہ	عہ/۴	۶۶	آثار الکرام	عہ/۱۲		محمد اکرم صاحب			عبدالعفار صاحب فخر	
۶۹	بالک پہاڑہ	۶/				۶۵	شعاع اسید	۲/	۶۳	شرح دوس فارسی اول	۶/
									۶۴	شرح قاعدہ فارسی	۳/

قواعد و ضوابط

(۱) مکتبہ کا مجوزہ سرمایہ ایک لاکھ روپے کے حسب ذیل حصوں پر مشتمل ہے۔

(الف) پچاس ہزار روپیہ کے پانچسو حصص بحساب فی حصہ ایک سو (۱۰۰) روپیہ۔

(ب) پچاس ہزار روپیہ کے دو ہزار حصص بحساب فی حصہ پچیس (۲۵) روپیہ۔

حصص فروخت شدہ ۔ سرمایہ وصول شدہ ۔ (۱/۴ محفوظ)

(۲) ہر حصہ کی قیمت حسب ذیل سہ ماہی اقساط میں ادا کرنی ہوگی۔

درخواست کیساتھ فیس داخلہ فی حصہ ۸ اور پہلی قسط بحساب ۴ روپے فی حصہ اور درخواست شرکت منظور ہونیکی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دوسری قسط اور اس کے بعد سے ملاہنہ اقساط اسوقت تک مسلسل ادا کرتے ہونگے جب تک کہ کامل رقم حصہ یا حصص ادا نہ ہو جائے۔

(۳) اگر کوئی حصہ دار اپنے حصہ یا حصص کی کامل رقم یکمشت ادا کرنی چاہے تو ادا کر سکتا ہے تاریخ ادائی سے اس کو کامل رقم کا منافع ملیگا۔

معتمد مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی محدود اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

مجلہ مکتبہ

یہ **دارالاشاعت** مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن کا ماہوار رسالہ ہے یہ علمی و ادبی رسالہ ہے جس میں علم و ادب کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہونگے۔ مجلہ کم از کم چار جز ہوگا۔ بنظر احتیاط پرچہ بیرنگ رجسٹرڈ بک پوسٹ آف پوسٹنگ روانہ کیا جائیگا۔ اگر اتفاقاً وہ محول نہ ہو تو ہر فصلی مہینے کی ۲۰ تاریخ تک بجوالہ نمبر خریداری اطلاع دی جائے۔

قیمت سالانہ للور مع محصول ڈاک پیشگی چھ ماہ کیلئے ۴ فی پرچہ۔ اشتہارات کا نرخ فی اشاعت پورے صفحہ کیلئے ۵ نصف کیلئے ۳ اور چوتھائی کیلئے ۲ ہے اگر زیادہ مدت کیلئے اشتہار دیا جائے تو اس نرخ میں (۱۲½) فیصدی سے (۲۵) فیصدی تک کمی ہو سکے گی۔

ترسیل زر مضامین اور جملہ خط و کتابت منتظم مجلہ مکتبہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن سے کیجئے

باہتمام

محمد نظام الدین مددگار منیجر مکتبہ ابراہیمیہ

مطبوعہ مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس حیدرآباد دکن

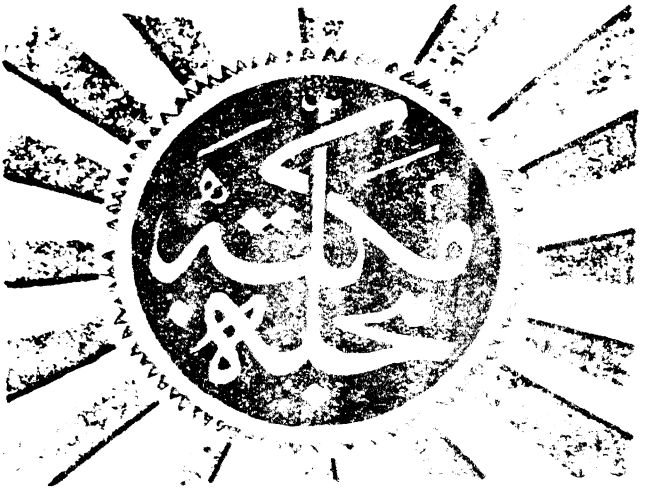

رجسٹرڈ پتہ سرکار آصفیہ
(۶۵)

رجسٹرڈ نشان پتہ انگلشیہ
(.....)

دار الاشاعت

انجمن مدادِ باہمی مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن کا

ماہوار

علمی و ادبی مجلہ

مکتبہ

مدیر

عبد القادر سروری
ام اے ال ال بی

جلد (۱۰) بابتہ مہر ۱۳۴۲ف مطابق ماہ اگسٹ ۳۳ء شمارہ (۵)

فہرست مضامین

نمبر			صفحہ
۱	شذرات	مدیر	ج
۲	راسپوٹین	نجم الدین صاحب انصاری بی۔ اے	۱
۳	وجدانیات (نظم)	سکندر علی صاحب وجد متعلم بی۔ اے	۶
۴	اللہ نے بچالیا	میر حسن صاحب بی۔ اے	۷
۵	جنبش گل	راز فاسمی صاحب	۱۲
۶	غزل	مولانا عبدالقدیر صاحب حسرت	۱۳
۷	رہین نوازو	یس۔ بی انتنا صاحب	۱۴
۸	غزل	نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز	۲۰
۹	ہندوستان پر اسلامی اثرات	نصیر الدین صاحب ہاشمی	۲۱
۱۰	نغمہ مستانہ (نظم)	کوکب صاحب شاہجہانپوری	۲۶
۱۱	میرے کردار	سید عابد علی صاحب عابد ایم اے۔ ایل ایل بی۔	۲۷
۱۲	غزل	محمد قادر الدین خاں صاحب تمکین ہمت	۳۳
۱۳	سیر بیدر	مرزا ناصر علی بیگ صاحب بی۔ اے	۳۴
۱۴	نغمہ بہار	آسہ رضیہ صاحبہ	۴۷
۱۵	علمی خبریں	———	۵۰
۱۶	تنقیدیں	مفتون اجمیری	۵۳

(. . . . .)

شذرات

حسب توقع عالمی معاشی کانفرنس اس قسم کی دوسری کانفرنسوں کی طرح ناکام رہی اس کے افتتاحی جلسے بڑے طمطراق اور آن بان سے ہوئے۔ شاہ جارج نے خطبۂ افتتاحیہ میں بڑی امیدیں ظاہر کیں اور بڑا فخر کیا کہ اس کانفرنس کے سلسلہ میں انہیں ایک ایسے جلسہ کی صدارت کا موقع ملا جس میں دنیا کی تمام سربرآوردہ حکومتوں کے نمائندے موجود تھے۔ مسٹر میکڈانلڈ نے نہایت پرجوش تقریریں کیں لیکن جب ڈنروں اور خوش گپیوں کے بعد معاشی مسائل کیطرف توجہ کرنے کا وقت آیا تو سب سے پہلے امریکہ نے حقائق کی تلخی کو محسوس کیا۔ امید تو یہ کیجارہی تھی کہ تمام معاملات لین دین کے اصول پر طے پائینگے۔ لیکن آغاز ہی میں معلوم ہوگیا کہ لینے کے لئے ہر حکومت تیار ہے مگر کوئی بھی کسی کو اپنے ایک پیسے کا نقصان بھی گوارا نہ ہوتا تھا۔

جنگ کے قرضوں کا سوال پیدا ہوا تو امریکہ نے نہایت روکھا جواب دیا۔ غرض اس کانفرنس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا اور نہ ہونیکی امید ہے۔

جرمن کی انقلابی جماعت حیرت انگیز ترقی کررہی ہے۔ سارے ملک نے اس کا لوہا مان لیا۔ یہودی چن چن کر نکال دئے گئے۔ اب صرف ایک جماعت ہے جس نے ہٹلر سے آنکھ ملانیکی جرأت کی وہ مذہبی گروہ ہے۔ ہٹلر چاہتا ہے کہ اپنے ایک مرید خاص کو تمام کلیساؤں کا صدر مقرر کرے لیکن پادری مخالفت کررہے ہیں انہوں نے اس صدارت کیلئے اپنے آدمی کا انتخاب کیا ہے۔ نہیں معلوم اس کا کیا انجام ہوگا۔

انجمن طیلسانین عثمانیہ نے حیدرآباد کی پبلک کو اپنے حقوق سے آگاہ کرنیکی ٹھانی ہے اس مقصد کے حصول کی خاطر انہوں نے سب سے پہلا کام یہ محلوں کے انتخاب کے سلسلہ میں کیا طیلسانین نے اس سال حیدرآباد کے تمام

محلوں میں سے قابل مستعد اور دیانت دار آدمیوں کو چن لیا اور پبلک کی خدمت کا تحریری وعدہ لیکر ان کو منتخب کرنے میں وامے، درمے سخنے غرض ہر طرح سے مدد دی۔

انتخاب کے نتائج ابھی برآمد نہیں ہوئے لیکن کام جس مستعدی اور سرگرمی سے کیا گیا ہے! اس پر نظر کرتے ہوئے کامیابی کی قوی امید ہے۔

اردو زبان کی ابتدا اور ارتقا میں دکن کو جو اہمیت حاصل ہے وہ مخفی نہیں اس وقت اردو میں جس صنف کی ہمت شکن کمی ہے اس کی پابجائی کا بیڑا ابھی بڑی خوشی کی بات ہے کہ ایک حیدرآبادی ہی نے اٹھایا ہے اردو میں بہت کم تمثیلیں لکھی گئی ہیں جن میں سے بعض ہی باعتبار فن کوئی درجہ رکھتی ہیں۔ مولوی فضل الرحمن صاحب بی اے آرز نے جنھیں اس فن کے ہر پہلو یعنے تمثیل نگاری، اداکاری اور ڈائرکٹری سے کافی وقفیت حاصل ہے ظاہر باطن اور نئی روشنی کے نام سے دو ڈرامے تعلیم یافتہ پبلک کے آگے پیش کئے اور قابل رشک مقبولیت حاصل کی توقع ہے کہ انجمن ترقی ڈرامہ کی یہ سرگرمی ایک عرصہ تک قائم رہیگی۔

راسپوٹین

از

مولوی نجم الدین صاحب انصاری۔ بی۔ اے

اُس شخص کے لئے جو کسی ڈرامے کو اس لئے پسند کرتا ہے کہ وہ زندگی کے صحیح واقعات کی نقاشی ہے۔ "راسپوٹین" کا ڈرامہ مقناطیسی کشش رکھنے والا ہونا چاہیئے اور خصوصاً اس لئے کہ اس کو فلم کا جامہ پہنانے کی نہایت کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

راسپوٹین، روس کا "مقدس شیطان" اپنے وقت کی سب سے بڑی اور حیرت انگیز پیداوار تھی۔ اس کی زندگی بھی نپولین کی زندگی کی طرح اتنی محیر العقول تھی کہ وہ بجائے خود کسی فلم اسٹوڈیو کے لئے ایک مکمل اور کامیاب افسانہ ہے۔

اگر ذرا غور کریں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ تاریخ میں ایسی بیشمار ہستیاں ہیں جنکی زندگی کے واقعات ناول اور افسانوں سے بھی بڑھ کر ڈرامائیت رکھتے ہیں۔ یہ سُن کر خوشی ہوتی ہے کہ راسپوٹین کو اُن ہستیوں کی طرح گوشہ گمنامی میں نہیں ڈالا گیا۔ اگرچہ جنگ کے زمانہ میں ہی جب کہ روس کا یہ گناہ کا دیوتا ابھی ابھی دنیا سے رخصت ہوا تھا، اس کی زندگی کی ایک فلم تیار کی گئی تھی لیکن وہ زیادہ تر جنگی پروپیگنڈے سے معمور تھی اور اب تو وہ بالکل بھلا دی گئی۔

اپنی موت سے ٹھیک سولہ سال بعد راسپوٹین پردہ سینما پر دوبارہ جنم لیا اور وہ بھی دو مختلف سرزمینوں

میں۔

جرمنی کے ایک اسٹوڈیو میں کونراڈ ویڈٹ کے نام سے اور ابھی تازہ بہ تازہ ہالی وڈ میں ہیری پوٹر خاندان کے درمیان جرمن فلم شروع سے آخر تک اپنی انتہائی سنجیدگی کی وجہ سے تھوڑی غیر دلچسپ ہو گئی ہے لیکن جہاں تک راسپوٹین کا پارٹ ہے کونراڈ ویڈٹ کی اداکاری کمال کو پہنچ گئی ہے۔ جس وقت لندن میں یہ فلم دکھلائی جا رہی تھی تو راسپوٹین کی بیٹی بھی تماشائیوں میں موجود تھی۔ اخبار کے نمائندوں سے اس نے کہا کہ اگرچہ اُسے اپنے باپ کے کردار سے جس روشنی میں اسے پیش کیا گیا ہے اختلاف ہے لیکن ویڈٹ کی اداکاری پر وہ انگشت بدنداں ہو گئی تھوڑی دیر کے لئے اُسے اس کا یقین نہ آتا تھا کہ اس کا باپ ہی پردہ سینما پر موجود نہیں ہے

راسپوٹین کی شخصیت اپنی نوعیت میں یگانہ روزگار تھی۔ تاریخ کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں کر سکتی جس میں ایسے معمولی لیکن عجیب و غریب شخصیت کے اثر نے اتنی بڑی سلطنت کو اپاہج بنا دیا تھا اور جس کی موت نے اُس سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اس چھوٹے سے مضمون میں اس بات کی کوشش کی جائیگی کہ راسپوٹین کی زندگی کو حد نگاہ بنا کر اس کے عہد کے روس کی دردناک حالت کی تصویر کھینچی جائے

افسانہ کسی فلم کمپنی کا ساختہ نہیں ہے بلکہ یہ واقعات ہماری اس زمین کے اوپر بعینہ نظروں سے گذرے ہیں۔ ان واقعات کا پتہ خود ملکہ روس کے خطوط سے چلتا ہے جو اس نے شہنشاہ کو لکھے تھے جس کی ہر ہر سطر میں اس شخص کا پُر رعب اثر چھایا ہوا ہے۔

راسپوٹین اُن لوگوں کے مانند کوئی باعظمت آدمی نہ تھا جنہوں نے اکثر بادشاہوں کے دلوں پر حکمرانی کی ہے اور بڑے بڑے لوگوں کی قسمتوں کے مالک بنے ہیں آج سے کوئی باسٹھ سال قبل وہ سائبیریا کے ایک چھوٹے گاؤں میں ایک معمولی کسان کے گھر پیدا ہوا جہاں وہ تعلیم وغیرہ سے بالکل آشنا رہا یہاں تک کہ وہ آخر عمر تک پوری طرح لکھ بھی نہ سکتا تھا۔ دماغ ایسا تھا کہ کوئی مسئلہ تھوڑے غور و فکر سے سمجھ نہ سکتا تھا۔ تہذیب و شائستگی سے کوسوں دور اور جہالت کا ایک پتلا تھا دوسری طرف اپنے مقناطیسی اثرات اور خوفناک قوتوں سے اس نے ملکہ روس کو بے دام کا غلام بنا لیا تھا۔ بڑے سے بڑے حکیم اور عاقل کی اس کے سامنے نہ چلتی تھی۔ اس کا نتیجہ اندازہ تصور سے باہر ہے کہ روس

کی معصوم قوم نے اس وحشی کے ہاتھوں کیا کچھ مظالم نہ سہے ہونگے۔ اپنی ساری عمر میں راسپوٹین صنف نازک کی دلچسپیوں کا مرکز بنا رہا۔ چوبیس سال کی عمر میں جب کہ وہ بالکل کال دیکھتا تھا اس نے ایک امیر گھرانے کی لڑکی سے شادی کی جس سے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا پیدا ہوا تینتیس ۳۳ سال کی عمر تک اس نے دیہاتی اور بے کاری کی زندگی بسر کی لیکن ۱۹۰۴ء میں یکایک اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اپنی زندگی میں کچھ تبدیلی کرنی چاہیئے۔ بیوی بچوں کو چھوڑ کر وہ گھر سے بھاگ کھڑا ہوا اور ایک مذہبی پیشوا کا بہروپ بھر کر لوگوں میں ہر دلعزیزی پیدا کرنی شروع کی اس کی مکارانہ طبیعت اور قوی جسم وجثہ نے اس زمانے کی توہمانہ فضا سے مل ملا کر اسے لوگوں کا دیوتا اور خدا کا اوتار بنا دیا۔ اس کی تعلیم یہ تھی کہ توبہ بڑے سے بڑے گناہ کا کفارہ ہے۔ اس اصول اور نظریے کی عملی تعلیم وہ لوگوں کو اس طرح دیا کرتا کہ "اگر تم خدا سے معافی کی لذت حاصل کرنا چاہتے ہو تو گناہ کرو" ورنہ گناہ کے بغیر معافی کا کوئی سوال نہیں ہے"، اپنے سامعین سے وہ کہا کرتا کہ "خالق موجودات کا ایک حصہ دنیا والوں کی ہدایت کے لئے میرے بھیس میں آیا ہے اور میرے ہی ذریعہ تمہاری نجات ہو سکتی ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم روح اور جسم سمیت میرے ساتھ شامل ہو جاؤ میرے تقدس کی روشنی تمہارے گذشتہ اور آئندہ گناہوں کی تاریکیوں کو کیریمیٹ دیگی" اس خطرناک تعلیم نے راسپوٹین کو نہ صرف عوام میں ہر دلعزیز بنا دیا بلکہ اب روس کے امرا اور فیشن ایبل لوگوں کے گھروں کے دروازے اسکے لئے کھلنے لگے۔ لوگ دل کھول کر نذرانے پیش کرتے اور راسپوٹین ہاتھ کی ایک جنبش سے انکے گناہوں کو دھویا کرتا۔ امرا کے محلات عیاشیوں کے مرکز بننے لگے اور عوام شاہراہوں پر کہیے بندوں گناہ گاری کے پاک اور متبرک پانی سے اپنی روح اور جسم کو دھونے لگے۔

شدہ شدہ یہ خبر شہنشاہی محل میں پہنچی راسپوٹین چھتیس سال کا تھا کہ شہنشاہ اور ملکہ کے حضور میں پیش کیا گیا۔ ملکہ کے خاص پادری نے جو راسپوٹین کا مرید ہو چکا تھا اس کا تعارف کرایا۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ بادشاہ اور ملکہ اسکی شخصیت سے بیحد متاثر ہوئے۔ روسی درباریوں تو پہلے ہی سے کچھ اس قسم کی عجیب وغریب باتوں کے لئے مشہور تھا پھر زارینہ کی مسلسل علالت نے راسپوٹین کے

رسوخ میں مدد پہنچائی۔ شاہی خاندان اس سے بہت خوش ہوا کہ جنھیں وہ اب تک برائیاں اور گناہوں کے نام سے یاد کرتے تھے وہ اتنی بُری چیزیں نہیں ہیں۔ پھر قدرت کو تماشا دیکھنا منظور تھا۔ جونہی راسپوٹین دربار میں داخل ہوا ملکہ کی صحت جس پر دوائیں بے اثر ثابت ہو چکی تھیں روز بروز اچھی ہونے لگی۔ ملکہ راسپوٹین کی کلمہ گو تھی۔ روس کا کوئی اہم کام کوئی اہم تقرر بغیر راسپوٹین کی مرضی کے عمل میں نہ آتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جاہل سے جاہل اور وحشی سے وحشی آدمی بڑی سے بڑی خدمتوں پر مامور کئے گئے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ راسپوٹین ایک بڑا بین الاقوامی خطرہ تھا اور یہ کہ اس نے تمام یورپ میں انقلاب کی سازش کی تھی بالکل بے بنیاد ہے ایک ایسا جاہل اور ناتعلیم یافتہ جیسا راسپوٹین تھا بین الاقوامی مسائل پر کیا غور و فکر کر سکتا تھا۔ اس کے سیاسی افکار محض شورش پسندی چاہتے تھے اور بس۔ اور اگر بعض سیاسی افعال جو اس سے سرزد ہوئے بھی تو وہ محض اُن انقلابیوں کی کارستانیاں تھیں جن کے ہاتھوں میں وہ ایک کھلونا تھا۔

بہرالبتہ اس کے معاشرتی اثرات ہیبت ناک تھے۔ راسپوٹین کی اجازت اور ملکہ کی مرضی سے دربار میں دن اور رات عیش، گناہ آلودگیوں اور مظالم میں کٹتے تھے۔ اور شہروں میں راسپوٹین ہر فیشن ایبل سوسائٹی کا موضوع گفتگو ہوتا۔

آخر کار ایک جماعت نے جو معاشرتی اثرات کے لحاظ سے بلند پایہ رکھتی تھی اور جس میں گرینڈ ڈیوک ڈیمیٹری پاولوک بھی شامل تھا، یہ تہیہ کر لیا کہ سلطنت کو اس شریر النفس شیطان صفت انسان سے پاک کر دیا جائے۔ پندرہ دسمبر ۱۹۱۶ء میں جب اس کی عمر پینتالیس سال کی تھی اس کو ایک جلسہ میں دعوت دی گئی جو اس کی زندگی کا آخری جلسہ تھا۔ اس کی شراب میں زہر ملا دیا گیا۔ لیکن پوٹاسیم سائنائڈ ایک طاقتور محلوتی بھی اس عجیب و غریب آدمی پر کوئی اثر کرتا دکھائی نہ دیتا تھا آخر جب زہر ناکام رہا تو پستول کی ایک گولی تو کارگر ہوئی۔ اس طرح ایک نہایت مقناطیسی کشش اور ایک شیطانی اثرات کا آدمی دنیا سے مٹا دیا گیا۔ ملکہ نے اس کی نعش کو بڑی دھوم سے زار سکو سلو کے باغ میں دفن کیا اور ایک خوبصورت مقبرہ اس کی یادگار میں بنوایا۔ ایک زمانہ تک ہر جمعہ وہ اس کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے جایا کرتی تھی۔

یہ ہے راسپوٹین کا وہ سچا افسانہ جس کو ہمارے عہد کے سب سے بڑے کرداری اداکار لائنل بیری مور نے اپنے بھائی جان بیری مور جو گرینڈ ڈیوک ویڈی کا پارٹ ادا کرنگا اور بہن ایتھل بیری مور جو ملکہ کا کام کرینگی، کی مدد سے دنیا کے سامنے پیش کرنے کا تہیہ کیا ہے۔ یہ دیکھنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ کس طرح یہ فلم تاریخ کے اس وحشت ناک صفحہ کی ڈرامائی جاذبیت کو برقرار رکھ سکتی ہے۔

دار الاشاعت انجمن مکتبہ ابراہیمیہ کی تازہ اشاعت

مثنویات میر

مرتبہ مولوی سید محمد صاحب ام۔اے

یہ اردو شاعروں کے تاج میر تقی میر کی جملہ مثنویات کا مجموعہ ہے جو متعدد قلمی نسخوں کے باہمی مقابلے اور بڑی تحقیق و تلاش کے بعد ترتیب دیا گیا ہے میر صاحب جس طرح غزل گوئی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے اسی طرح خالص داخلی رنگ اور حزنیہ اور عشقیہ مثنوی لکھنے میں بھی یکتا ہیں اگرچہ میر حسن اپنی بزمیہ مثنوی سحر البیان کیلئے اردو کے بہترین مثنوی گو سمجھے جاتے ہیں لیکن حزن انگیز اور عشقیہ قصوں ٹراجک اور رومانس کو نظم کرنے میں میر صاحب نے اعجاز کر دکھایا ہے یہ مثنویاں اپنی اعلیٰ شعریت کی وجہ سے اردو ادب میں شاہکار ہیں نولکشور کا قدیم کلیات جس میں مثنویات شریک ہیں سراسر اغلاط سے پُر اور غلط در غلط ہے مذکورہ مثنویوں کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ کس طرح کم سواد کاتبوں نے میر صاحب کے کمال کو اکارت کیا ہے مثنویات میر جامعہ عثمانیہ کے امتحان ام۔اے اردو دوسری جامعات کے اعلیٰ اردو نصاب میں شریک ہیں لائق مرتب نے بڑی صحت کے ساتھ مثنویاں ترتیب دینے کے علاوہ ابتدا میں ایک بسیط مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں میر صاحب کی سوانح حیات ان کے کارناموں اور مثنویات پر بلند پایہ تنقیدی تنقید بھی کی گئی ہے قیمت مجلد (۴)

مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن

وجدانیات

(از)

مولوی سکندر علی صاحب وجد متعلم بی۔ اے

تھوڑی سی خودی سے گر لے کام یہ دیوانہ — خود شمع پھرے آکر گرد پرِ پروانہ

پھر شور انا الحق سے دنیا کو اٹھا سر پہ — رب ارنی کب تک اے ہمت مردانہ

بلبل کہیں نالوں سے دل گل کا پگھلتا ہے — اس کے لئے لازم ہے سوزِ دلِ پروانہ

اے لختِ جگر میری پلکوں پہ ذرا تھم جا — تو زینتِ مژگاں ہے اشکوں میں نہ بہہ جانا

کس رند کی حسرت نے مے جام سے چھلکا دی — کیوں دستِ حنائی میں تڑپا خطِ پیمانہ

اے وجد خودی اپنی پامال نہ ہونے دے

سر کو نہ جھکا ہرگز کعبہ ہو کہ بتخانہ

اللہ نے بچالیا

از

مولوی میر حسن صاحب بی۔ اے

ایک چھوٹے سے دیوان خانہ میں شاندار قالین بچھے ہوئے تھے اُس کی فضا نہایت معطر تھی۔ آتشدان دہک رہا تھا۔ قریب ہی ایک گوشہ میں جھالردار حباب والا لیمپ اُن دو دوستوں پر، جو وہاں گفتگو میں مصروف تھے، اپنی لطیف روشنی ڈال رہا تھا۔ گھر کی مالکہ جس کی زلفیں عمر کے تجاوز کی وجہ سے سفید ہو گئی تھیں، اُن معمر خواتین میں سے تھی جن کے چہروں پر مطلقاً جھریاں نہیں ہوتیں جن کے گال سینٹ اور پوڈر کے متواتر استعمال سے حد درجہ نرم و نازک ہو جاتے ہیں۔ اور جب کوئی ان کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے تو اس سے ایک خاص قسم کی خوشبو آتی ہے۔ اسکا مہمان ایک دیرینہ اور مخلص دوست تھا۔

دونو تقریباً ایک منٹ سے خاموش اور خیالات میں غرق تھے۔ انکی نظریں آگ کے دہکتے ہوئے شعلوں پر جمی ہوئی تھیں۔ یہ ایک ایسا سکوت تھا جس کے ذریعہ دو سچے دوست ایک دوسرے سے بات کرنے کے بغیر لطفِ صحبت اٹھاتے رہتے ہیں۔ اتفاقاً ایک لکڑی انگیٹھی سے اُچھل کر فرش پر گری ـــــ ہر طرف چنگاریاں پھیل گئیں ـــــ عورت نے ایک چیخ ماری اور بدحواس ہو کر اپنی کرسی سے اس طرح اٹھی گویا وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ اُس کے مہمان نے اُس لکڑی کو پیر سے ٹھیل کر آتشدان میں ڈال دیا، اور چنگاریوں کو جوتے سے رگڑ کر بجھا دیا..... پھر وہ اپنے دوست کے مقابل والی کرسی پر بیٹھ گیا، اُس پر ایک تبسم نظر ڈالی۔ اُسی وجہ

ہے، اُس نے لکڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا..... اسی وجہ سے میں نے شادی نہیں کی ۔

وہ خاتون بہت متعجب ہوئی، اور اپنے دوست پر ایک تجسس نظر ڈالتے ہوئے پوچھا، واقعہ کیا ہے؟ مجھ سے بیان کیجئے۔

قصہ بہت طولانی اور ایک حد تک حزن آمیز ہے۔ اُس نے جواب دیا۔ میرے تمام دوست احباب حیران تھے کہ جولین اور مجھ میں یک بیک کیسے بگاڑ ہو گیا۔ اُن کی سمجھ ہی میں نہ آسکتا تھا کہ دو نہایت مخلص دوست اور لنگوٹیا آشنا کسی واقعہ کی بنا پر خواہ کتنا ہی ناخوشگوار کیوں نہ ہو، ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لئے قطع تعلق کر سکتے ہیں ـــــ قصہ یہ ہے:۔

کسی زمانہ میں جولین اور میں ایک ہی جگہ رہتے تھے۔ ہم دونو ایک دوسرے کے اس قدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ دنیا کی کوئی قوت ہماری دوستی اور خلوص کے درمیان حائل نہ ہو سکتی تھی ـــ ایک روز وہ سر شام گھر واپس ہوا، اور اپنی شادی کی خبر سنائی۔ میں بہت مغموم اور افسردہ ہو گیا۔

صنفی محبت، خواہ وہ کتنی ہی پائدار کیوں نہ ہو، مرد اور عورت میں پورا پورا امتزاج نہیں پیدا کر سکتی ان دونو کے رجحانات اور ذہنیتیں ایک دوسرے سے مختلف ہی رہتی ہیں ـــ دو مختلف صنفوں سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ان میں آخر تک مغائرت باقی رہتی ہے۔ حاکم و محکوم کی سی حالت ہو کبھی شوہر کا راج تو کبھی بیوی کا۔ مساوات یا ہم آہنگی کبھی قائم نہیں ہوتی مصافحہ کرتے ہیں تو مرتعش ہاتھوں سے انگلیوں کی گرفت میں وہ صداقت اور گرمجوشی نہیں ہوتی جو دو مردوں کے درمیان ایک استوار تعلق پیدا کرتی ہے ہوتمند کو چاہئے کہ شادی کرنے، اور بڑھاپے کے سہارے کی تمنا میں اولاد پیدا کرنے کے بجائے، جو صرف اس کو کس مپرسی کے عالم میں چھوڑ دیتی ہے، ایک وفادار اور پرخلوص دوست فراہم کرے تاکہ دونو عمر بھر ایک دوسرے کے رفیق اور شریک رنج و راحت رہیں۔

غرض جولین نے شادی کر لی اُس کی بیوی، نہایت حسین و ملیح اور زندہ دل تھی اُس کی زلفیں پیچدار اور خوبصورت تھیں، وہ اپنے شوہر کو بظاہر پرستش کی حد تک چاہتی تھی۔ جنسل درمعقول کے خیال سے پہلے پہل میں شاذ و نادر ہی ان سے ملنے جاتا۔ لیکن وہ دو نو میری ملاقات کے مشتاق معلوم ہوتے،

مجھ سے مل کر خوش ہوتے، اور اکثر اپنے گھر پر بلایا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ میں اس دلچسپ اور پُر لطف صحبت کا دلدادہ ہو گیا۔ رات کا کھانا اکثر انہیں کے ساتھ کھاتا اور جب واپس ہوتا تو مجھے اپنا گھر سنسان اور اُداس معلوم ہوتا۔

——— میں بھی جولین کی طرح شادی کرنے کے خیالات پکانے لگا ——— وہ ہمیشہ مل جل کر رہتے اور ایک دوسرے کے گرویدہ معلوم ہوتے تھے۔

ایک روز جولین نے مجھے رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ میں پہونچا تو اُس نے کہا "پیارے دوست، مجھے کھانے کے بعد ایک کام پر جانا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مارتھا کی تنہائی کے لئے دفاع کے لئے یہاں ٹھہرے رہو ——— میں ٹھیک گیارہ بجے واپس ہو جاؤنگا۔

آپ کو اسی غرض سے تکلیف دی گئی ہے، مارتھا نے تبسم ہو کر کہا۔

یہ آپ کی قدردانی ہے، میں نے شکریہ کے طور پر کہا۔ مصافحہ کے وقت مارتھا کی انگلیوں کی معنے خیز گرفت قدرے دیر تک قائم رہی ——— لیکن میں نے اس کا کوئی خیال نہیں کیا کھانے کے بعد تقریباً ۱۰ بجے جولین اپنے کام پر چلا گیا

اُس کے جاتے ہی ہم پر ایک عجیب قسم کی اضطراری کیفیت طاری ہوئی گو ہماری دوستی میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا، لیکن یہ پہلا موقع تھا جب کہ ہم تخلیہ میں تھے۔ تشویشناک سکوت کو دور کرنے کے خیال سے میں نے ممکنہ دیر تک گفتگو جاری رکھنے کی کوشش کی۔ مارتھا آتشدان کی دوسری جانب اپنے پیر کو آگ کی طرف پھیلائے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اُس کی آنکھیں ٹھہرے ہوئے ہرن کی طرح متحرک تھیں ——— وہ خیالات کے ایک تلاطم خیز سمندر میں غرق تھی۔ بالآخر میری مختصر سی گفتگو ختم ہوئی اور میں بھی خاموش ہو گیا۔ بعض اوقات گفتگو کے لئے کسی موضوع کی تلاش بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں ہوا میں ایک خاص بات پیدا ہو گئی تھی ——— ایک عجیب، ناقابل تشریح اور پُر اسرار کیفیت، جو انسان کو اُن اچھے اور بُرے خیالات سے، جو دوسرے اُس کے متعلق رکھتے ہیں واقف کر دیتی ہے ——— یہ اُداس سکوت کچھ دیر تک قائم رہا بالآخر ٹوٹ چکا۔

موسیو پول، ایک لکڑی جھونک دیجئے، آتشدان سرد ہوا چاہتا ہے۔

میں نے صندوق کھولا، سے موٹی لکڑی نکالی اور اس فروزاں مخروطی مینار پر ڈال دی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔

ایک یا دو منٹ میں وہ لکڑی اس قدر تیزی سے جلنے لگی کہ حرارت کی وجہ سے ہمارے چہرے جھلسنے لگے مارتھا نے میری طرف کنکھیوں سے دیکھا۔

"اف کس قدر گرمی ہے!" اس نے کہا۔ چلئے وہاں صوفہ پر بیٹھ جائیں۔"

ہم ایک صوفہ پر بیٹھ گئے۔

میرے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے اس نے یکایک کہا:۔

فرض کرو کوئی عورت تم سے محبت کا اظہار کرے تو تم کیا کرو گے؟

میں پریشان ہو گیا اور کہا۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے متعلق قبل از قبل کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی اس کا انحصار کہنے والی کی شخصیت پر ہوگا۔

مار تھا نے ایک فرمائشی قہقہہ لگایا اس کی موثر اور مرتعش ہنسی یکلخت بوجھل کو پاش پاش کرنے کے لئے کافی تھی۔

"مرو" اس نے کہا "نہ جانباز ہوتے ہیں۔ اور نہ معاملہ فہم۔"

پھر ایک سکوت طاری ہو گیا ——

"موسیو پول! کیا تمہیں بھی کبھی کسی سے محبت کرنے کا اتفاق ہوا" اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

میں نے اثبات میں جواب دیا۔

"اچھا اپنا واقعہ سنائیے" اس نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

میں نے ایک قصہ گھڑ کر سنانا شروع کیا، وہ نہایت توجہ سے سنتی اور بار بار خفگی اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتی رہی۔

"نہیں" اس نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا —— تم اس جذبہ سے بالکل ناواقف ہو۔ وہ محبت ہی کیا جو دل کو مجروح اور دماغ کو معطل نہ کر دے ..... جو ..... میں کن الفاظ میں ادا کروں؟ —— جو ایک بڑی حد تک مجرمانہ، خطرناک اور ایمان سوز بے وفائی نہ ہو —— یعنے جو ہر قسم کے قوانین اور بندشوں کو خواہ وہ کیسی ہی قابل لحاظ اور مقدس ہوں توڑنے کے قابل نہ ہو —— کیا آپ اسے محبت کہیں گے جو پرسکون، آسان، بے خطر اور جائز ہو؟

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، لیکن دل ہی دل میں کہا اف عورت ہمیشہ ایک ہی دھن میں رہتی ہے!

گفتگو کے وقت، بعض دفعہ اس کا انداز پارسا ہو جاتا —— وہ تکیوں سے تقریباً چمٹ رہی تھی ..... یہاں تک کہ صوفہ پر پوری طرح دراز ہو گئی —— اس کا سر میرے شانہ پر تھا اس کا داہنا ایک حد تک سرک گیا تھا سرخ ریشمی جرابیں آتشدان کی رقصاں روشنی میں چمک رہی تھیں۔

"کیوں ڈر گئے" اس نے ایک یا دو منٹ بعد کہا۔ میں نے تردیدی طور پر سر ہلایا۔ اب وہ میری آغوش میں تھی۔

"فرض کرو" اس نے میری طرف دیکھنے کے بغیر کہا۔ فرض کرو اگر میں یہ کہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے تو تم کیا کرو گے؟ میرے جواب دینے سے پہلے ہی اس نے اپنے بازو میری گردن میں ڈال دئے۔ سر کو نیچے کی طرف کھینچا اور اپنے ہونٹ میرے منہ سے ملا دیئے۔ آہ پیارے دوست قسم ہے یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ میں اور جولین سے بے وفائی اس نامعقول، کج فہم اور فریب کار ڈائن سے محبت کرتا جو نفس پرستی کے خوفناک غلبہ کی وجہ سے اپنے شوہر سے اس قدر جلد نفور ہو گئی تھی! صرف شجر ممنوعہ کی ہوس میں دگنا گوں خطروں کا علم رکھتے ہوئے اور رشتہ دوستی کی شکست کا خیال نہ کر کے، ہمیشہ دھوکہ فریب اور چال بازی سے کام لیکر جھوٹی محبت کا اظہار کرتا۔ یہ ناممکن تھا لیکن میں مجبور ہو گیا۔ کیا یوسف کی پیروی کرتا؟ — یہ ایک نہایت..... اور دشوار کام تھا اس کے گستاخی سے تمتماتے ہوئے، مرتعش اور پرشوق چہرہ کا حسن یقیناً دشمن ایمان و آگہی تھا۔ صرف وہی شخص مجھے خطاوار ٹھہرا سکتا ہے جس کے لبوں نے اس عورت کا بوسہ نہ لیا ہو جو اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر دے۔ ایک منٹ بعد..... سمجھے آپ..... ایک منٹ بعد مجھ پر..... میری مراد یہ ہے کہ مار تھا پر..... کیونکہ وہی بے خود ہوئی جا رہی تھی..... مدہوشی چھا جاتی — آگے ایک خوفناک کراہٹ نے ہمیں نہ چونکا دیا ہوتا۔ وہ لکڑی، مادام، وہ لکڑی جس کو میں نے آتشدان میں ڈالا تھا، چٹ سے اچھلی اور ایک سیل آتش کی طرح بڑھی — اور قالینوں کو جلاتی ہوئی ایک آرام کرسی کے نیچے رکی — جو کچھ ہی دیر بعد بھڑک اٹھتی۔

میں بے تحاشا لپکا اس لکڑی کو آتشدان کی طرف لیجا رہا تھا کہ کمرہ کا دروازہ کھلا جولین ہشاش بشاش کمرہ میں داخل ہوا "مجھے چھٹی مل گئی" اس نے بلند آواز میں کہا۔ "دو گھنٹہ قبل ہی کام ختم ہو گیا۔

اگر وہ لکڑی نہ اچھلتی — تو میں عین ارتکاب جرم کی حالت میں پکڑا جاتا۔ جو کچھ نتیجہ ہوتا وہ آپ خود سمجھ سکتی ہیں اسکے بعد سے میری ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ اپنے آپ کو اس قسم کی آفتوں سے محفوظ رکھوں۔

کچھ ہی دنوں بعد میں نے محسوس کیا کہ جولین مجھے پہلے کی طرح کھل کر نہ ملتا تھا — مار تھا ہماری دوستی کی جڑ کھوکلی کر رہی تھی جولین نے مجھ سے ملنا ملانا قطعاً بند کر دیا اور بالآخر علیک سلیک بھی باقی نہ رہی۔ میں نے کبھی شادی نہیں کی — تم اس واقعہ پر شاید ہی تعجب کا اظہار کرو گی۔

جنبشِ گل

از

راز قاسمی صاحب حیدر آبادی

بہار آئی چمن و گلستاں رشکِ فردوس بنگئے۔ آفتاب بلند ہو کر درختوں کو زر کار بنانے لگا۔ سبزہ شبنم سے چمک اٹھا چشمو کی روانی میں تیزی پیدا ہو چلی۔ بوئے گل نے مشامِ جان کو پیغام محبت دیا۔ بلبل آئی پیارے گل، پیارے گل چلانے لگی۔ جب عروسِ چمن گل نے آوازِ محبت سنی تو شرما کر آنکھیں بند کرلیں۔ بلبل شاخِ گل پر بیٹھی اور چہک چہک کر اپنی شیریں نغمے سنانے لگی۔ نسیم سحر کا خوشگوار جھونکا آیا۔ دو نتیجۂ بہار کو ایک جنبش خفی ہوئی اور ایک ادائے جانستان کیساتھ مسکرا دی۔ بلبل جوشِ محبت میں اپنا منہ گل کے منہ سے ملنے لگی۔ کبھی چہکتی اور کبھی سبک پروازی کیساتھ گل کے چاروں طرف چکر لگاتی اور پھر ڈال پر بیٹھ کر نہایت پیارا۔ نہایت سرور آمیز اور نہایت بلند آہنگ گیت گاتی تھی۔ جیسا جیسا دن ڈھل رہا تھا اس کے دل کے ساز پر حزن و ملال کی چوٹیں پڑتی تھیں اور اس کی پُر درد آواز دھیمی ہوتی جاتی تھی۔ دن گزر گیا آفتاب ڈوب رہا ہے مگر وہ اپنا راگ گائے جاتی ہے، انتہائی محویت کیساتھ، محبت و وارفتگی سے مست ہو کر تمام رنج و آلام کو بھول جانے کیلئے ——— آہ بلبل تجھے کیا ہو گیا ہے کوئی نہیں جانتا ——— اس نے اپنی چونچ گل پر رکھ دی نیم بسمل کی طرح ——— وہ افسردہ گیت اب صرف آہ آہ کی نامعلوم آواز بنکر اس کے دل کو چیرتا ہوا لبوں سے نکل رہا ہے .....

بہار کا آخری مگر عطر بیز جھونکا آیا۔ گل کو دوبارہ جنبش ہوئی اور اس کی ارغوانی پنکھڑیاں جو رنج و غم سے مرجھا گئی تھیں ایک کرکے زمین پر بکھر گئیں ——— بلبل بیتاب ہو گئی ہائے گل ہائے گل چلانے لگی (گل فنا ہو گیا مگر اس کی یاد باقی تھی)

غزل

مولانا عبد القدیر صاحب حسرت
(صدر شعبہ دینیات کلیہ جامعہ عثمانیہ)

چھڑا دیتی ہے فکر غیر سے تاثیر میخانہ
ملی ہے عرش کی زنجیر سے زنجیر مے خانہ

پڑھو بادہ گسارو! نماز خود فراموشی
صدائے قلقل مینا ہوئی تکبیر مے خانہ

نظر میں زاہدان خشک کی بے خیرگی پیدا
بڑھی ہے شیشہ ہائے مے سے وہ تنویر مے خانہ

نہ دے مینا، نہ دے ساغر مجھے اسکی نہیں حاجت
نگاہ مست کافی ہے تیری اے پیر مے خانہ

بلانوشوں میں دُردِ تہ نشیں تقسیم ہوتی ہے
سلامت باکرامت یا الٰہی میر مے خانہ

نہ آئیگی کوئی آفت کبھی مے خانہ پر حسرت
دعائے مخلصان ہے پایۂ تعمیر مے خانہ

رمین نوارو

کے اپنے واقعات

(از)

بس۔ بی۔ انتظام صاحب

میکسیکو میں جب کہ میں ایک بچہ ہی تھا، ایک دن والد گھر آئے، اور پُر راز طریقہ سے گویا ہوئے کہ ہم سب کے لئے انھوں نے ایک خاص تماشہ کا انتظام کیا ہے۔ میرے بھائی اور بہنیں فوراً تیار ہو گئے۔ ہماری روانگی نے ایک پُر پیچ منظر کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ وہ ہمیں تاڑ کے درختوں کے سایہ دار مقام کے قریب ایک چھوٹے سٹور (STORE) میں لیگئے، جہاں ایک سفری سینما کا آپریٹر (OPERATOR) اپنی عجیب و غریب مشنری نصب کئے ہوئے تھا۔ تماشہ کے تفصیلی واقعات تو یاد نہیں، اتنا یقین ہے کہ سیر و سیاحت کے نظارے اور ایک معمولی مذاقیہ قصہ کی نمائش کیگئی تھی، اس کے آگے میرے حافظہ کی رسائی نہیں ہوتی ۔ یہ سوچ کر مجھ کو حیرت ہوتی ہے کہ اگر ایک معجزانہ کشف کے ذریعہ مجھ پر یہ ظاہر ہو جاتا کہ یہی متحرک تصاویر مستقبل میں میرے لئے کیا کچھ کر ڈالیں گی! تو میرے دل و دماغ پر کیا اثر ہوا ہوتا؟ شاید میں بالکل دیوانہ ہو جاتا۔

میں نے اپنی زندگی میں کیا کیا ہے؟ کبھی نہ کبھی ہم سب اپنے سے یہ اہم سوال ضرور کرتے ہیں۔ میں تو ہمیشہ یہ سوال کیا کرتا ہوں! کیا میں نے غلطی کی ہے۔ اُن تمام آرائش کرنے والے شاغل میں سے کیا میں نے ایک غلط

سلک اختیار کیا ہے؟ بالکل متضاد کاموں کو انجام دینے کی مجھے آرزو تھی مثلاً میں ایک پادری (PRIEST)، حسن کار، رقاص، اداکار، مصنف یا ایک مغنی ہوتا! اسٹیج، بیالٹ (رقص) و سرود کی چھوٹی کمپنی (BALLET)، مذہبی خدمت، سکرین (SCREEN)، اپرائی دنیا (OPERATIC WORLD) غرض ان سب نے مختلف اوقات پر نہایت اصرار سے مجھ کو دعوت دی۔

ایک مرتبہ مجھ کو پادری بننے کی ایسی خواہش ہوئی کہ اس قسم کی خواہش میری تمام عمر میں اور کوئی نہیں ہوئی۔ یہ اپنے ایک بھائی کیساتھ خوشحالی یا تباہی حاصل کرنے کیلئے ہائی وڈ جانے سے پہلے کی بات ہے۔ میکسیکو کے ایک چھوٹے شہر ڈیورانگو میں میری پیدائش ہوئی اور یہیں والد کے خوبصورت مکان میں میری بود و باش تھی۔ تمام عمر میں مذہب کا سخت پابند رہا ہوں عشق و محبت کے ایک ناخوشگوار معاملہ نے میرے لئے پادری بنجانے کا سامان مہیا کر دیا تھا۔ لیکن اسی زمانہ میں میری دلچسپی تھیٹر سے بھی وابستہ تھی اور موسیقی پر تو فریفتہ تھا۔ جب کبھی میرے پاس ایک ٹکٹ خریدنے کے پیسے جمع ہو جاتے تو میں کسی تھیٹر یا کنسرٹ (CONCERT) کو چل پڑتا ایک پادری بننے کی نیت سے ہی میں نے تعلیم حاصل کی! لیکن دوسری طاقتوں نے مجھ کو پیچھے کھینچا۔ آخر کار میں نے روزمرہ کی زندگی کی طرف رخ کیا۔

میری عمر اس وقت (۳۴) سال ہے۔ دنیا مجھ کو "کامیاب" کے نام سے پکارتی ہے۔ لیکن میں اپنے دل سے بھی پوچھتا رہتا ہوں کہ آیا اپنے مسلک کے اختیار کرنے میں کوئی خوفناک خطا تو مجھ سے سرزد نہیں ہوئی ہے۔ کئی مرتبہ ایسے اعلانات ہوئے کہ سکرین چھوڑ کر گراڈ اپرا میں شریک ہو جانے کا میرا ارادہ ہے! اس زمانہ میں واقعی یہی بات تھی! حتیٰ کہ میں نے اپنا رول (کام۔ ROLE) بھی انتخاب کر لیا تھا۔ اور بمقام برلن ڈرامہ "لاٹاسکا" میں "ویسا واڈرووسی" (ایک گیت) گانیوالا تھا لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ وجہ یہ تھی کہ حلق میں کچھ شدید عارضہ ہو جانے سے میں سخت بیمار ہو گیا تھا! اور جب میں اس قابل ہو گیا کہ گراڈ اپرا کے رول کے لئے مشق کروں (REHEARSE) تو دوسرے ہی جہاز سے امریکہ جانے کا وقت آ گیا۔ کیونکہ سنت فلم کنٹراکٹ (معاہدہ) کی پابندی کرنی تھی۔

میری زندگی مختلف حیثیتوں میں بسر ہوئی ہے! یہاں تک کہ ایک چور کی بھی۔ اکثر میری یہی خواہش رہی کہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کو نظر انداز کر کے ایک ہی کام ایسا کیا جائے جو اعلیٰ و نمایاں ہو۔ اس زمانہ کے متعلق جب کہ میں

ایک چور تھا میں خود عرض کئے دیتا ہوں۔ میری سکونت نیویارک میں تھی اور میرین مارگن کے رقاصوں کی جماعت کا ایک ممبر تھا۔ میری توقع کے خلاف ہمارے تماشوں کا آغاز جلد نہ ہو سکا۔ اس لئے میں نے دن میں ایک مرتبہ کھانے کے لئے کافی پیسے پیدا کرنے کی خاطر ایک آٹومیاٹ کفے (ہوٹل) میں بس بوائے (BUS BOY) کی ملازمت اختیار کی۔ میرے فرائض یہ تھے کہ گاہک جب کھا چکیں تو گلاس اور برتن وغیرہ اٹھا کر رکھ دوں۔ اس کے علاوہ صبح ہی تین بجے ایک تھوک فروش روٹی کی دکان (BAKERY) کو جانا پڑتا تھا، جو یہاں سے چار میل کے فاصلہ پر واقع تھی اور صبح کے لئے روٹیاں اور کیک وغیرہ لایا کرتا تھا۔ مجھ کو کرایہ دیا جاتا تھا لیکن میں ایک دوسری راہ نکال کر کرایہ اپنی جیب میں رکھ لیا کرتا تھا۔ کیونکہ مجھ کو ایک ایک پیسہ پس انداز کرنے کی ضرورت تھی۔ اسی ملازمت کے زمانہ میں کرسمس کی شام آ پہونچی اس وقت میری صرف یہ دعا تھی کہ عشائے نیم شب (حضرت عیسیٰ کی یادگاری کی رسم MIDNIGHT MASS) میں شرکت کیلئے بہر صورت یہاں سے نکل کر ٹھیک وقت پر پہونچ جاؤں! جس کو میں نے زندگی میں کبھی ناغہ نہیں کیا لیکن گاہک اس قدر دیر تک بیٹھے رہے کہ مجھ کو جانے کی اجازت نہیں دیگئی! اور اس طرح مجھے انتہائی رنج و غم کا سامنا کرنا پڑا۔

چند روز بعد ایک اور غمناک واقعہ ہوا۔ ہماری جماعت باقاعدہ تماشے شروع کرنے کے انتظار میں نیویارک میں مشق و تربیت میں مشغول تھی۔ اس صورت میں میرے لئے بڑی سہولت تھی! کیونکہ میں صبح اور دوپہر میں مشق کر لیتا تھا۔ دن میں صرف ایک وقت کے کھانے سے فارغ ہو کر آٹومیاٹ کفے میں کام کرنے کے لئے ٹھیک وقت پر پہونچ جاتا تھا تھوک فروش دکان تک چار میل کا راستہ چلتے ہوئے مجھ کو ایسی شدید بھوک معلوم ہوتی تھی کہ میں جان بوجھکر روزانہ شام میں ایک سیب چرا لیا کرتا تھا اور راستہ میں چلتے ہوئے اُسے چٹ کر جاتا تھا۔

کرسمس کے کچھ عرصہ بعد میں نے سنا کہ ہماری جماعت مونٹ ورنن میں تین دن اپنے تماشے پیش کریگی جسکا یہ مطلب تھا کہ مجھے کفے کی ملازمت چھوڑنی پڑیگی۔ جب ہم سب مونٹ ورنن پہونچے تو میرے پاس صرف ایک ڈالر باقی تھا۔ اور جب پہلا تماشہ ختم ہوا تو بڑی دیر تک اس تذبذب میں رہا کہ اس ایک ڈالر کو آیا بستر کے کرایہ کے لئے صرف کروں یا کچھ غذا کھالوں۔ چونکہ مجھکو معلوم تھا کہ دونوں میسر نہیں ہو سکتے۔ اور آج تمام دن میں میں نے صرف ایک روٹی (ROLL) کھائی تھی، لہذا غذا خریدنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد میں پھر تھیٹر لوٹا اور اسٹیج ڈور (دروازہ) کے

نگہبان کی خوشامد کر کے اندر داخل ہو گیا۔ مزدور عورتیں اسٹیج کی صفائی کر رہی تھیں۔ لیکن میں رینگتے ہوئے ایک گوشہ میں پہونچا۔ ایک پرانی برساتی کو اپنا بستر بنا کر اس پر دراز ہو گیا۔ میرا اوورکوٹ تو ہفتوں پیشتر زیب تن رکھدیا گیا تھا۔ جب تک ہم کو تنخواہیں نہیں ملیں میں نے اسی طرح بسر کی۔ جب ہم نیویارک واپس ہوئے میں فوراً کنٹے پہونچا، اور اپنی مسلسل اور ارادتاً چوری کا اقبال کیا۔ اور مینجر کو ہر چرائے ہوئے سیب کی قیمت ادا کی۔ مجھ کو سیبوں کی تعداد اور انکی اوسط قیمتیں خوب یاد تھیں وہ قہقہہ مارنے لگا۔ مدیں نے اس کے ہاتھ میں ایک ڈالر (۵، سنٹ جو رکھدیا تھا وہ نہیں لینا چاہتا تھا۔ مگر میرے مصمم ارادہ کو جب اُس نے دیکھا کہ بغیر ادا کئے یہاں سے نہیں ٹلونگا تو چار و نا چار اس کو وصول ہی کرنا پڑا۔

ایک مرتبہ اور میں اپنے ضمیر کے بوجھ کو ہلکا کر کے چلنے لگا۔ پہلی چیز جو میری آنکھوں سے دوچار ہوئی وہ ایک مشہور اکٹر کا نام تھا جو نہایت جلی حروف میں پوسٹر پر لکھا تھا۔ گذشتہ شب تھیٹر میں ہم سب اسی کے متعلق گفتگو کر رہے تھے اور مجھ کو یاد ہے کہ کسی نے کہا تھا وہ فی ہفتہ ایک ہزار ڈالر یا اُس سے کچھ زیادہ ہی کماتا ہے کیا وہ ایک خوش نصیب نہیں ہے؟ میں نے اس کے نام کی طرف دیکھا اور خود سے یوں مخاطب ہوا "اگر وہ ہر ہفتہ ایک ہزار ڈالر کماتا ہے تو میں بھی کما سکتا ہوں! اور کیا بات ہے، میں کماؤنگا" اس وقت میری تنخواہ فی ہفتہ ایک ہزار فارونگ بھی نہیں تھی لیکن اس ارادہ پر کمر باندھنے کے بعد ایک سال کے اندر ہی میں اُس راستہ پر گامزن تھا جو فی ہفتہ ایک ہزار ڈالر کمانے کی منزل کی رہنمائی کرتا ہے۔

رقاصوں کی جماعت کے ساتھ میں ہالی وڈ واپس آگیا، جہاں سے ہم روانہ ہوئے تھے اور یہاں میں نے اُن کو ترک کر دیا۔ اس کے بعد عجیب کشمکش اور پیچ و تاب میں مبتلا رہا۔ جب کبھی میں دو یا دو سے زیادہ مشیوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا چاہتا تو یہی کیفیت ہوتی تھی۔ تب میں نے اپنے آپ سے کہا کہ اگر فی ہفتہ ایک ہزار ڈالر کے خواب کو عملی شکل میں دیکھنا ہو تو ایک قطعی فیصلہ کرنا چاہیئے۔ میں نے بیالٹ کی دنیا اور اس کے متعلقات کو خدا حافظ کہا! اور اسٹوڈیو کی دنیا میں منہمک ہو گیا۔ لیکن کس حالت میں؟ ایک اجنبی جو رکھتے رکھتے انگریزی بولتا ہے جس کے پاس کوئی سفارش نہیں! ہاں بجز اُس آہنی ارادہ کے جو ناکامی کو کبھی تسلیم نہیں کرتا۔

ایک اور اجنبی کو ہالی وڈ میں آئے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا جس کا نام رڈولف والنٹینو تھا مشہور فلمسازوں کو اسی کے مانند لاطینی خط و خال رکھنے والے کی جستجو تھی۔ میں نے اس کی نقل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور نہ

اس کی اسقدر جلد کامیابی پر مجھ کو حسد تھا۔ جو کچھ میں کر سکتا تھا وہ صرف اسی قدر تھا کہ میں انتہائی محنت سے کام کروں اور دعا مانگتا کہ میں نے جو راہ اختیار کی ہے وہ میرے لئے راست آئے ایک دن نگار خانہ (STUDIO) میں کسی ساتھی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ڈائرکٹر ایکسل انگرام کو جینے والینٹینو کو دولت و شہرت کی معراج تک پہونچا دیا، ایک ایکٹر کی سخت تلاش ہے جو پرنز آف ٹائیڈ میں روپرٹ آف ہنٹزاؤ کا کام کر سکے میں نے اسے "لورس اوتھ" میں کچھ کام کیا تھا۔ اسی کارگزاری کے پیش نظر میں نے اپنے ڈائرکٹر کو ایکس انگرام کے پاس میری سفارش کرنے کے لئے آمادہ کر لیا ایک دن روپرٹ آف ہنٹزاؤ کے رول (ROLE) کے لئے ایک سنجیدہ درخواست گذار کی حیثیت سے اُن کے دفتر میں حاضر ہو گیا ــــ (یعنے) ایک غیر معروف بائیس ۲۲ سالہ نوجوان جسکی آنکھیں سیاہ اور بال کالے گھنے مسٹر انگرام نے مجھ کو دیکھکر ایک لمبی سانس لی اور دبی ہوئی آواز میں کہا ــ

"مجھ کو افسوس ہے کہ اس کام کے لئے جس نمونہ (TYPE) کے ایکٹر کی ضرورت ہے۔ تم اس کے بالکل برعکس ہو۔ سنو! روپرٹ دراز قامت بہت خوبصورت اور ایک پُرفخر سیرت کا مالک تھا اور اس سے زیادہ کیا کہوں کہ اسکی عمر تمہاری عمر سے کم از کم ایک سال تو زیادہ رہی ہوگی"

یہ سنکر از حد مایوسی اور حوصلہ شکنی ہوئی لیکن ایک غیبی طاقت نے کم از کم امتحان کے لئے اُستدعا کرنے کی مجھ میں جرأت پیدا کر دی انگرام نے یہ کہتے ہوئے سر ہلایا کہ یہ محض تضیع اوقات ہوگی لیکن میں اپنے ارادہ پر قائم رہا پایا کار انہیں یہ کہنا پڑا کل تم کیمرہ امتحان (CAMRA TEST) کے لئے آسکتے ہو اگرچہ کہ انھوں نے اس سے بھی آگاہ کر دیا تھا کہ کامیابی کی کوئی توقع نہیں ہے۔ رخصت ہونے سے پیشتر میں نے ڈائرکٹر سے دریافت کیا کہ یہ روپرٹ کس وضع قطع کا شخص تھا۔ انھوں نے میری سفارشی خط کو لیکر اُسی پر جلدی سے ایک خاکہ کھینچ دیا، اور ساتھ ہی ایک اور مرتبہ اس کے کردار کی بھی تصریح کر دی۔ میں یہ سنکر وہاں سے چل دیا۔ اس خاکہ کا غور سے مطالعہ کیا، کردار کے متعلق سوچا۔ بعد ویسٹرن کیسٹوم کمپنی کو گیا، جہاں میں نے بہت وقت صرف کیا اور پانچ بیس بہاڈالر خرچ کر دئے۔ اتنے خرچ کی میرے پاس گنجائش نہ تھی۔ روبرٹ کا لباس زیب تن کر کے اور اس کا بھروپ پوری طرح اختیار کر کے دوسرے دن ایکسل انگرام کے سامنے پیش ہو گیا میرا خیال ہے کہ مجھ کو دیکھکر وہ کچھ متعجب۔ اور سراپا چوکنا نظر آرہے تھے۔ دیکھتے ہوئے کچھ رکے رہے بعد اپنی جیب سے یک چشمہ عینک (MONOCLE) نکال کر مجھ سے کہا "یہ اپنی آنکھ پر لگا لو ــ اگر تم لگا سکتے ہو" اس وقت میری انگریزی نمایاں طور سے ناقص تھی۔ اس کامیابی پر فخر و مسرت سے مجھ میں ایک لرزہ پیدا ہو گیا اور کہا،

یہ کام (PART) مجھ کو دیا جا رہا ہے۔ مجھ کو یقین ہے کہ اُسے کما حقہ طور سے انجام دونگا" اس پر ایکس انگرام خاموش ہو گئے اور کسی بحث و تمحیص کے بغیر وہ پارٹ مجھ کو دیدیا۔ یہی وہ رُول (ROLE) تھا جو "بن حر" جیسے اہم میں مجھ کو کنٹراکٹ نصیب ہونے کا باعث ہوا۔ اور اس طرح پادریت، پیانو، گرانڈ پرا کے مشاغل، آرٹسٹ کے پیالٹ (PALETTE) اور کیانوس، مصنف کے فلیکیپ کا غذ اور قلم اور پیالٹ کے رقصی جوتے مجھ سے جدا ہو گئے۔ میری جو مختلف و متضاد خواہشیں تھیں شاید اس کا اقتضا ہی تھا ــــ کہ میں اکثر بنجاؤں۔

میں نے انگیس انگرام سے اداکاری کے متعلق بہت کچھ سیکھا۔ اور لوئس سٹون سے وضع قطع و تناسب کے متعلق بہت سارے سبق حاصل کئے۔ "پرزز آف زنڈا" میں مسٹر سٹون سے پہلی بار ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے بعد ہم دونوں نے ساتھ ساتھ کئی مرتبہ اور حال ہی میں "سن اینڈ ڈاٹر" میں کام کیا ہے سٹون ایک نہایت سلیم الطبع شخص ہے اور اس کے ساتھ ہی ایک بہترین آرٹسٹ بھی لفظ جنٹلمین کا اطلاق اس پر بالکل صادق آتا ہے۔

ہاں امیرے پاس یہ محسوس کرنے کے لئے کافی ثبوت ہے کہ گیارہ سال سے میں جو ایک فلم اسٹار ہوں وہ بڑی خوشنجتی ہے۔ میکسیکو کے کالج میں بھی میں نے تعلیم حاصل کی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ نگار خانوں میں ایسی تعلیم حاصل کی شاید ہی دنیا کی کوئی یونیورسٹی ویسی تعلیم کا انتظام کر سکے میں نے یورپ اور شمالی افریقہ کی کئی مرتبہ سیاحت کی ہے "بن حر" کی تیاری میں روما میں ایک سال "دی پیاگان" کی تیاری میں تاہیٹی میں مہینوں بسر کئے ہیں بہت سارے مقامات کا سفر کیا ہے کئی عظیم الشان اور دلچسپ شخصیتوں سے ملاقات نصیب ہوئی اور آرٹ کے متعدد مہتم بالشان شاہکار دیکھے ہیں۔ (از رائل ڈیکو گوٹر)

صوت تغزل

یعنی دیوان طباطبائی، جو عالیجناب نواب حیدر یار جنگ بہادر علامہ علی حیدر طباطبائی نظم کے کلام کا مکمل ردیف وار مجموعہ ہے بہترین طباعت و کتابت کے ساتھ دارالاشاعت انجمن امداد باہمی مکتبہ ابراہیمیہ سے شائع ہو چکا ہے قیمت صرف (۴) عہ

مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد دکن

غزل

از

نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز

یہ کیونکر ہو سکے اُس بدگماں سے
جو ہو دل میں وہی نکلے زباں سے

نہیں سنتا بشر کوئی بشر کی
فرشتے آئیں گے اب آسماں سے

اُدھر منزل اِدھر میدانِ وحشت
ہم الٹے پاؤں پلٹے درمیاں سے

تماشائے جبینِ سائی تو دیکھو
شرر اڑتے ہیں سنگِ آستاں سے

کسے معلوم کیا پوچھے وہ بدظن؟
کسے معلوم کیا نکلے زباں سے

وہ ہوں وابستۂ آرام و راحت
نکل کر بھی نہ نکلا آشیاں سے

دلیلِ عاجزی ہے بے ثباتی
یہ عقدہ حل ہوا عمرِ رواں سے

میرے دل میں نہیں رہتی کوئی بات
اِدھر آئی اِدھر نکلی زباں سے

کہاں تک خوف رسوائی کہاں تک
کلیجہ پک گیا ضبطِ فغاں سے

شہیدانِ وفا کی پج گئی دھوم
خضر ہیں تنگ عمرِ جاوداں سے

کہاں کی سیر کیا صحنِ گلشن؟
قدم باہر نہ رکھا آشیاں سے

تہ و بالا ہوئی دنیائے ہستی
زمین پر آگیا ہوں آسماں سے

عزیزؔ آفت میں ہے جانِ تمنا
دلِ مضطر سے چشمِ خونچکاں سے

ہندوستان پر اسلامی اثرات

نصیر الدین صاحب ہاشمی حیدرآبادی (مؤلف) یورپ میں دکھنی مخطوطات وغیرہ

۲

اخلاقی اثرات ہندوستان پر مسلمانوں کے مذہبی اثرات کی طرح اخلاقی اثرات بھی لاانتہا ہیں۔ اولاً ایک نظر اُن اخلاقی حالات پر ڈالنی کی ضرورت ہے جو اسلام کے پہلے یہاں تھی۔

اسلام نے جس وقت سرزمین ہند پر قدم رکھا اس وقت یہاں نہ تو قدیم مذہب کا وجود تھا اور نہ اعلیٰ تمدن و تہذیب کا پتہ جن لوگوں کا کوئی باقاعدہ مذہب نہ ہو اور وہ تمدن و تہذیب سے آراستہ نہ ہوں تو ان کی اخلاقی حالت کس درجہ پست ہوگی وہ اظہر من الشمس ہے۔

یہاں انسانی قربانی ہوتی تھی۔ مساوات کا نام و نشان نہیں تھا انسانوں کے درجہ مقرر تھے۔ ایک سے دوسرا گروہ کم درجہ پر تھا۔ برہمن جن کا درجہ سب سے اعلیٰ تھا وہ دوسری ذات والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے اور ذلیل قرار دیتے تھے! وہ نہیں نجس اور ناپاک سمجھ کر انہیں چھوت چھات کرتے تھے اگر ان کو کوئی نیچی ذات والا چھو لیتا تو وہ غسل کرتے اور اگر کوئی شخص بغیر غسل کے کھانا کھا لیتا تو اس کو برادری سے نکال کر نیچی ذات والوں کے ہاتھ فروخت کر دیتے تھے۔ تاکہ وہ اس جرم کی پاداش میں اپنی بقیہ عمر غلامی میں بسر کرے

غلام سات قسم کے تھے وہ جو لڑائی میں قید کئے جاتے وہ جو لپکی روٹی کے لئے خدمت کرتے جو گھر میں

پیدا ہوتے۔ جو خرید کے یا ہبہ کئے جاتے جو ارثاً ملا کرتے اور وہ جو بطور سزا کے غلام بنائے جاتے۔

منو کے دھرم شاستر سے معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی مذہبی رسم کا ترک کرنا گناہ عظیم سمجھا جاتا تھا جس کی تلافی سخت جسمانی سزا اور بعض صورتوں میں موت سے ہو سکتی تھی اس کے برخلاف چوری اور قتل وغیرہ کی سزا نہایت خفیف تھی۔ عورتوں سے تعلقات اسی وقت جرم سمجھے جاتے جب کہ وہ نیچے کی ذات کے ساتھ پیدا کئے گئے ہوں۔ بعض قسم کے قتل مثلاً چھوٹے بچوں کو زندہ دفن کر دینا مطلق جرم نہیں تھا۔

قمار بازی کا بازار گرم رہا کرتا تھا یہاں تک کہ سلطنت اور اپنی بیوی کو بھی داؤں پر لگا دیا جاتا تھا۔

عورتوں کی حالت جانور اور چوپایوں سے بھی بدتر تھی۔ ان پر ظلم و ستم کی انتہا نہ تھی ایک ہی وقت میں وہ کئی کئی شوہر دن کی ملکیت ہوتیں اور کبھی پورے خاندان کی ایک ہی مشترک بی بی ہوا کرتی تھی۔ ہر ایک کی خواہش پوری کرنا ان کا فرض ہوتا تھا۔ عورتوں کو حصہ نہیں ملتا تھا۔ خواہ شوہر کا ترکہ ہو یا باپ کا بھائی کا ہو یا بیٹے کا یہ وہ کیلئے ضروری تھا کہ وہ شوہر کے ساتھ زندہ جل کر ستی ہو جائے۔ شادی کا زمانہ نہایت کم عمری قرار دیا گیا تھا۔ جس کے باعث چھوٹی چھوٹی عمر کی لڑکیاں ناکردہ گناہ معصوم زندگی بھر آفت و مصیبت میں مبتلا ہو جاتیں یا بدکاری شروع کر دیتی تھیں۔

منو کے قانون کی رو سے بھی عورت کی حالت قابل رحم تھی اس کے متعلق جو احکام ہیں انمیں سے بعض یہ ہیں:۔

عورتوں کا وجود صرف اس لئے ہے کہ بچے دیں ان کی پرورش کریں اور خانہ داری کے کام میں مصروف رہیں (باب ۹)

کسی لڑکی یا نوجوان عورت یا بڈھی عورت کو کبھی اپنے گھر میں بھی کوئی کام اپنے اختیار سے نہیں کرنا چاہیئے طفولیت میں عورت کو باپ کا تابع رہنا چاہیئے اور جوانی میں شوہر یا بیٹوں کا۔ اگر وہ انہیں چھوڑ کر چلی جائے تو اپنے اور اپنے شوہر دونوں کے خاندان پر بدنامی کا دھبہ لگا یگی۔ (منو باب پانچواں)

ان قوانین سے واضح ہو سکتا ہے کہ عورت کی کتنی پست حالت تھی ان کا کوئی درجہ اور مرتبہ سوسائٹی میں نہیں تھا ان کا کام صرف بچے جننا اور ان کی پرورش کرنا تھا مردوں کو زنا جیسے بدترین اخلاقی جرم پر

اور پھر غیروں کی بیویوں کے ساتھ ہونے کے باوجود کوئی زیادہ سزا نہیں دی جاتی تھی۔ اس کے برخلاف اگر کوئی عورت اس جرم کی مرتکب ہوتی تو اس کو کتوں سے نچوا کر ہلاک کیا جاتا تھا۔

عورت کے متعلق پیغمبر حکم سناتی ہے کہ یہ دھوکہ کا بگولا۔ شوخی کا مسکن بے باکی کی نگری گناہوں کا مخزن ہزاروں مکاریوں کا محل بدگمانیوں کا ڈھیر اور ہے۔ یہ پٹاری ہے۔ جس میں ہر قسم کا جادو منتر بھرا ہے۔ یہ معمہ ہے جس کے حل کرنے میں بڑے بڑے اور نامور سے نامور آدمی قاصر رہتے ہیں یہ جس کا نام عورت ہے امرت ملا ہوا زہر ہے اس کو دنیا میں اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ پارسائی کو ہٹ دے جو بات عورت کے دل میں ہوتی ہے وہ اس کی زبان پر نہیں ہوتی جو زبان پر آتی ہے۔ وہ منہ سے باہر نہیں نکلتی اور جو منہ سے نکلتی ہے اس پر وہ عمل نہیں کرتی۔" اسی طرح منو پدیش کی رو سے عورت کا حال گائے سا ہے جو جنگل میں نئی نئی ہری گھاس کے کھوج میں رہتی ہے عورت بھی سدا نئی نئی چاہت میں رہتی ہے۔ عورت ہمیشہ بے وفا ہوا کرتی ہے حتیٰ کہ دیوتاؤں کی استریوں کا بھی یہی حال ہے اگر کوئی عورت پاک دامن ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ اس میں حیا یا حجاب ہے۔ یا طبعی نیک خصلتی یا قوت بلکہ وجہ یہ ہے کہ کوئی عنایت کا طالب اور طلب گار نہیں ہوا۔

غرض اس طرح عورتوں کی حالت بد سے بدترین تھی۔ اسی طرح بدھ مذہب کی حالت تھی وہاں انسان کی بہترین زندگی رہبانیت ہے۔ جس کی باعث اس مذہب نے رہبانی فرقے اور خانقاہیں تمام ملک میں پھیلا دیں جس مذہب میں تمام تر رہبانیت کی تعلیم دی گئی ہو۔ اور دنیا سے کنارہ کشی اس کا مقصد اعظم ہو تو بھلا پھر وہ مذہب کس طرح ترقی کر سکتا ہے اور کس طرح انسانی فطرت کے موافق ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس مذہب کی تلقین سے نسل انسانی معدوم ہو جا سکتی ہے۔

بات چیت۔ ملنے جلنے اٹھنے بیٹھنے میں تہذیب و شائستگی نام کو نہیں تھی۔ آداب مجلس بزرگوں اور خوردوں کا پاس و لحاظ اور حفظ مراتب سے واقف نہیں تھے۔ لین دین خرید و فروخت میں راست بازی و دیانت داری باقی نہیں رہی تھی۔

ایسی حالت میں مسلمانوں نے سرزمین ہندوستان میں قدم رکھا اور جہاں اپنے مذہبی برکات سے مستفید کرنے لگے وہاں انکے میل جول سے اخلاقی حالت بھی درست ہونے لگی اور اسلامی حکومت نے قانوناً بعض امور کو بند کر دیا

انسانی قربانی بالکل موقوف ہوگئی کسی برہمن کی یہ مجال نہیں تھی کہ انسانوں کو بتوں کے بھینٹ چڑھاویں اسلامی حکومتوں میں عام طور سے قانوناً اس کو بند کر دیا گیا جو ملک اسلامی حکومت کے دائرہ سے باہر تھے ان میں بھی اس کا عمل ہونے لگا اور معصوم انسان قربانی سے محفوظ ہو گئے۔

مسلمانوں کے مساوات کے طریقے اور اس کے عمل نے ان پر اثر کیا جو اشخاص نیچ ذات کے باعث تکالیف اٹھاتے یا بڑی ذات والے بھی نیچی ذات میں داخل کر دیئے جاتے تو وہ فوراً اسلام قبول کر کے دوسرے مسلمانوں کے برابر حقوق حاصل کر لیتے۔ اب دوسرے ہندو بھی ان کی عزت میں کمی نہیں کرتے تھے۔ آج جو تبلیغ نیچ ذات والوں کے ساتھ مساوات اور ان کو برادری میں شریک کرنے کی ہو رہی ہے وہ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی تعلیمات ہی کا نتیجہ ہے۔

اسلام کے قوانین کے بموجب قمار بازی اسلامی حکومت میں قطعاً بند کر دی گئی اس طرح ہندوستان سے اس بداخلاقی فعل کا انسداد ہو گیا۔ وہ زمانہ معدوم ہو گیا جب کہ سلطنت اور بی بی کو بھی قمار بازی میں ہارا دیا جاتا تھا۔

اسلامی قوانین نے جو آزادی عورتوں کو دی ہے اس سے اہل ہند کی آنکھیں کھلیں اور وہ ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگے بیشتر کہ ازدواج کا قاعدہ بالکلیہ مسدود اور موقوف ہو گیا ستی کی رسم موقوف کی گئی۔ موجودہ تاریخیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ ستی کی رسم کو انگریزوں نے موقوف کیا حالانکہ اس کے بہت پہلے یہ رسم مسلمانوں کے زمانہ میں موقوف ہو چکی تھی۔ اکبر کے زمانہ میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ جبراً ستی نہ ہوا کرے اگر کوئی بیوہ اپنی خوشی اور رضامندی سے ستی ہونا چاہے تو اس کی اجازت تھی مگر برہمن کسی بیوہ کو مجبور نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے بعد عالمگیر کے زمانہ میں عام طور پر حکم جاری کیا گیا کہ کسی صورت میں بھی ستی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ عالمگیر کے زمانہ کے ایک انگریز سیاح الگزنڈر ہملٹن نے اپنے سفرنامہ میں اورنگ زیب کی مذہبی رواداری کے متعلق لکھا ہے:۔

"ہندوؤں کے ساتھ مذہبی رواداری پوری طرح سے برتی جاتی ہے وہ اپنے برت رکھتے ہیں اور تہواروں کو اسی طرح سے مناتے ہیں جیسا کہ اگلے زمانہ میں کرتے تھے جب کہ بادشاہ خود ہندو تھے اور وہ اپنے مردوں کو جلاتے ہیں لیکن اُن کی بیویوں کو اجازت نہیں ہے کہ شوہروں کیساتھ ستی ہوں"

اکبر ہی کے زمانہ میں یہ حکم بھی نافذ کیا گیا تھا کہ چھوٹی عمر میں شادی نہ کی جائے۔

دیگر اخلاق اور آداب مجلس میں بھی ترقی ہوئی تھی اور پہلی حالت بدل گئی تھی آج کل جو تعلیم یافتہ ہندو خواتین کی کثرت ہے اور وہ یورپین عورتوں کی طرح آزاد اور ترقی کر رہی ہیں اس کی بڑی وجہ مغربی اثر نہیں بلکہ اصلی ابتدا اسلامی قوانین اور مسلمانوں کے اثر سے ہوئی ہے جس کے ثبوت کے لئے جسٹس راناڈے کی تحقیقات کو دیکھا جا سکتا ہے۔

عام طور سے درستی اخلاق ناپ تول میں فرق نہ ہونے کے انتظام کیلئے گاؤں گاؤں میں ترقی اور محتسب کے عہدے قائم کئے گئے تاکہ شہروں اور قصبوں کے قطع نظر دیہات میں بھی ناپ تول کا فرق نہ ہو اور تمام رعایا کو نقصان نہ پہونچے۔

بہرحال اسلام کے اخلاقی اثرات کی بڑی تفصیل ہے جس کی وضاحت کے لئے طوالت کی ضرورت ہے موجودہ صراحت سے اسلامی اثرات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

(باقی آئندہ)

مثنویات میر

یہ میر تقی میر کی جملہ مثنویات کا مجموعہ ہے جس کو مولوی سید محمد صاحب ایم۔اے نے متعدد قلمی نسخوں کے باہمی مقابلے اور بڑی تحقیق و تلاش کے بعد ترتیب دیا ہے جس میں میر صاحب کی سوانح حیات وغیرہ پر بلند پایہ تنقید بھی کی گئی ہے۔

قیمت (عہ) مجلد

(مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد دکن)

نعرۂ مستانہ

از

حضرت کوکب صاحب شاہجہانپوری

اے شورشِ مستانہ! اے شورشِ مستانہ!! ساقی کی امانت ہے رازِ دلِ میخانہ
دنیا کی حقیقت کیا! دنیا تو ہے افسانہ! دیوانہ کسی کا ہے تجھے بھی بیگانہ

ہے مشربِ رنداں بھی عالم سے جدا گانہ ہر لغزشِ مستانہ ہے سجدۂ شکرانہ
مرجانے کی باتیں ہیں اے ہمتِ مردانہ انپوں کی خوشامد ہو یا منتِ بیگانہ

نیرنگیٔ وعظ بھی ہمرنگِ زمانہ ہے اقوالِ حکیمانہ افعالِ سفیہانہ
احباب کی "بیدردی" اغیار کی "ہمدردی" رودادِ مصیبت ہے افسانہ در افسانہ

ہر ذرہ خاکستر اک شمعِ بصیرت ہے اللہ ری توضیحِ جاں بازیٔ پروانہ
آزادیٔ رندانِ الفت میں دو عالم ہے یعنی نہیں یکساں ہے آبادی و ویرانہ

کیفِ مئے الفت کیا آنکھوں سے نظر آئے ملتا ہے یہ مستوں کو پیمانہ بہ پیمانہ
ساقی کی عنایت کا ہو شکر ادا کیونکر بے حد و نہایت ہیں الطافِ کریمانہ

کونین کے قصے ہیں اک میری حکایت میں افسانہ ہستی ہے افسانہ در افسانہ
جس نے یہ ٹوٹا تھا کیا جانے وہ کیا ہوگی ہے شعلۂ جوالہ ہر ذرہ پیمانہ

پھر روحِ فسردہ میں ہیجان بپا کر دے اے نرگسِ مستانہ! اے نرگسِ مستانہ!!
وہ جوہرِ عرفاں دے اس آئنۂ دل کو کونین ہے حادی ہوا اک گوشۂ غمخانہ

اللہ ری معراجِ وارفتگیٔ کوکب ہمسازِ حقیقت ہے ہر نعرۂ مستانہ

میرے کردار

(۱)

سید عابد علی صاحب عابد ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی

قارئین کرام کی خدمت میں گذارش ہے کہ اس افسانے کو صرف "افسانہ" نہ تصور فرمائیں جس واقع کا ذکر مندرجہ ذیل سطور میں کیا گیا ہے۔ اس کے ہر جزو کی صحت کا میں ذاتی طور پر ذمہ دار ہوں۔ علاوہ ازیں یہ واقعہ گرمیوں کی تعطیلات میں پیش آیا تھا اور ظاہر ہے کہ گرمیوں کی تعطیلات میں حیرت انگیز واقعات کی کمی نہیں ہوتی۔

(مصنف)

تھوڑے دنوں کی بات ہے۔ میں ایک افسانہ لکھ رہا تھا جس کے ہیرو اور ہیروین نہایت شائستہ اور مہذب تھے۔ ہیرو کے لئے میں نے امجد حیدر کا شاعرانہ نام تجویز کیا تھا ہیروین کا نام نرگس تھا۔

امجد ایک کامیاب بیرسٹر تھا۔ بلند قامت۔ خوش جمال۔ خوش انداز۔ تہذیب کے تمام ثمرات سے بہرہ یاب اور نرگس! اس کی تعریف کون کرے؟ شیریں کار۔ شہر آشوب۔ تعلیم یافتہ۔ شائستہ۔ تبسم دلفروز۔ چین جبیں جانگزا مختصر یہ کہ ایک معیاری نازنین۔

ابھی میں نے افسانہ لکھنا شروع ہی کیا تھا ابھی موسم بہار کی شگفتگی اور ہواؤں کی عنبر افشانی کا ذکر تھا اشہب قلم صفحہ کاغذ پر موسم گل کے نشاط کو منتقل کر رہا تھا خیال تھا کہ اگلے پارے میں امجد نرگس کے حسن فتنہ کار سے متاثر

(۱) PARAGRAPH

ہو کر یہ شعر پڑھتا ہوا مبتلائے عشق ہو جائے ۔ ؎

صبر جاتا رہا نگاہ کے ساتھ
ہوش رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ

کہ آنکھ اٹھا کر جو دیکھتا ہوں تو سامنے کے صوفے پر ایک بلند قامت نوجوان اور ایک فتنہ پرور نازنین اس بے تکلفی سے بیٹھے ہیں (یا بیٹھی ہے) گویا مجھ سے مدت سے راہ و رسم ہے ۔

میں نے حیرانی سے انکی طرف دیکھا اور پھر نہایت متانت سے کہا ۔

"معاف فرمائیگا۔ میں نے آپ کے اندر آنے کی آواز نہیں سنی آپ ..... اہم ۔ آپ ..... "

نوجوان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "گھبرائیے نہیں ۔ میں امجد حیدر ہوں ۔ آپ کے نئے داور یہ کہکر وہ ایک طنزیہ سے انداز میں ہنسا) افسانے کا ہیرو"

میں نے کہا "بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل کے ۔ کہئے مزاج تو اچھا ہے ۔ میں آپ ہی کا خیال کر رہا تھا"

نوجوان نے متانت سے کہا "اب تو مجھے گھن آنے لگی"

میں نے پوچھا "آپ کو کس چیز سے گھن آنے لگی"

نوجوان نے جواب دیا ۔

"بیگم نرگس سے شادی کرنے سے"

میں نازنین کی طرف مخاطب ہوا ۔

"تو کیا آپ ....."

نازنین نے تبسم کی بجلیاں گراتے ہوئے کہا "جی ہاں ۔ میں نرگس ہوں ۔ یا نرجس ۔ جو آپ پسند فرمائیں"

پھر کچھ عرصہ چپ رہنے کے بعد کہنے لگی "اور میں بھی اکتا گئی ہوں"

"کس بات سے؟"

"امجد سے شادی کرتے کرتے"

میں نے گھبرا کے کہا "پہلے مجھے تعارف کی اجازت تو دیجئے ۔ یہ ہیں مسٹر امجد حیدر ایم اے ۔ بیرسٹر ایٹ لا

ـــــ بیگم نرگس ـــــ بیگم نرگس ـــــ مسٹر امجد حیدر ـــــ"

نوجوان نے سرد مہری کے انداز میں کہا" معاف کیجئے۔ ہم اس سے پہلے مل چکے ہیں"۔ میں نے حیرانی سے کہا" یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ اچھا ذرا ٹھہریئے میں نیا افسانہ پڑھوں"

میں نے غور سے اپنے افسانے کا ایک ایک لفظ پڑھا۔ ہرگز نہیں۔ ابھی امجد کو دوسرے پیراگراف میں نرگس پہ عاشق ہونا تھا۔ ابھی تو میں نے پہلا پیراگراف بھی ختم نہیں کیا تھا۔

میں نے اطمینان سے کہا" آپ کو غلطی ہوئی۔ آپ کی ملاقات بیگم نرگس سے دوسرے پیراگراف میں ہوتی ہے معاف فرمائیے گا آپ اپنے وقت سے پہلے پیدا ہو گئے ہیں" نوجوان کھڑا ہو گیا اور چیں بہ جبیں ہو کر بولا" شاید ابھی تک آپ کو معلوم نہیں ہوا کہ میں کون ہوں

میں نے لہجے کو تلخ بناتے ہوئے کہا" میں خوب جانتا ہوں کہ آپ کون ہیں۔ آپ امجد حیدر ہیں (کتنا شاعرانہ نام ہے) اور دیکھئے اگر آپ نے مجھ سے اس قسم کا سلوک روا رکھا تو میں آپ کا نام بدل دونگا۔ امجد حیدر کے شاعرانہ نام کی بجائے آپ کا نام ..... اول ـــــ محمد خاں رکھ دونگا۔

اور سنئے۔ آپ کو محض اس لئے تخلیق کیا گیا ہے کہ آپ بیگم نرگس (یا زجس) پر عاشق ہوں سنا آپ نے؟ کچھ عرصہ ہجر و وصال کی یکسانی سے لذت یاب ہوں اور آخر کار بیگم سے شادی کریں"

نوجوان نے بگڑ کر کہا" کبھی نہیں"

نازنین نے بھی کچھ منہ بسور کر کہا" اسی بات کی تو ہم شکایت کرنے آئے ہیں"

میں نے پریشانی میں اپنا سر کھجلا کر پوچھا" تو فرمائیے آپ دونوں کا کیا مقصد ہے؟

آپ کیا چاہتے ہیں۔؟"

نوجوان نے کہا" عرض یہ ہے کہ آپ میرا نام بدل دیں تو بدل دیں ورنہ ہر افسانہ جو لکھتے ہیں اس کا ہیرو میں ہی ہوتا ہوں"

میں نے فوراً کہا" کیا بکواس ہے۔ پچھلے ماہ میں نے جو افسانہ ادبی دنیا کے لئے (منصور احمد صاحب کی فرمائش پر) لکھا تھا۔ اس کے ہیرو کا نام ..... دیکھئے۔ ابھی مجھے یاد آجائیگا ..... ہاں۔ یاض تھا"

"لیکن تھا وہ دراصل ہیں ہی"

میں نے کہا "اور اس سے پہلے جو افسانہ میں نے ہمایوں کے لئے لکھا تھا۔ اس کے ہیرو کا نام سعید تھا۔"

"وہ بھی ہیں ہی تھا۔"

"اور جو افسانہ میں نے ..... "

نوجوان نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا "معاف کیجئے گا آپ یونہی وقت ضائع کر رہے ہیں۔ میں صحیح عرض کرتا ہوں کہ آپ کا ہیرو دہر کہانی میں، خاکسار ہی ہوتا ہے بات یہ ہے کہ میں دراصل وہ شخص ہوں جو آپ اپنے آپ کو خیال کرتے ہیں۔"

میں نے حیرانی سے نرگس کی طرف دیکھا۔

نوجوان نے پھر کہا "پچھلے ماہ آپ نے ہیرا نام ریاض رکھا تھا۔ اور مجھے جمیلہ سے عشق تھا نازنین نے مسکراتے ہوئے کہا "وہ میں تھی۔"

پھر کچھ شرماتے ہوئے بولی "اور اس سے پہلے سعید نے انجمن آرا کو اپنا دل دیا تھا۔ انجمن آرا بھی میں ہی تھی مختصر یہ ہے کہ اگرچہ آپ اپنی تمام ہیروئنوں کے نام بدل دیتے ہیں لیکن دراصل مختلف لباسوں اور مختلف ناموں کے پردے میں وہ میں ہی ہوتی ہوں ـــــ"

نوجوان نے شکایت کے لہجے میں کہا "ایکبار آپ نے میرا نام محمد حسین رکھ دیا تھا"

نازنین نے ہم آواز ہو کر کہا "اور میرا نام مریم بی بی"

میں نے ندامت سے سر جھکا لیا اور کہا "مجھے واقعی افسوس ہے۔ اس ماہ مجھے ایک بات کا بہت صدمہ ہوا تھا اس صدمہ کے اثر کے ماتحت میں نے آپ سے یہ سلوک روا رکھا۔"

نازنین نے پھر کہا "اور ایک بار آپ نے اپنے ہیرو کو ایڈیٹر بنا دیا تھا اور مجھے اس سے شادی کرنی پڑی تھی"

میں نے اپنے کانوں پر یقین نہ کرتے ہوئے کہا "ایڈیٹر سے شادی، معاذ اللہ میں آپ کے لئے اس بدقسمتی کا موجب کیسے طرح ہو سکتا ہوں"

نازنین نے تنک کر کہا "وجہ تو میں نہیں جانتی لیکن یہ سچ ہے کہ ایک بار آپ نے میری شادی ایک ایڈیٹر سے

کرادی تھی۔"

نوجوان نے متانت سے کہا۔ "تو جناب عرض یہ ہے کہ اگرچہ آپ کا خیال ہے کہ آپ ہر افسانے کے لئے ایک نیا ہیرو تخلیق کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کے ہر افسانے کا ہیرو ایک ہی شخص ہوتا ہے۔ بس لباس کا فرق ہوتا ہے۔ یا پیشے کا۔ اور میں ہر ماہ ایک ہی لڑکی سے شادی کرتے کرتے اکتا گیا ہوں۔"

میں نے گھبرا کے پوچھا "تو حضرت آپ ہیں کون جو میرے ہر ہیرو کے روپ میں ظاہر ہوتے ہیں؟"

نوجوان نے ہنستے ہوئے کہا "یہ تو میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ بات یہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو ایک خاص نظر سے دیکھتے ہیں۔ جو کچھ آپ اپنے آپ کو دیکھتے ہیں میں وہ ہوں۔ دراصل میں وہ ہوں جو آپ دراصل ہیں۔ بلکہ میں وہ ہوں جو کچھ آپ کے اپنے خیال میں آپ ہیں۔ تو گویا جن صفات سے آپ مجھے متصف کرتے ہیں۔ وہ آپ کی نظر میں تمام آپ کی شخصیت کا طغرائے امتیاز ہوتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ افسانہ نویس (اور وہ بھی نوشق) میں یہ کمزوری ہوتی ہے کہ وہ اپنے کردار خاص کر ہیرو کو اپنی ذات کا عکس بنا کر پیدا کرتا ہے۔"

میں نے غصے میں آکر کہا "تو گویا میں ایک مبتدی نوشق افسانہ نگار ہوں ـــ گویا میں نے ہر ہیرو میں اپنی ہی ذات کا عکس دیکھا ہے۔ اور آپ مجھے افسانہ نگاری کے متعلق مفید مشورے بھی دے رہے ہیں۔ تو گویا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ بہت کچھ ہیں؟"

نوجوان نے سکون سے جواب دیا۔ "آپ تو کم از کم یہی سمجھتے ہیں۔ مجھے اچھا سمجھ کر گویا آپ اپنے آپ کو اچھا خیال کرتے ہیں۔ ہیرو کے روپ میں آپ اپنا معیاری اور تخیلی کردار پیش کرتے ہیں۔"

میں نے کہا "آپ بڑھ بڑھ کے باتیں نہ بنائیں۔ میری نظر میں تو آپ ..... آپ ـــ معاف فرمائے گا گدھے ہیں ..... تو آپ کے خیال میں نرگس بھی میں ہی ہوں یعنی خود افسانہ نگار"

نازنین نے کہا "میں وہ معیاری نازنین ہوں جس سے آپ کو محبت ہے۔ اس لئے آپ کی ہر ہیروین کے روپ میں دراصل میں ہی جلوہ گر ہوتی ہوں۔ آپ عورت میں جو صفات دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ مجھ میں پیدا کر دیتے ہیں۔ چلئے فیصلہ ہوا۔ دراصل ہر افسانہ نگار ....."، میں نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا "معاف فرمائے۔ میں آپ سے افسانہ نویسی کے فن پر لکچر سننے کے لئے تیار نہیں ..... علاوہ ازیں مجھے کسی سے محبت ہی نہیں"

نازنین نے کچھ لجاتے ہوئے کہا "اچھا تو میں آپ کی معیاری معشوقہ نہ سہی۔ آپ کے تخیل کی معیاری عورت سہی۔ نسوانیت کا تمثیلی ٹائپ[1] صنف نازک کا معیاری نمونہ!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "ہاں یہ ممکن ہے" میں نے نازنین کی طرف غور سے دیکھا کتنی دلربا صورت تھی نقش کس قدر تیکھے تھے! ادائیں کتنی جاذب نظر تھیں اور شرم کی سُرخی کتنی جمیل تھی۔ آج کل شرمانے کا فن تو معدوم ہی ہو گیا ہے۔ عورتوں کو شرمانا آتا ہی نہیں آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرتی ہیں۔

نوجوان نے کہا "تو جناب عرض یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے سے بیاہ کرتے کرتے اکتا گئے ہیں"

میں نے نوجوان سے تغافل برت کر نازنین سے پوچھا "اور تم بھی اکتا گئی ہو"

"جی ہاں"

میں نے امید سے لبریز لہجے میں جواب دیا "تو اس کا حل آسان ہے۔ میں امجد حیدر صاحب کو معدوم کئے دیتا ہوں۔ گم کر دیتا ہوں"

یہ کہہ کر میں نے افسانے کی ایک سطر پر قلم پھیر دیا۔ امجد حیدر گم ہو گیا۔

میں نے مسکرا کے نازنین کی طرف دیکھا اور پھر اپنی آنکھوں میں محبت کی تمام سرشاری پیدا کرتے ہوئے کہا "آپ امجد سے شادی کرتے کرتے اکتا گئی ہیں تو آیئے تغیر کی خاطر مجھ سے ....." یہ کہتے ہوئے میں نازنین کے قدموں پر گر پڑا لیکن نازنین بھی گم ہو چکی تھی۔ کمرہ خالی تھا۔ ہاں میرے سامنے ایک ایڈیٹر کا خط پڑا تھا جس میں ایک تازہ افسانہ لکھنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ چنانچہ میں نے افسانہ لکھنا شروع کر دیا۔

"بہار کا موسم تھا ــــــ نیاز ایک عالم کیف میں مال روڈ کی سیر میں معروف تھا کہ سامنے سے ایک .....،"

---

[1] TYPE

غزل

از

محمد قادر الدین خاں صاحب تمکین سرمست

سات پردوں سے عیاں نور ہے بینائی کا
یونہیں کثرت میں ہے جلوہ تیری یکتائی کا

شاخ گل جھوم کے سو بار اٹھی گلشن میں
صبح دم دیکھنے عالم تری انگڑائی کا

خواہش جام مے عشق میں بیچین ہے حسن
کھل گیا آج یہ عقدہ تری انگڑائی کا

جلوہ یار گرا برق نظر سوز کہ اب
پردہ اٹھنے ہی کو ہے چشم تماشائی کا

ساز ہستی سے ہوا نغمۂ توحید بلند
تیرا پردہ بھی ہے باعث تری رسوائی کا

دہر و ہوم میں ہونا ہی نہ ہونے کی دلیل
رونق بزم جہاں نقص ہے بینائی کا

ہجر میں دم اجل نکلے خود تار نفس
انہیں انفاس کو دعویٰ تھا مسیحائی کا

ادائے حسن کے محمور خبر لے اپنی
دیکھ کہلتا ہے بھرم ناز خود آرائی کا

چشم حسرت سے تجھے دیکھ کے رو دیتا ہوں
خامشی نام ہے مجبور کی گویائی کا

سیر بیدر

از

مرزا ناصر علی بیگ صاحب بی۔ اے

ایک عرصہ سے ہمارے چند احباب کا خیال تھا کہ بیدر جائیں دو تین مرتبہ سب نے ارادہ کیا لیکن چند در چند وجوہات سے اس کی تکمیل نہ ہو سکی۔ اس سال تعطیلات محرم کے آتے ہی ہم نے کہا کہ طویل فرصت ہے ابکی چلے چلیں پہلے تو سب احباب نے رضامندی ظاہر کی لیکن عین روانگی سے ایک روز قبل بہتوں نے اپنے عذرات پیش کئے اکثر احباب نے محرم کا عذر پیش کر کے کہا کہ منت اور نیاز وغیرہ کا ہے برس کا ایک دن ہے ہم نے انہیں بہت سمجھایا کہ آپ کے نہ رہنے سے منت موقوف نہیں ہو سکتی آپ کے سفر سے ان باتوں کو کوئی تعلق نہیں لیکن وہ اپنی ضد پر اڑے رہے اور صرف یہ کہہ کر سفر کا ارادہ ملتوی کیا کہ ؎ یار زندہ صحبت باقی۔ گو ان احباب کے عذرات ناقابل سماعت اور ننگ تھے لیکن ہیں مجبوراً انہیں انکے حال پر چھوڑ کر اپنے ارادہ کی تکمیل کرنی پڑی چنانچہ میں اور میرے محب مسٹر سید اسمٰعیل نے بیدر جانے کا مصمم قصد کیا اور ۵ محرم کو روانگی قرار پائی۔ بیدر جانے کے لئے رات میں دس بجے ریل ملتی ہے ہم اپنے مکانوں سے اسٹیشن نام پلی کے قصد سے نکلے ہی تھے کہ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی ہم اس کا کوئی خیال نہ کر کے اسٹیشن روانہ ہو گئے حسن اتفاق سے ہمارے اسٹیشن پہنچنے سے قبل ہی بارش موقوف ہو گئی ہم نے اسٹیشن پہنچکر ٹکٹ خریدا تقریباً دس منٹ کے بعد گاڑی آپہنچی ہم درجہ سوم کے ڈبہ میں سوار ہو گئے ٹھیک دس بجے گاڑی نامپلی اسٹیشن سے نکلی۔ اوائل ماہ ہونے سے چاندنی تو تھی لیکن

لکھ ہائے ابر نے مطلع کو دھندلا کر دیا تھا بیگم پیٹھ اسٹیشن پر ہمارے ڈبہ میں ایک مارواڑی مسافر سوار ہوا اوس نے ایک گوشہ میں جہاں مشکل ایک آدمی بیٹھ سکتا تھا اپنی نشست جمادی اس کے بازو ایک ہندوستانی معلوم ہوتا تھا بیٹھا تھا اتفاق سے اس کے پٹیاب کو جلتے ہی مارواڑی نے اس موقع سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس نشست پر اپنا بستر جمادیا اور دراز ہو گیا تنلنگے کے آتے ہی دونوں میں خوب تکرار ہونے لگی مارواڑی کو آخر اپنا بستہ لیپیٹ کونے میں پٹخنا پڑا لنگم پلی اسٹیشن سے ایک سادھو گاڑی میں سوار ہوا جب گاڑی یہاں سے نکلی تو ہم نے دیکھا کہ اچانک خفیہ پولیس کے ایک سفید پوش ملازم نے سادھو کی مزاج پرسی کرنی شروع کی۔ جامہ تلاشی کے علاوہ جو پوٹلیاں سادھو کے ساتھ تھیں ان کا بھی معائنہ ہوا چند منٹ کے بعد دوسرا اسٹیشن آتے ہی سادھو کو گاڑی سے اتار دیا گیا شنکر پلی اسٹیشن سے اشتہاری دوا فروش گاڑی میں آن پہنچے اور اپنے پیٹنٹ الفاظ میں مسافرین کو مخاطب کرنا شروع کیا انکے لہجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مخصوص جملوں کو نوک زبان کر لیتے ہیں ان کی تشہیر اردو تلنگی اور مرہٹی میں ہوتی ہے۔ اتفاق سے اسی ڈبہ میں دو تین دیہاتی بھی بیٹھے تھے ان میں سے ایک کو کھانسی نے بے چین کر رکھا تھا اس نے دوا فروشوں سے زندہ طلسمات۔ دانتوں کا منجن۔ نمک ہاضمہ خضاب کی پڑیا۔ تان سین کی گولیاں۔ اور بال اڑانے کا پوڈر خریدا ہم نے دوا فروشوں کا معاملہ دیکھکر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان کی چکنی چپڑی باتوں کے شکار عموماً ۹۹ فی صدی دیہاتی اور ان پڑھ لوگ ہی ہوا کرتے ہیں جن کو الو بنا کر یہ اپنی جیب گرم کرتے ہیں تھوڑی دیر کے بعد جب دوا فروش دوسرے ڈبہ میں چلے گئے اور انکی چخ و پکار موقوف ہوئی تو ایسا معلوم ہوا کہ ایک طوفان بے تمیزی تھا اور ایک بلائے بے درمان تھی کہ آئی اور چلی گئی۔ اس کے بعد ہم ادھر اوھر کی باتیں کرتے رہے۔ اثنائے گفتگو میں ہمارے ساتھی مسٹر اسمیل نے دل بہلانے اور وقت گذاری کے لئے ایک واقعہ بیان کرنا شروع کیا موصوف نے کہا کہ چند سال قبل انکے ایک ہم محلہ کو جو طوق ملازمت گلے میں پہنکر اپنی آزادی کو برباد کرنا نہیں چاہتے تھے تجارت کا شوق چرایا انہوں نے اپنے ایک دوست کو اپنا ہم خیال کر کے یہ تہیہ کیا کہ بمبئی میں مرغیاں دستیاب نہیں ہوتیں حیدرآباد سے وہاں لیجا کر تجارت کیجائے تو بہت منافع حاصل ہوگا چنانچہ اس غرض سے صاحب موصوف تقریباً ایک ہزار مرغیاں جمع کر کے ایک روز بمبئی روانہ ہوئے مرغیاں بانس کے بڑے ٹوکروں میں بند کر کے لگیج کرادی گئیں اثنائے راہ میں دو چار مرتبہ ہر دو شرکا نے اپنے جانوروں کا معاینہ کیا۔ پونہ پہنچکر کیا دیکھتے ہیں کہ دو سو مرغیاں سرقہ ہو گئیں انہیں سخت پریشانی ہوئی پولیس کو اسکی اطلاع کیگئی اور اس واقعہ کی وجہ پونا میں ترک سفر کرنا پڑا بہت کوشش

کی گئی لیکن پتہ نہ چلا صرف یہ معلوم ہوا کہ پونہ میں ایک شخص ان جانوروں کی تجارت کیا کرتا ہے دونوں یہ یقین کر کے کہ سوائے اس شخص کے یہ کارگذاری کسی اور کی نہیں ہوتی دوسری جانے والی گاڑی میں سوار ہو گئے جو شخص پونہ میں مرغیاں جمع کر کے بمبئی بھیجا کرتا تھا سنا گیا کہ وہ بھی اس مرتبہ اپنے جانور بمبئی لانے والا تھا جب حیدرآبادی شرکا بمبئی پہنچے تو انہیں وہاں اطلاع ملی کہ پونہ والے کے تمام جانور اچانک بیمار ہو کر مر گئے اب کیا تھا باوجود دو سو مرغیاں چوری جانے کے انکی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ مقامی طلب کے معاملہ میں جو رسد آنے والی تھی اس میں سے تقریباً نصف پونہ والے تاجر کے جانور ضائع ہونے سے موقوف ہو گئی۔ بازار میں حیدرآبادی شرکا کی مرغیاں توقع سے زاید داموں فروخت ہوئیں اور خوش قسمتی سے یہ لوگ خوب منافع کما کر حیدرآباد واپس ہوئے۔

رات کا سفر بھی عجیب ہوتا ہے۔ دن کام کرنے اور رات آرام لینے کے لئے ہے دن کے تھکے ماندے رات میں میٹھی نیند لیکر آنے والی صبح تازہ دم بیدار ہوتے اور اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ رات کے سفر میں ہمارا ذاتی تجربہ تو یہ ہے کہ ریل میں ہزار سہولت حاصل ہو نیند حرام ہو جاتی ہے لیکن بعض اشخاص نیند کے ایسے کچے ہوتے ہیں کہ انہیں ذرا سا سہارا ملا کہ بس خراٹے لینے لگے اس وقت عجیب منظر پیش نظر تھا بعض تو اچھی طرح سو رہے تھے بعض غنودگی میں اپنا وقت گذار رہے تھے لیکن وہ اشخاص جو چلتی گاڑی میں سونے کے عادی نہیں معلوم ہوتے تھے جاگ رہے تھے۔ وقار آباد کو جس وقت ایک اسٹیشن باقی تھا تو ایک عجیب لطیفہ سننے میں آیا ایک مسافر نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ آگے کون اسٹیشن آتا ہے اس پر ساتھی نے بے ساختہ اس طرح جواب دیا کہ اب آگے "یقار آباد" آتا ہے۔

صبح کے چار بجے گاڑی بیدر پہونچی۔ ہم گاڑی سے اترے۔ عموماً ہر بڑے اسٹیشن پر ریل کے اوقات میں سواریاں دستیاب ہوتی ہیں۔ لیکن یہاں معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا کوئی سواری دستیاب نہ ہو سکی۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ اسٹیشن سے دو فرلانگ کے فاصلہ پر سرکاری مسافر بنگلہ واقع ہے۔ وقت نہایت سہانا تھا ہم خراماں خراماں بنگلہ کی طرف روانہ ہوئے وہاں پہنچکر ہم یہ سوچ ہی رہے تھے کہ اب کیا کیا جائے کہ اتفاق سے ہمارے پیروں کی آہٹ پر مسافر بنگلہ کے دو عدد کتے بھونکنے لگے اس بھونک نے مسافر بنگلہ کے باورچی کو جگا دیا باورچی سے دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ بنگلہ میں فی الوقت جگہ نہیں البتہ دن میں چار بجے تک ایک کمرہ خالی ہونے کی توقع ہے یہ سنکر ہم نے باورچی

سے قریب کے ہوٹل کا پتہ دریافت کرلیا اور اس کی طرف روانہ ہوئے مسافر بنگلہ سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلہ پر شہر کا پہلا دروازہ واقع ہے اس دروازہ کے پاس پہنچکر ہم نے ایک راہرو سے دریافت کیا کہ یہاں سے ہوٹل کتنے فاصلہ پر ہے تو ہمیں جواب ملا کہ وہاں سے ایک فرلانگ کے فاصلہ پر ایک مسجد ہے وہاں سارویس (سروس) کی موٹریں کھڑی ہوتی (کھڑی رہتی ہیں) اس مقام پر ہوٹل ہے۔ ہم اس پتہ پر ہوٹل پہنچے اور ایک کمرے میں ٹھہر گئے۔

ناشتہ کرنے کے بعد ہم نے ہوٹل کا جائزہ لیا ہوٹل کی حالت نہایت ناگفتہ بہ تھی ہوٹل ایک کہنہ مکان میں واقع ہے جس میں چار چھوٹے کمرے ہیں ہر کمرہ تین گز لمبا اور دو گز چوڑا ہے چھت مکڑیوں کے جالوں سے بھری ہوئی تھی۔ فرش اور صحن نہایت غلیظ کمروں کی عدم صفائی کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ مچھکاڈروں نے انہیں اپنا مسکن بنا رکھا تھا جس وقت ہم نے پہلے کمرے کو دیکھا معلوم ہوتا تھا کہ تقریباً ایک سال سے اسکی صفائی نہیں ہوئی یہ زبان حال سے اپنی کس پرسی کا فریادی ہے مچھر بھی کمروں میں بکثرت موجود تھے ہم نے ہوٹل کے ملازم سے کمرہ صاف کروایا اور سامان اندر رکھوا کر برآمدہ ہی میں ٹھہرے رہے۔

ناشتہ کر کے چائے پینے کے بعد ہوٹل سے نکل کر ہم نے شہر کا ایک چکر لگایا اس گشت میں ہم نے پہلے جو بات نمایاں پائی وہ یہ تھی کہ ساجد کی یہاں کثرت ہے مکانات قدیم وضع وساخت کے ہیں مکانوں کی تعمیر کی ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ بیدر کے پتھر سے جو ایک مخصوص نوعیت کا ہوتا ہے بنے ہوئے ہیں ہم نے بعض زیر تعمیر مکانات کے پاس دیکھا کہ مزدور پتھر کی کلہاڑیوں سے تراشتے ہیں اور پتھر لکڑی کی طرح تراش جاتا ہے سوائے بعض سرکاری عمارات کے سارے مکانات پتھری کے نظر آتے ہیں سفالی مکان تو کہیں نظر نہیں آتا۔ اثنائے گشت میں اتفاق سے مسٹر اسمٰعیل کے ایک سکندرآبادی ہندو دوست مل گئے انہوں نے چائے وغیرہ سے ہماری تواضع کی ان سے ملنے کے بعد ہم مشہور تاریخی مقام مدرسہ محمود گاواں دیکھنے گئے جو وسط شہر میں واقع ہے یہاں منجانب سررشتہ آثار قدیمہ ایک نگرانکار یا چوکیدار مقرر ہے اس نے ہمیں ساری عمارت دکھلائی ہم نے مینار پر چڑھکر شہر کو دیکھا یہاں سے شہر اور حوالی شہر بہت عمدگی سے دکھائی دیتا ہے۔ عمارت کے دو مینار تھے بیان کیا جاتا ہے کہ چند سال قبل بجلی گرنے سے ایک مینار جس میں بارود تھی منہدم ہوگیا اب صرف ایک مینار باقی رہ گیا ہے اس کی بلندی ۱۹۰ فٹ ہے اور مینار پر دیدہ زیب چینی اور رنگ کا کام کیا ہوا ہے گو امتداد زمانہ کی وجہ سے بہت خراب ہوگیا ہے لیکن پھر بھی آب وتاب ابھی باقی ہے اور جو کچھ لکھا ہوا ہے

وہ پڑھا جا سکتا ہے ایک مینار کے علاوہ عمارت کے بعض دیگر حصے بھی افتادہ اور نہدم حالت میں ہیں نگرانکار کی زبانی معلوم ہوا کہ گذشتہ چند سال میں منجانب سرکار کسی قدر مرمت ہوئی ہے اور عنقریب مزید ترمیم ہونیوالی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ عمارت کا اگلا حصہ جو منہدم ہو گیا اس پر یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے "ایں عمارت تا قیامت پائدار" یہ عمارت جو اغراض مدرسہ کے لئے بنائی گئی تھی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ محمد شاہ بہمنی کے مشہور وزیر باتدبیر خواجہ محمود گاواں کی تعمیر کردہ ہے اس کا طول مشرق سے مغرب تک ۲۰۰ فٹ اور عرض شمال سے جنوب تک ۱۷۰ فٹ اور بلندی تقریباً ۶۰ فٹ ہے ہر جگہ اور خصوصاً اگلے حصے پر آیات قرآنی بخط کوفی لکھے ہوئے ہیں کہا جاتا ہے کہ محمود گاواں کے زمانہ میں یہ مدرسہ اپنی نوعیت کا واحد درس گاہ تھا اس میں ۳۰ ہزار کتب کا کتب خانہ موجود تھا اور دور دور سے تشنہ لبان علم اپنی پیاس بجھانے یہاں آیا کرتے تھے

اس عمارت کو دیکھکر ہم "چوبارہ" کی طرف روانہ ہوئے اس عمارت کو دیکھا اس کی شکل مدوّر ہے اور نہایت مستحکم معلوم ہوتی ہے۔ اس کا مینار ۱۷۰ فٹ بلند ہے کہا جاتا ہے کہ اس پر زمانہ سابق میں مینار نہیں تھا بعد کا تعمیر شدہ ہے یہ بھی روایت ہے کہ ہندو راجاؤں کے زمانہ میں یہ عمارت دیپ منڈل کے طور پر استعمال ہوتی تھی اس کے اوپر ایک کڑھاؤ میں روغن ڈالکر چراغاں روشن کردئے جاتے تھے جن سے رات کے وقت سارے شہر میں روشنی رہتی تھی۔ اس وقت مینار پر ایک گھڑیال ہے جو شہر کی بڑی گھڑیال کہلاتی ہے۔ بارہ بج چکے تھے اس لئے ہم ہوٹل واپس ہوئے اور پیٹ کی آگ بجھانے کے بعد مشہور تاریخی قلعہ کیطرف روانہ ہوئے قلعہ بھی محمود گاوانی غالباً دو فرلانگ ہے اس قلعہ کا نام قلعہ ارک ہے جوں ہی ہم قلعہ کے پہلے دروازہ پر پہنچے ہم نے وہاں سے ایک پہرہ دار کو اپنے ہمراہ لیا اور اس کے ساتھ سب سے پہلے فتح برج کی طرف جہاں بڑی توپ رکھی ہوئی ہے روانہ ہوئے برج پر پہنچکر ہم نے توپ کو دیکھا یہ ۲۰ فٹ ۴ انچ طویل ۹ انچ موٹی ہے اور اس کا دہانہ تقریباً ۲ فٹ کا ہے اس کے اوپر طلائی حروف میں تاریخ ساخت و نام سلطان وقت لکھا ہوا ہے کہتے ہیں کہ سلطان قاسم بریدکے عہد میں یہ تیار ہوئی تھی۔ یہاں ہم سے ڈاکٹر خورشید جی سے جو ہماری طرح بیدر دیکھنے کی غرض سے بلدہ سے آئے تھے ملاقات ہوئی۔ موصوف بڑے باخلاق آدمی معلوم ہوتے تھے تھوڑی دیر ان کا ہمارا ساتھ رہا موصوف کے پاس "رہنمائے بیدر" نامی ایک انگریزی کتاب موجود تھی اس سے ہمیں اکثر مقامات دیکھنے میں بڑی مدد ملی قلعہ کے اندر جو مقامات قابل دید ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

ترکش محل۔ تخت محل۔ رنگین محل۔ زینت محل۔ حمام شش محل۔ خانہ۔ مسجد سولہ کھم۔ اس مسجد میں ایک مقام پر مندرجہ ذیل اشعار لکھے ہوئے ہیں ؎

بہ دور شاہ عالمگیر غازی	کہ از عدلش شدہ گیتی منور
قلندر خاں بہار باغ دولت	کہ از بویش جہاں گشتہ معطر
بہ پیش آفتاب دست جودش	بود دریا و کان از ذرہ کمتر
رواقے ساخت بہر یادگارے	کہ باشد زیر ایں فیروزہ منظر
پے تاریخ او از طارم چرخ	ندا آمد کہ خال روئے حیدر

۱۰۸۸ھ

ان محلات میں سے بجز چند کے باقی سب منہدم حالت میں ہیں۔ قلعہ کے اطراف ایک مستحکم حصار بنا ہوا ہے جس کا احاطہ ۶ میل ہے حصار میں جملہ ۱۲ دروازے ہیں ہر دروازہ پر فارسی میں تاریخ تعمیر کنندہ نام تعمیر کندہ لکھی ہوئی ہے کل احاطہ میں قدیم وضع کے ۳۵ برج بنے ہوئے ہیں۔ حصار کے اطراف گہری خندق کھدی ہوئی ہے۔ جس کی گہرائی تقریباً ۵۰ گز معلوم ہوتی ہے۔ ہم مسجد سولہ کھم دیکھکر دوسری طرف جانا چاہتے تھے کہ سامنے سے ہمیں تقریباً پندرہ بیس اشخاص کی ایک جماعت نظر آئی جب یہ پارٹی ہمارے قریب پہونچی تو ہم نے پارٹی کے ایک صاحب سے جو ہمارے ملاقاتی تھے دریافت کیا کہ یہ پارٹی کہاں سے آئی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ پارٹی بھی تعطیلات محرم میں بیدر کے آثار قدیمہ دیکھنے کے لئے بلدہ سے آئی ہوئی ہے۔ پارٹی کے دو تین افراد صاحب ضلع کے رشتہ دار ہیں داروغہ صاحب آثار قدیمہ پارٹی کی رہنمائی کر رہے ہیں ہم بھی داروغہ صاحب سے اجازت لیکر پارٹی کے ہمراہ ہو گئے داروغہ صاحب نے تفصیل سے ہمیں تمام آثار قدیمہ دکھلائے حال ہی میں چند ایسے محلات جو سالہا سال سے زیر زمیں پوشیدہ تھے کھود کر نکالے گئے ہیں ان میں سے بہت سی قدیم اشیاء از قسم اسلحہ وغیرہ برآمد ہوئی ہیں ان تمام اشیاء کو منجانب سررشتہ آثار قدیمہ ایک مقام پر حفاظت سے رکھا گیا ہے۔ جو ذخیرہ اس وقت تک جمع ہوا ہے اس کے دیکھنے سے قدیم طریق جنگ۔ تمدن اور دیگر حالات کا پتہ چلتا ہے۔ جن پوشیدہ محلات کے آثار اب برآمد ہوئے ہیں۔ وہ زبان حال سے اپنی گذشتہ شان و شوکت اور خوش وضعی کا ثبوت دیرہے ہیں۔ غرض قلعہ

کیا ہے اُس زمانہ کی زندگی کی اجڑی ہوئی یادگار ہے جو اُس وقت کے واقعات کی تصویر آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتی ہے تفصیلی طور پر ہر چیز دیکھنے کے بعد دارو غہ صاحب کا شکریہ ادا کر کے ہم تقریباً ۴ بجے ہوٹل واپس ہوئے

ہوٹل میں اتفاق سے ہمارے قدیم دوست و ہم جماعت مسٹر نظام الدین سے ملاقات ہوئی دریافت سے معلوم ہوا کہ صاحب موصوف کا "خسرپورہ" ہونے سے موصوف تعطیلات میں یہاں آئے ہوئے تھے دس پندرہ منٹ موصوف سے گفتگو ہوتی رہی۔ مسٹر نظام الدین مدرسہ انوار العلوم نامپلی میں جہاں سے ہم نے امتحان منشی جس کو امتحانوں کی پہلی سیڑھی کہنا چاہئے کامیاب کیا تھا ہمارے ہم جماعت تھے اس زمانہ میں ہمارے ساتھ دوسرے جو ہم جماعت تھے انکے واقعات بھی بسبیل تذکرہ چھڑ گئے ہم نے موصوف سے کہا کہ ہم نے اپنے تحتانی فوقانی اور کالج کے ہم جماعتوں میں سے اکثر احباب کو ایسا پایا کہ کئی سال تعلیم کے سلسلہ میں باہم گذارنے کے بعد جب کبھی دوچار ہوتے ہیں تو ایسے انجان ہوتے ہیں کہ گویا پہچانتے ہی نہیں۔ اسی قسم کے طرز عمل کو عام طور پر تجاہل عارفانہ کہا جاتا ہے۔ جب کبھی ہمیں ایسے احباب سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے تو ان کے طرز عمل کی وجہ سے ملنے کو طبیعت نہیں چاہتی۔ ہم نے اس سلسلہ گفتگو کو مندرجہ ذیل رباعی کہکر ختم کیا:۔

بہت کم یاب وہ احباب ہیں جو دل سے ملتے ہیں — محبت دار کچھ آسان نہیں مشکل سے ملتے ہیں
بشر کا دل جہاں میں آئینہ ہے دوسرے دل کا — اُسی دل سے ملینگے ہم کہ وہ جس دل سے ملتے ہیں

مسٹر نظام الدین کی زبانی معلوم ہوا کہ آج کل یہاں فٹ بال ٹورنمنٹ کے کھیل ہو رہے ہیں اور آج حیدرآباد کی ٹیم کا بیدر کی ٹیم سے مقابلہ ہے ہم نے ایک تو اس کھیل سے ذاتی دلچسپی ہونے کی وجہ سے دوسرے اس خیال سے کہ تھوڑی دیر تفریح اور وقت گذاری ہو جائیگی کھیل کے میدان کی طرف روانہ ہونے کا تہیہ کیا دیہاتی زندگی بھی واقعی بڑی سادہ زندگی ہوتی ہے اس کی ایک ادنیٰ مثال ہمیں ہوٹل میں نظر آئی جبتک ہم کل ہی ایک دیہاتی ہوٹل میں داخل ہوا ہم نے دیکھا کہ وہ اندر آکر ایک نفر کرسی پر ڈٹ گیا اور ہوٹل کے ملازم سے تلنگی میں کچھ کہا۔ ملازم نے ایک چائے کی پیالی لاکر اس کے سامنے رکھدی اس دیہاتی کی ہیئت کذائی اس وقت قابل دید تھی۔ خاص نوعیت کا دیہاتی لباس کندھے پر ایک عدد پوتلی اور ہاتھ میں ایک زبردست ڈنڈا سب سے زیادہ عجیب بات یہ دیکھنے میں آئی کہ سر کی پگڑی میں پان کا ایک کٹا ٹوبا ہوا تھا۔ اس منظر کو دیکھتے ہوئے

ہم موٹل سے باہر نکلے اور چند قدم آگے بڑھنے نہ پائے تھے کہ ایک پرلطف منظر واقع ہوا۔ موٹل سے تھوڑے فاصلہ پر بیدر کا مدرسہ فوقانیہ ہے۔ مدرسہ کی عمارت کے سامنے گلی کے نکڑ پر ایک بورڈ نصب تھا جس پر اردو میں ہائی اسکول لکھا ہوا تھا اس کو ہمارے ساتھی مسٹر اسمٰعیل نے دور سے مالی اسکول پڑھا۔ یہ سُنکر ہم نے ایک قہقہہ لگایا اور مسٹر اسمٰعیل سے مذاقاً یہ دریافت کیا کہ آیا اس اسکول میں مالیوں کی تعلیم ہوتی ہے اس پر موصوف نے پھر بورڈ کو بغور دیکھا اور اپنی غلطی پر خفیف ہوئے اس واقعہ نے ہمیں مسٹر موصوف کے اسی قسم کے ایک اور واقعہ کو یاد دلایا بلدہ میں ایک مرتبہ دونوں ایک راستہ سے گذر رہے تھے کہ ایک دیوار پر سینما کا ایک اشتہار چسپاں تھا جس کھیل کا نام YAGABOND KING لکھکر نیچے اُردو میں "اوباشوں کا بادشاہ" لکھا تھا اس کو مسٹر اسمٰعیل نے عجلت میں آوباشوں کا بادشاہ پڑھا ہم نے اس گذشتہ واقعہ کا حوالہ دیکر موصوف سے کہا کہ آپ کا یہ "مالی اسکول" آپکے "اوباشوں کے بادشاہ" کا بھائی معلوم ہوتا ہے۔

دس منٹ میں ہم فٹ بال گراونڈ پہنچے ایک گھنٹہ کھیل دیکھا حیدرآباد کی ٹیم جس میں ہمارے اکثر ملاقاتی موجود تھے بیدر کی ٹیم کے مقابلہ میں تین گول سے کامیاب رہی جس وقت ہم کھیل دیکھ رہے تھے حیدرآباد کے فٹ بال ٹورنمنٹوں کا نقشہ ہماری نظروں کے سامنے پھر گیا ایک زمانہ تھا کہ بلدہ میں وقتاً فوقتاً بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ سال کے بارہ مہینے فٹ بال کا ایک نہ ایک ٹورنمنٹ ہوتا ہی رہتا تھا لیکن افسوس کہ چند سال سے حیدرآباد (دارالسلطنت) میں پبلک کا شوق مردہ ہوگیا ہے اور ہر کس و ناکس کرکٹ کی طرف زیادہ راغب ہے اس میں شک نہیں کرکٹ بھی بڑا اچھا کھیل ہے اس میں بھی کھلاڑیوں کو ضرور حصہ لینا چاہیئے لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ دوسرے تمام کھیلوں سے ہاتھ دھولیا جائے ضرورت ہے کہ سابق کی طرح شاندار فٹ بال ٹورنمنٹ ہمیشہ ہوتے رہیں کھیل دیکھکر واپس ہونے تک مغرب ہوچکی تھی چونکہ سرکاری مسافر بنگلہ کے باورچی نے صبح میں ہم سے کہا تھا کہ شام میں چار بجے تک ایک کمرہ خالی ہونے کی توقع ہے اس لئے ہم نے مسافر بنگلہ میں جاکر جو راستہ ہی میں پڑتا تھا دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ کمرہ خالی ہوچکا ہے ہم اس موقع کو غنیمت جانکر جلد موٹل سے اپنا اسباب لایہاں قیام پذیر ہوگئے باورچی کو بلوا کر قیام تک کے لئے کھانے کا بندوبست کرلیا گیا یہاں دو روز ہمارا قیام رہا اس عرصہ میں ہمیں ہر طرح کا آرام حاصل رہا دوسرے روز ہم نے سلاطین بہمنیہ کے گنبد دیکھنے کا تصفیہ کیا یہ گنبد شہر سے دو میل کے فاصلہ پر بمقام

موضع آشٹور واقع ہیں شہر میں بجز بیل گاڑیوں کے کوئی دوسری سواری دستیاب نہیں ہوئی ہم نے بمصداق
؎ جیسا دیس ویسا بھیس۔ ایک بیل گاڑی کرایہ سے لی اور اس میں بیٹھ کر گیارہ بجے موضع آشٹور کی طرف روانہ ہوئے
جس وقت ہم حصار شہر سے باہر ہوئے دور تک نہایت دلفریب منظر دکھائی دیتا تھا۔ شہر اور شہر پناہ (قلعہ) نہایت
بلندی پر واقع ہیں اس کے اطراف میں حصار شہر کے ہر جانب میدان وغیرہ نشیب میں نظر آتے ہیں حصار شہر سے موضع آشٹور
تک پتھریلی سڑک (METAL ROAD) بنی ہوئی ہے۔ سڑک کی حالت ابتر ہے بیل گاڑی میں تقریباً نصف گھنٹہ
ہچکولے کھانے کے بعد ہم آشٹور پہنچے یکے بعد دیگرے ہم نے تمام گنبد دیکھے ان کے دیکھنے سے عجیب شان ظاہر ہوتی
ہے۔ یہ گنبد تعداد میں ۱۲ ہیں ان میں ایک گنبد کی چھت نہایت قابل دید ہے کیونکہ اس پر نہایت دیدہ زیب اور
قیمتی کام کیا ہوا ہے۔ بہمنی سلاطین کے گنبد دیکھکر تقریباً ڈیڑھ بجے ہم مسافر بنگلہ کو واپس ہوئے دوپہر کا کھانا کھا کر پھر
سلاطین برید کے گنبد کی طرف روانہ ہوئے یہ گنبد شہر کے مغربی جانب واقع ہیں ان گنبدوں کو دیکھنے کے بعد ہم نے
چشمہ سادات اور درگاہ سادات کو دیکھا اور یہاں سے درگاہ حضرت شاہ خواجہ امین الدین ابو الفیض من اللہ کی طرف جو
جنوب مشرق کی طرف واقع ہے روانہ ہوئے۔ یہ مقام بھی نہایت سہانا ہے جس وقت ہم یہاں پہنچے ہمیں ایک قسم
کی فرحت حاصل ہوئی۔ درگاہ کے سامنے ایک چھوٹی امرائی بھی ہے حضرت ابو الفیض من اللہ بہت زبردست بزرگ
گذرے ہیں آپ حضرت خواجہ بندہ نواز گلبرگہ کے پوتے ہیں۔ برید شاہی گنبدوں کے بازو شہر کی عیدگاہ اور
انکے جنوب میں زین الدین شاہ کنج نشین اور مخدوم شاہ قادری وغیرہ کے گنبد واقع ہیں۔

اندرون شہر حسب ذیل تاریخی مقامات قابل دید ہیں:۔

جامع مسجد۔ چوبارہ۔ چشمہ سید سادات۔ نہر فرح باغ۔ درگاہ حضرت لمعانی بادشاہ۔ جامع مسجد شہر
کی بڑی مسجد ہے اور عین وسط شہر میں ایک کشادہ مقام پر واقع ہے۔ عمارت چوبارہ کا حال پیشتر لکھا جا چکا ہے
چشمہ سید سادات شہر سے تقریباً نصف میل پر حصار شہر کے باہر واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہندو مسلمان
اور ہر مذہب کے لوگ اس چشمہ کے بے حد معتقد ہیں ہر پنجشنبہ کو یہاں ایک اژدہام رہتا ہے لوگ یہاں آنکر منتیں
مانگتے ہیں۔ چشمہ کے قریب سید سادات کی درگاہ واقع ہے یہ ایک نہایت پُر فضا مقام ہے یہاں سے قلعہ کا
منظر بھی دور سے دکھائی دیتا ہے اس درگاہ کے مغرب میں ایک اور چشمہ واقع ہے جو چشمہ پانچ پاس کے نام سے

موسوم ہے یہاں ایک مندر موسوم بہ دیول مہادیو واقع ہے۔

نہر فرح باغ۔ شہر کے جنوب مغربی جانب حصار شہر سے باہر ہے۔ یہ نہر چٹان تراش کر نکالی گئی ہے اور ۱۱۲ فٹ طویل ہے یہاں چھوٹا مندر بھی ہے جہاں سالانہ جاترا ہونا بیان کیا جاتا ہے چشمہ سے متصل ایک مسجد بنی ہوئی ہے اس پر جو عبارت لکھی ہوئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شہنشاہ اورنگ زیب کی تعمیر کردہ ہے

درگاہ حضرت ملتانی بادشاہ۔ وسط شہر میں واقع ہے اور قابل دید اور فرحت افزا مقام ہے۔

بیدر کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) قبرستان اور گنبد حصار شہر اور فصیل کے باہر واقع ہیں۔

(۲) اکثر مقامات پر مساجد اور منادر ایک دوسرے کے بازو واقع ہیں۔

(۳) یہاں کا پتھر ایک خاص قسم کا ہے۔ مکانات پتھر ہی کے بنتے ہیں۔

(۴) قصبہ مالیگاؤں کا میلہ مشہور ہے کہتے ہیں کہ زمانہ سابق میں ہر سال دس بارہ ہزار گھوڑے فروخت ہوا کرتے تھے بعد میں محصول عاید ہونے سے یہ میلا موقوف ہونا بیان کیا جاتا ہے۔

(۵) دیہاتی مسلمان ہندوؤں کا سا لباس بنتے ہیں۔

(۶) گرمی محسوس نہیں ہوتی بہت کم معلوم ہوتی ہے اس کی وجہ غالباً بیدر کی بلندی ہے۔

(۷) تلگھاٹ دروازہ کے قریب محلہ "تعلیم منیار" میں ایک گاؤزر کے مکان میں ایک قدیم خوبگنبد واقع ہے جس کی بلندی ایک گز ہے یہ گنبد بیدر کی نشانی کہلائی جاسکتی ہے۔

(۸) قلعہ اور شہر میں جا بجا لنگور پائے جاتے ہیں کہا جاتا ہے کہ منجانب سرکار انکی غذا مقرر ہے۔ خانہ پور جو ممالک محروسہ سرکار عالی میں لنگوروں کے لئے مشہور ہے بیدر ہی کا ایک تعلقہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ بیدر سے قریب ہونے سے شہر میں بھی یہ جانور پائے جاتے ہیں۔

(۹) پانی کی بڑی تکلیف ہے کیونکہ کنوے بہت گہرے ہیں بڑی دقت سے پانی نکالا جاتا ہے

(۱۰) بیدر کی صنعت میں حقے۔ اگالدان۔ پانڈان۔ آب خورے۔ کشتیاں۔ رکابیاں۔ گلدستے گنڈیاں اور دیگر اشیاء مشہور ہیں۔

جغرافی محل وقوع۔ بیدر ممالک محروسہ سرکار عالی کے تین بڑے علاقوں یعنے مرہٹواڑی۔ کنڑا اور تلنگانہ کے درمیان حیدرآباد سے پانچ سو فٹ بلندی پر ایک سطح مرتفع پر واقع ہے۔ شمال میں ناندیڑ۔ جنوب میں گلبرگہ اور اطراف بلدہ مشرق میں ضلع میدک نلدرگ واقع ہے

تاریخی حالات۔ شہنشاہ دہلی غیاث الدین تغلق کے خلف اکبر الف خاں نے اس شہر کا محاصرہ کرکے ۱۳۲۷ء میں قبضہ کیا اس زمانہ سے یہ شہر سلطنت مغلیہ کے زیر سیادت آیا اور سلطنت گلبرگہ کا ایک صوبہ قرار پایا۔ ورنگل کے رایون کے خاندان کو زوال ہونے کے بعد تیز جب کہ دکن میں مطلق العنانی پھیلی ہوئی تھی خاندان خلجی نے اس شہر پر قبضہ کیا اس خاندان کے بعد خاندان بہمنی نے اس پر قبضہ کیا پھر ۹۸۰ھ میں اس خاندان کے زوال پر شہر پر بریدی خاندان کا قبضہ ہوا اس خاندان کے تیسرے بادشاہ علی برید نے قدیم عمارت اور مقبروں کو منہدم کرا کر حصار شہر اور ۳۵ مضبوط برج تعمیر کروائے

قدیم عمارات جو آثار قدیمہ میں شمار ہوتے ہیں ان کی تاریخی اہمیت کے علاوہ جو خاص اثر ایک سیاح کے دل پر ان کے دیکھنے سے ہوتا ہے وہ ان کی پائداری اور دیرپائی ہے۔ یہ عمارت صدہا سال پیشتر کے تعمیر شدہ ہیں۔ لیکن ابھی تک بجز اس کے کہ بار بار اں کے اثرات سے ان کا رنگ ہیئت کذائی بدل گئی ہے۔ نہایت اچھی حالت میں کھڑے زبان حال سے اپنی پائداری کا ثبوت دیرہے ہیں۔ ان عمارات کا مقابلہ جب ہم زمانہ حال کی عمارات سے کرتے ہیں تو بے ساختہ یہ مصرعہ زبان پر آجاتا ہے کہ ؎ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ قدیم عمارات صدیوں میں چل کر منہدم یا ناکارہ ہوتی ہیں لیکن زمانہ حال کی عمارات چند ہی سال میں منہدم ہوجاتی ہیں اور تعمیر ہونے کے تھوڑے ہی روز میں دنیا بھر کے نقائص ان میں پیدا ہونے لگتے ہیں۔ دور کیوں جائیے حال ہی کی بات ہے کہ دواخانہ عثمانیہ کی عمارت کی درمیانی سقف مکمل تعمیر ہوجانے کے بعد اچانک منہدم ہوگئی۔ سکتہ تعمیری نقص نہیں تو اور کیا کہا جائیگا قدیم زمانہ غیر ترقی یافتہ اور موجودہ زمانہ ترقی یافتہ سمجھا جاتا ہے قدیم زمانہ میں انسان کو جو باتیں حاصل تھیں ترقی علم کی وجہ حاصل ہوچکی ہیں جو سہولتیں اسلاف کو حاصل نہ تھیں موجودہ نسلوں کو اس وقت حاصل ہیں اس اصول کے تحت گذشتہ نسلوں کی فن تعمیر میں وہ سہولتیں حاصل نہ تھیں جو آج سائنس کی ترقی کی بدولت موجودہ نسلوں کو حاصل ہیں پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ موجودہ نسلوں کا کام قدیم نسلوں کے کاموں سے کیوں غیر پائدار اور خام ہوتا ہے

قدیم نسلیں کوئی فرشتہ تو نہیں تھیں اس زمانہ میں فن تعمیر میں اتنی ترقی ہوئی اور دن بدن ہو رہی ہے کہ زمانہ قدیم میں اس کا عشر عشیر اسلاف کو میسر نہ تھا۔

تین روز میں ہم نے سارا شہر دیکھا تعطیلات ہونے سے اور دو ایک روز ٹھہرنے کا خیال تھا لیکن مسٹر اسمٰعیل نے یہ کہتے ہوئے کہ ماہ محرم ہے گھر جا کر ائمہ کے فاتحہ میں جو برس میں ایک مرتبہ ہوتے ہیں شریک ہونا ہے ٹھہرنے سے انکار کیا۔ چنانچہ چار بجے ہم بلدہ جانے والی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ وقار آباد اسٹیشن سے ایک مسلمان جو وضع قطع سے جاگیردار معلوم ہوتے تھے ہمارے ڈبہ میں سوار ہوئے دوسری اسٹیشن پر ایک نفر نیو پاری بھی اس ڈبہ میں آن پہنچا جاگیردار صاحب اور بیوپاری میں اتفاقاً باہمی گفتگو شروع ہوئی دوران میں گفتگو میں دنیا بھر کے عنوانات پر خیالات کے گھوڑے دوڑائے گئے۔ موجودہ تجارت کی حالت۔ سونے کا تذکرہ بیانکنگ اور سود کا تذکرہ۔ مسئلہ تقدیر و تدبیر۔ واپسی برار اور دیگر مختلف امور معرض بحث میں آئے جس وقت یہ گفتگو ہو رہی تھی ہم نے مسٹر اسمٰعیل کو مخاطب کر کے یہ مصرعہ پڑھا ؎ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے۔ بیدر اسٹیشن سے دو نفر مارواڑی بھی گاڑی میں سوار ہوئے تھے انکی گفتگو سے معلوم ہوا کہ یہ بلا ٹکٹ سوار ہوئے ہیں وقار آباد آنکر انہوں نے ٹکٹ خریدا لیکن یہاں انہیں اسٹیشن برلی سے جہاں سے کہ یہ گاڑی نکلتی ہے ٹکٹ خریدنا پڑا۔ ہم نے جب ڈبہ کا جائزہ لیا تو ایک طرف چند سادھو بھی نظر آئے ان اشخاص کی بھی عجیب خانہ بدوشی کی زندگی ہوتی ہے ہم نے مسٹر اسمٰعیل سے کہا کہ اس قسم کی لغویات سے ہمارا مذہب اسلام بالکل پاک ہے اور اسلام رہبانیت کی ممانعت کرتا ہے تنکر پلی اسٹیشن پر گاڑی مقررہ وقت سے تھوڑی دیر زیادہ ٹھہر گئی دریافت سے معلوم ہوا کہ اسپیشل ٹرین جس میں سر حیدر نواز جنگ روانگی لندن کی غرض سے بمبئی جا رہے ہیں گذرنے والی ہے دو ایک منٹ گذرے تھے کہ یہ اسپیشل پاس ہو گئی اس گاڑی کے پاس ہونے کے بعد ہماری گاڑی یہاں سے روانہ ہوئی اس اسٹیشن سے دوا فروش حشرات الارض کی فرخ گاڑی میں ابل پڑے اور اپنی چیخ و پکار سے مسافرین کی آزادی اور آرام میں مزاحمت بے جا شروع کر دی ان دوا فروشوں کی زبان سے ادویات کی تعریف میں عجیب باتیں سننے میں آتی ہیں یہ لوگ تعریف کیا کرتے ہیں گویا تعریف کے پل باندھ دیتے ہیں تعریف کرتے وقت انکی زبان پنجاب میل معلوم ہوتی ہے جنتان کی گولیوں کی تعریف اس طرح ہوتی ہے کہ ٹھنڈی میٹھی خوشبودار ہے۔ نان سین کو دنیا کی بیماریوں کا علاج بتلایا جاتا ہے۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ اکثر

دیہاتی یا ٹرک چھاپ جنٹلمین ہی اِن لوگوں کے دامِ فریب کا شکار ہوتے ہیں۔ دوافروش جس چالاکی اور کمال سے خریداروں کو پھانستے ہیں اس کو دیکھکر ہمیں صفی حیدرآبادی کا یہ مصرعہ یاد آگیا کہ ؎ کیا کیا کمال کرتے ہیں دنیا میں یار لوگ۔ جس بوگی میں ہم بیٹھے تھے وہاں ایک بات اور دیکھنے میں آئی۔ اِس ڈبہ کے بیت الخلا میں پانی کا نل نہیں تھا جس کی وجہ سے مسافرین کو بے حد تکلیف ہو رہی تھی۔ یہ ریلوے کے انتظام کا ایک ادنے نمونہ ہے دِن رات سفر کرنے والوں کو ایسی پچاسوں تکالیف کا سامنا آئے دِن ہوتا ہی رہتا ہے۔ منتظمین ریلوے کو اِن بدعنوانیوں کی جانب خاص توجہ رکھنی چاہیئے۔

شنکر پلی سے گاڑی ۸ بجے نکلی اس کے بعد کے چار اسٹیشنوں پر حسب عادت تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہرتی ہوئی ۹½ بجے نامپلی پہنچی گاڑی سے اتر کر ہم نے ایک تانگہ کرایہ پر لیا اور تھوڑی دیر میں بہ خیر و عافیت گھر پہنچے۔

مجلس تحریک قرآن حیدرآباد کا ماہوار رسالہ

ترجمان القرآن

ایڈیٹر ابوالاعلیٰ مودودی

اس رسالہ کا مقصد توحید قرآن کریم کی تعلیم و ہدایت اور علوم و معارف کی اشاعت ہے اور اس باب میں ترجمان القرآن تحقیقات کا ذخیرہ فراہم کرتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول سے ماخوذ و مستنبط ہے۔ علاوہ بریں اس نے قرآن مجید کے متعلق ہر قسم کے شکوک و شبہات کو حل کرنے اور ان موانع کو دور کرنے کا ذمہ لیا ہے جن کے باعث عہد حاضر کا تعلیم یافتہ طبقہ قرآن حکیم کی تعلیمات سے ناآشنا ہوتا جا رہا ہے

قیمت سالانہ - صہ ر

دفتر ترجمان القرآن —— خیریت آباد حیدرآباد دکن

"مغنیۂ بہار سے"

از

آمنہ رضیہ صاحبہ

عطر عروس میں بسی ہوئی، صبح حسین میں جب تو میرے خوبصورت باغیچے کے اندر محو جمال دوست ہو کر نغمہ سرا ہوتی ہے تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا میں نے تیز و تند شراب کا ایک لبریز ساغر پی لیا ہے اور آہ! کتنا اچھا ہے "ریا فراموشی" کا وہ ایک جام جو دل سے تمام المناک یادگاروں کو بھلا دے ـــــ میں تیری خوش نوائی پر حسد نہیں کرتی ـــــ اور کتنے بدنصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جو حسد کرتے ہیں، تیرا سرور اگ مجھے بھی مسرور کر دیتا ہے ـــــ اور کتنی اچھی ہے وہ مسرت جو دوسرے کو بھی سرور کرے

کیسے خوش نصیب ہیں وہ درخت جن پر بیٹھ کر تو خوش الحانی کے ساتھ اپنے "فسانۂ محبت" کا دلنشیں راگ الاپتی ہے اور آہ کتنی پیاری ہے وہ فضا جو ہر روز تیری باریں نغمہ سے دھلتی ہے جب تو بہار کے خیر مقدم میں کوئی سُریلا گیت گاتی ہے اس وقت میں خواہش کرتی ہوں خوشبودار پھولوں میں بسی ہوئی شراب کہنہ کا ایک رنگین لبالب جام ہو اور موسم بہار کا وہی قدیمی گیت ـــــ پھولوں کی معطر کیاریاں ہوں اور کوہ یلی کے چشمے سے ابلتی ہوئی شراب احمریں کا ایک لبریز ساغر

ساقی ہو مشغل مے ہو شب مہتاب ہو

بس یہی میری تمنا ہے یہی میری تنہا آرزو ہے۔ اور ع

اس آرزو پہ کون نہ مرجائے اے خدا!

گائے جا! اے غنچۂ بہار۔ زمزمے اڑائے جا! اس پرالم دنیا کے کھڑاگ سے میں تنگ آگئی ہوں۔ دنیا آہ یہ دنیا ؎

گھبرا کے ہم آئے تھے یہاں ملک عدم سے یاں بھی نہ لگا جی ہمیں کیسا خفقان تھا

درحقیقت دنیا ہرگز رہنے کی جگہ نہیں۔ اُف اس کا تصور بھی آفات کا پیش خیمہ ہے۔ ہر وقت مایوسیاں ہمیں اپنی بھاری بے نور اور غیر متحرک نگاہوں سے گھورتی رہتی ہیں کون ہے جو اس حیرت خانۂ امروز و فردا میں رنج و الم کی جان لیوا بیماری سے بچا ہوا ہے ــــ کوئی نہیں ع

زہشیار ان عالم ہرکرا دیدم غمے دارد!

کوئی مفلسی کی اندھیری پستیوں میں پڑا کراہ رہا ہے تو کوئی شباب رفتہ کے ماتم میں سوگوار ہے۔ کوئی یاد وطن میں دل فگار ہے تو کوئی جوراغزا سے سینہ ریش ــــ یہاں کسی چیز کو بھی قرار و ثبات نہیں نہ حسینوں کی خوبصورتی اور دلپذیری باقی رہتی ہے نہ تمنائے یار میں مرمٹنے والوں کی دوستی و محبت! آہ یہ دنیا ــــ گا اے طائر بہار گا! ایک حسین گیت ایک سریلا راگ ہاں اے مطرب خوشنوا بگو تازہ بہ تازہ نو بہ نو ــــ تاکہ میں اپنے "سرمست آلام" دل کو تھوڑی دیر کے لئے مخمصات دنیا سے آزاد کرلوں۔ پیمانہ صہبا لبریز ہو چکا ہے مجھ میں تاب نہیں کہ اس عالم پرشور کی ستم شعاریوں کو برداشت کرسکوں۔ چل اے خضر حسیں لے چل! دور ــــ اس پاپ کی بستی سے ایک ایسی جگہ جس میں انسان نہ بستے ہوں یہ مکر و جفا پیش حیوان نہ بستے ہوں۔ لے خضر حسیں لے چل!!

شہزادہ قمر تخت نیلگوں پر جلوہ فرما ہے، حسین نازنین اس کے گرد دست بستہ پا بجائے کھڑی ہیں۔ وہ مسکرا رہا ہے اور اس کی بے پناہ مسکراہٹ سارے عالم کو جگمگائے دے رہی ہے۔ لیکن یہ گھنی جھاڑیوں سے گھرا گوشہ انتہائی اسی طرح خاموش اور تاریک ہے۔ ہاں جب بہشت بریں کی نسیم کے جھونکے شاخوں کو ہلاتے ہیں چاندنی پتوں سے چھن چھن کر اندر داخل ہوتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ آسماں کی کوئی شوخ حسینہ شرارت سے تارے توڑ توڑ کر پھینک رہی ہے ــــ اس تنہائی میں تو اے طائر بہار! میری جلیس ہے اور تیرے تھوڑی تھوڑی دیر بعد

کے یہ لاہوتی نغمے مجھے بجز دبنائے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ تنہائی ـــ آہ یہ احساس تنہائی ـــ یہ میرے لئے ناقابل برداشت ہے اب مجھے موت کی تمنا ہے۔ صرف موت کی۔ یہ میری آخری تمنا ہے مگر آہ! ـــ مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے۔ لیکن لوگ کہتے ہیں موت دکھے ہوئے جی کی نجات دہندہ ہے تو پھر آ، موت کے لے رحیم فرشتے آ! میری روح تیرے نرم و نازک بازوؤں کے سہارے "معراج سکون" پر پہونچنے کے لئے بے چین ہے۔ آ اے "معشوق ازلی" اُسے مطمئن کر دے! غیر فانی پر مژدہ سحر ہے، ساری فضا میں مئے ترنم ہے۔ عرش سے تا فرش ہر ذرہ موسیقی اور نغمے سے معمور ہے۔ آہ یہ وقت یہ موسم یہ سماں میری موت کے لئے کتنا پیارا ہے!

اس غیر آباد گوشے میں انسان کی حریص اور ناپاک نگاہیں میری قبر کی توہین نہیں کر سکتیں ـــ یہ خلوت حسین میرے مدفن کے لئے کتنی مبارک ہے۔ اے حسین مغنیہ! کیا میرے بعد بھی تو اسی طرح گاتی رہے گی ـــ گو میں خود تیرے اس غیر فانی راگ کو نہ سن سکوں گی لیکن میری ناکام روح ہاں وہ اسے سنے گی اور ابدیت کے فلک روشن پر ایک حسین ستارہ بن کر چمکے گی۔ خدا حافظ اے خوش آواز پرندے خدا حافظ

اب وہ تیرے سہرے گیت ـــ جنھیں سننے کے لئے پریاں بھی سمندر کی نیلی گہرائیوں سے سطح آب پر ابھر آتی ہیں، تمام دنیا کے جادو تیرے سحر نغمہ کے آگے حرف غلط کی طرح مٹ جاتے ہیں ـــ میرے کان اب انہیں نہیں سنیں گے لیکن میری روح کی خاطر تو یوں ہی گاتی رہ! تیرے گیت غیر فانی ہیں اور لازوال ـــ کوئی تیری مسرت و شادمانی کو مجھ سے چھین نہیں سکتا۔ تو ہمیشہ سے اسی خوش آہنگی کے ساتھ گاتی آئی ہے اور ہمیشہ اسی طرح گاتی رہے گی۔ ہاں تیرے گیت غیر فانی ہیں اور لازوال ـــ!!

مثنویات میر

مرتبہ مولوی سید محمد ام۔ اے

قیمت (عہ)

مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد دکن سے طلب کیجئے

علمی خبریں

عجیب و غریب پتھر کچھ عرصہ قبل جزیرہ گرین لینڈ کی ایسکیمو قوم کے ایک شخص کو (۴۰۰) فٹ کی بلند پہاڑی پر ایک پتھر ملا تھا جس کا وزن ۷ ٹن یعنی (۱۹۶۰) من ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پتھر دراصل ایک ٹوٹا ہوا ستارہ ہے اس پتھر کی قیمت دس ہزار پونڈ تخمینہ کی گئی ہے ماہرین سائنس اس پتھر یا ٹوٹے ہوئے ستارے کو "کوپن ہیگن" کے عجائب خانہ میں رکھنے کی تجویز کر رہے ہیں۔ (حمایت الاسلام لاہور)

ہندوستان کا زارو آغا کوہاٹ کے ایک ہندوستانی زارو آغا کے وجود کا حال معلوم ہوا ہے۔ یہ شخص موضع پٹی علاقہ کوہاٹ کا باشندہ ہے۔ اس کا گاؤں کوہاٹ بنوں گرانڈ ٹرنک روڈ پر کوہاٹ سے بہ فاصلہ ۳ میل واقع ہے۔ شخص مذکور کا نام باز گل خاں ہے اور اس وقت اس کی عمر (۱۶۰) سال کی ہے۔ باز گل خاں کے دو بیٹے ہیں جن کی عمریں علی الترتیب ایکسو اور ننانوے برس کی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ باز گل خاں کی صحت نہایت درست اور بینائی بھی صحیح و سالم ہے۔ (")

ریہ نما سائیکل ایک انگریز نے غبارہ نما سائیکل ایجاد کی ہے۔ جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے سب سے پہلی اور سب سے زیادہ کامیاب سائیکل ہے۔ ہوا میں اڑتے وقت اُسے ایک غلاف سنبھالے رہتا ہے جس میں ہائیڈروجن گیس بھری رہتی ہے۔ پچھلے حصہ میں ایک ہلکا انجن کا فریم ہوتا ہے۔ چلانیوالا اس پر بیٹھ کر پائدانوں کو خوب گھماتا ہے جس سے اگلا پروپلیر حرکت میں آجاتا ہے اور آسمان پر پرواز کرنے لگتا ہے۔ (")

ترجمہ رباعیات عمر خیام ۱۸۵۹ء میں مسٹر ایڈورڈ فٹز جیرالڈ نے ایشیا کے ماہ الامتیاز فلسفی شاعر عمر خیام کی رباعیات کا انگریزی ترجمہ شائع کیا تھا۔ شروع میں جب اس ترجمہ کی فروخت نہیں ہوئی تو مسٹر موصوف نے پبلک کی لاپروائی اور تغافل سے جھلا کر بقیہ تمام کتابیں ایک کتب فروش کو اس شرط پر دیدیں کہ خواہ قیمت پر بھی وہ بیچیں فروخت کر دیجائیں ابتدا میں یہ کتاب دو پیس فی جلد کے حساب سے فروخت ہوئی جب پبلک کو اس

کی خوبیوں کا علم ہوا تو قیمت میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۰۰ء میں ایک ایک نسخہ چالیس چالیس پونڈ میں فروخت ہوا۔ اور دورِ حاضرہ میں فی نسخہ (۸۹۰) پونڈ قیمت قرار پائی۔ یہ ہے یورپ کی علم نوازی اور ادبی شغف کی ایک زندہ مثال ــــ

لاغری کا ایک جدید علاج یورپ کے طبی ماہرین نے لاغری کا ایک عجیب و غریب طریقہ علاج دریافت کیا ہے۔ یہ طریقہ علاج ہر شخص کیلئے مفید اور ثمر بخش ہے۔ انسولین (INSULIN) کے متعدد انجیکشن (INJECTION) سے نحیف اور کمزور جسم میں دیرپا طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ نیز خون کی مقدار اور صفائی میں بھی معتد بہ اضافہ ہوتا ہے۔

ایک نئی ایجاد لندن کے ایک ہسپتال کی یہ ایجاد واقعی قابلِ دید ہے کہ اس کے یہاں زہریلی ادویات کی بوتلوں پر خطرہ کی گھنٹی بندھی ہوئی ہوتی ہے۔ جہاں کسی شخص نے غلطی سے ایسی بوتل اٹھائی کہ وہ گھنٹی اس زور شور سے بجنے لگتی ہے کہ ہسپتال کے تمام لوگ واقف ہو جاتے ہیں کہ کسی شخص نے کوئی زہریلی بوتل اٹھائی ہے۔

علمی سرپرستی اور غربا کی امداد پٹنہ کی خبر ہے کہ صوبہ بہار کے ایک ہندو وزیر نے اپنی ذاتی کمائی میں سے دو لاکھ کے سرمایہ سے قومی اغراض کے لئے ایک باضابطہ ٹرسٹ قائم کر دیا ہے جس سے ہندوؤں کے متعدد صنعتی، تجارتی اور تعلیمی اداروں کو امداد ملا کرے گی۔ مثلاً

(۱) یتیموں اور بیواؤں کے ایک اسکول کو (۲۰۰) روپیہ ماہوار۔

(۲) ایک سنسکرت کی درسگاہ کو (۲۵) روپیہ ماہوار

(۳) تعلیمی وظائف میں (۱۲۵) روپیہ ماہوار

قابلِ ستایش یہ امر ہے کہ وزیر صاحب موصوف کچھ خاندانی امیر نہیں ہیں بلکہ اپنے زمانہ وزارت میں جو کچھ انھوں نے کمایا اس کا ۱/۴ حصہ اپنے خرچ میں لائے اور ۳/۴ حصہ اس قومی فنڈ کے لیے پس انداز کرتے رہے۔ جس کی مقدار اس حد تک پہونچ گئی۔ کیا ہمارے مسلمانوں میں کوئی شخص ایسے زبردست ایثار کی مثال پیش کر سکتا ہے۔

پانچ روپیہ ماہوار میں میٹرک تک تعلیم مولوی بشیر الدین صاحب بانی اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کی ذات محتاج تعارف نہیں، آپ کی ساری عمر مسلمانوں کی تعلیمی حالت کی درستگی میں صرف

ہوئی۔ حال میں آپ نے ایک ایسا بورڈنگ ہاؤس اپنے اسکول میں کھولا ہے جس کا کل ماہانہ کم خرچ معہ خوراک و لباس کتب و فیس تعلیمی وغیرہ صرف ۱۲ ہوا رہوگا مگر یہ رعایت صرف ان بچوں کے لئے ہوگی جن کے والدین یا ورثا کی آمدنی ۱۵۰ روپیہ ماہانہ سے زائد نہ ہو اس بورڈنگ کے قواعد حسب ذیل ہیں۔

کھانا۔ (۱) کھانے میں صبح کو روٹی کے ساتھ دال ہوگی۔ رات کے وقت دال کے ساتھ ہفتہ میں تین دفعہ ترکاری اور چار دفعہ بڑا گوشت سادہ یا ترکاری کا دیا جائیگا۔ اور ترکاری تیل میں پکائی جائیگی (۲) موسم کے لحاظ سے ناشتہ ایسا دیا جائیگا جو ارزاں اور صحت و تندرستی کے لئے مفید ہو نیز یہ کوشش بھی کیجائیگی کہ مہینے میں چار دفعہ فصلی پھل بھی دیئے جائیں۔ رمضان شریف میں کھانے کے علاوہ سحری اور افطاری بھی دیجائیگی۔ سحری میں گڑ کے میٹھے چاول اور افطاری میں چنے کی دال کی گھنگنیاں یا پھلکیاں دیجائیگی۔

لباس۔ (۱) گاڑھے کی خاکی رنگ کی قمیص اور گاڑھے کا پائجامہ ہوگا اور اسی کپڑے کی کشتی نما ٹوپی ہوگی پاؤں میں پہننے کو چپل ملیگی جاڑے کے موسم میں گاڑھے یا دھوتر کی روئی کی بنڈی، لحاف، توشک، تکیہ، دری، اور کھدر ایک دولائی دیجائیگی۔ (۲) ہر ایک لڑکے کو تین جوڑے کپڑے دئے جائینگے (۳) ۲۴ نومبر ۱۹۳۳ء تک کوئی کپڑا نہیں دیا جائیگا اس وقت تک لڑکے وہی کپڑے پھینگے جو اپنے گھروں سے لائینگے۔ (۴) نومبر کے مہینے میں اس بورڈنگ ہاؤس کے تمام بورڈروں کو بلا قیمت یکساں لباس بنوا دیا جائیگا اس کے بعد کوئی لڑکا اس لباس کے سوائے بورڈنگ کے لباس کے کوئی دوسرا لباس پہننے کا مجاز نہ ہوگا (۵) ہر لڑکا اپنے کپڑے اپنے ہاتھ سے دھوئیگا۔ کپڑا دھونیکا صابن بلا کسی قیمت کے بورڈنگ کی طرف سے ملیگا (۶) اگر کوئی کپڑا مرمت طلب ہو جائیگا تو اپنے کپڑوں کی مرمت خود لڑکوں کو اپنے ہاتھ سے کرنی پڑیگی (۷) بورڈنگ کی طرف سے جو کپڑے دئے جائینگے ان کو سلیقہ اور حفاظت سے رکھنے کے ذمہ دار خود بورڈر ہونگے۔

یہ ہے مختصر خاکہ اس اسکیم کا جو مولوی بشیر الدین صاحب نے اپنے بورڈنگ ہاؤس کے متعلق تجویز فرمائی ہے کیا ہمارے قومی لیڈر اس اسکیم کی سادگی سے فائدہ اٹھانیکی کوشش کرتے ہوئے دیگر مقامات پر بھی اس قسم کے بورڈنگ ہاؤسوں کا افتتاح کرکے اپنی درماندہ قوم کے غریب اور اوسط طبقہ کی ہونہار اولاد کو علم حاصل کرنیکا زرین موقع عطا فرمائینگے۔

تنقیدیں

موازنہ صلیب و ہلال

تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۲۰۶ مطبوعہ مدینہ پریس بجنور۔ ملنے کا پتہ مدینہ پریس بجنور

قیمت عہ ۱۲

نکہت صاحب بی۔ اے شاہجہاں پوری نے "موازنہ صلیب و ہلال" کے نام سے ایک کتاب تالیف فرمائی ہے کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولف نے نہایت محنت اور جانکاہی سے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب متعدد ابواب پر منقسم ہے۔ مثلاً سرگذشت صلیب و ہلال اسلامی عظمت و جلال۔ محکمۂ نظافت کا اسلامی معیار معمورۂ حسن و عشق یعنی طلیطلہ اور مرقع موسیقی اسلام۔ یورپ کی ادبی روح اور اسلام وغیرہ وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ جس مقصد کے پیش نظر یہ کتاب لکھی گئی ہے وہ نہایت مہتم بالشان ہے گو اس سے قبل اکثر تاریخی کتابوں میں اسلام اور عیسائیت کے موضوع پر فریقین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن "موازنہ صلیب و ہلال" زیادہ جامع معلوم ہوتی ہے۔ مولف مذکور نے فروعات پر بیکار اور لاحاصل بحث کرنے کے عوض خود عیسائی مورخین کی تاریخوں کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ مسلمان فاتحین کے داخلۂ اسپین سے پیشتر نہ صرف اسپین بلکہ تمام یورپ خوفناک جہالت میں گرفتار تھا جو آج کی موجودہ تہذیب اور علمی ترقی اور انہیں مسلمان فاتحین کی علم پروری اور ادب نوازی کی ممنون ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ بعض مستند یوروپین مورخین کے وہ بیانات بھی نقل کئے ہیں جن میں ان لوگوں نے صداقت کے ساتھ اعتراف کیا ہے کہ اگر آج تک اسپین میں اسلامی سلطنت قائم ہوتی تو دنیا کی موجودہ تہذیب اور علمی ترقی آج سے پانسو برس قبل مکمل ہو چکی ہوتی جیسا کہ مسٹر جوزف میکب اپنی کتاب کے صفحہ ۴۲۹ پر تحریر کرتے ہیں کہ

اگر یہ تعلیمات اسلامی ہم تک بروقت پہونچ چکی ہوتیں تو آج ہم بلکہ تمام نوع انسان دنیا کے ہر خطہ میں ۱۰۰۰ برس پہلے ہر شعبہ علم و فلسفہ میں ترقی یافتہ ہو چکے ہوتے۔ اس نقصان کی مکافات ہم رد و ہو کر کسی طرح نہیں

کر سکتے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ جو ترقیاں مسلمان اندلس کے فیض سے ہم کو نصیب ہوئیں وہ ۲۳۲۲ء میں شائد ہمیں نصیب ہوں

غرض یہ کتاب ہر پہلو سے قابل مطالعہ اور مفید ہے۔ طباعت بھی اچھی ہے ہر مسلمان کو اس کے مطالعہ سے فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔

کسبِ معیشت

تقطیع رائل ½ صفحات (۱۱۴) ملنے کا پتہ۔ پرانی حویلی۔ حیدرآباد دکن نمبر مکان (۴۴۴۴)

یہ کتاب امریکہ کے مشہور اخبار نویس اور مصنف "جارج کیری اگلٹن" کی ایک معرکتہ الآرا تصنیف کا ترجمہ ہے اس کے مترجم شید احمد صاحب حیدرآبادی ہیں۔

اہل ادب اُن مشکلات سے اچھی طرح واقف ہیں جو ایک زبان کے خیالات کو دوسری زبان میں منتقل کرتے وقت رونما ہوتے ہیں۔ خاص کر ایسی حالت میں جب کہ مترجم کی یہ کوشش ہو کہ ترجمہ میں بھی اصل زبان کی لطافت اور دلکشی باقی رہے کتاب ہذا کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مترجم صاحب بہت بڑی حد تک اپنی کوششوں میں کامیاب رہے ہیں۔ یہ کتاب کسبِ معیشت اور اس کے تمام ضروری لوازمات پر لکھی گئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اس کے پڑھنے والے روپیہ پیدا کرنے اور اس کے صحیح مصرف سے کماحقہ واقف ہو سکیں۔ آج ہندوستانیوں کی مالی پستی اور دیگر قوموں کے تمول کا اصلی اور ناقابل تردید سبب یہی ہے کہ اور قومیں دولت کمانے اور اس کو صحیح طریقہ سے خرچ کرنے کے تمام اصولوں پر عمل پیرا ہیں لیکن بدنصیب ہندوستانی اول تو دولت پیدا کرنا جانتے ہی نہیں اور اگر کچھ افراد ایسے ہیں بھی تو وہ اس کے صحیح مصرف سے بالکل لاعلم ہیں۔ جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ آج ہندوستان کے چپہ چپہ سے افلاس اور محتاجی کی دلگداز اور خوفناک صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔

کسبِ معیشت کے مطالعہ سے یہ امر صاف طور سے واضح ہوتا ہے کہ اگر ہم اور ہمارے دیگر برادران وطن اس کے اصولوں پر چلنے لگیں تو قریب ترین زمانہ میں ہماری آمدنی نہ صرف ہمارے اخراجات ہی کے لئے کافی ہو سکتی ہے بلکہ ہم قرضہ اور سود کی لعنت سے محفوظ رہ کر اپنی بقایا زندگی کے لئے معقول سرمایہ جمع کر سکتے ہیں۔

ممکن ہے کہ بعض تجاویز بادی النظر میں زیادہ اہم نہ معلوم ہوں لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر چیز کی ابتدا چھوٹے پیمانہ پر اور انتہا بلند معیار پر ہوا کرتی ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز کو جس میں سراسر فائدہ ہی فائدہ ہو کبھی نظر انداز نہ کریں کیونکہ ترقی اور بہبودی کا راز اسی میں پنہاں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مصنف کی محنت اور مترجم کی دماغ سوزی دونوں اپنی اپنی جگہ پر قابل داد ہیں کیونکہ اول الذکر نے عام اقتصادی حالت کے پیش نظر یہ کتاب لکھی اور مترجم نے اپنے برادران وطن کی بہبودی اور فلاح کے خیال سے اس کا ترجمہ اردو زبان میں فرمایا۔ ہمیں یقین ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اپنی اور اپنے اہل وطن کی زندگیاں سدھارنے میں ہمیشہ ہمت مردانہ سے کام لیگا۔

نوجوان ورتھر کی دشتاں غم جرمنی کے مایۂ ناز ادیب اور مشہور فلسفی شاعر گوئٹے کی ایک مہتم بالشان تصنیف کو ہمارے ملک کے ایک لائق اہل قلم جناب ریاض الحسن صاحب ام۔ اے نے اردو کا لباس پہنایا ہے۔

گوئٹے کی تعریف کرنا یا پبلک سے اوس کو روشناس کرنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مصداق ہے۔ کیونکہ دنیائے ادب میں اپنے دل و دماغ اور خداداد قابلیت کی بنا پر جو اعزاز اس نامور شاعر نے حاصل کیا ہے وہ بہت کم دوسروں کو نصیب ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قدرت نے گوئٹے کے دل و دماغ کو ادب اور فلسفہ کے لئے مخصوص کر دیا تھا اور گوئٹے نے بھی خدا کی ان بخشی ہوئی چیزوں سے وہی کام لیا جو اس کو لینا چاہیے تھا۔

جس تصنیف کی یہ تمہید ہے وہ بظاہر ایک افسانہ ہے لیکن اس افسانہ میں نئی بات جو حد سے زیادہ دلکش اور بیحد متنوع ہے وہ یہ ہے کہ عام افسانوں کی روش کو چھوڑ کر یہ فسانہ ہیرو یعنی ورتھر، کے خطوط کا مجموعہ ہے خطوط بھی کیسے خطوط۔ جو ابتدا سے انتہا تک دلی جذبات کی تصویر اور فطرت انسانی کا صاف و مجلا آئینہ ہیں۔ یوں تو قصہ کی بنیاد صرف اتنی ہے کہ افسانہ کا ہیرو ورتھر ایک لڑکی سے محبت کرتا ہے اور وہ لڑکی بھی ہیرو سے محبت کرتی ہے لیکن اتفاق وقت سے اس لڑکی کی شادی ایک اور شخص سے ہو جاتی ہے۔ اور غم نصیب ورتھر فراق کی جانگداز صعوبتیں برداشت کرتے کرتے ایک روز مجبور ہو کر خودکشی کر لیتا ہے۔

اس موقعہ پر بدنصیب عاشق کا وہ آخری خط پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے جو اس نے خودکشی سے پہلے لکھا ہے۔

ہم اس موقع پر مترجم کو ان کی اس کاوش دماغی پر مبارک باد دیتے ہیں کہ انھوں نے اس کتاب

کا ترجمہ کر کے اہل ملک کو دنیا کی ایک اہم اور بہترین تصنیف سے روشناس کرایا۔ اس میں شک نہیں کہ بعض جگہ محاورات کے استعمال اور زبان کی شگفتگی میں اس قدر کمی رہ گئی ہے لیکن یہ کمی ایسی نہیں ہے جو مترجم کی لیاقت پر گرفت کر سکے۔ امید کہ آئندہ تراجم میں صاحب موصوف ذرا احتیاط سے کام لینگے۔ قیمت (عہ) ملنے کا پتہ۔ لیڈی سنڈیکیٹ بلیلی روڈ الہ آباد

نسخہ زکوٰۃ کراؤن سائز ۱/۳۲ صفحات (۱۱۲) ملنے کا پتہ انجمن رفیق الاسلام ضلع گورکھپور، کشمری انبالہ (پنجاب) (قیمت سفت)

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے پانچ ارکان قرار دئے ہیں انہیں ارکان خمسہ میں ایک رکن "زکوٰۃ" بھی ہے، زکوٰۃ کیا چیز ہے؟ اس کی اہمیت کیا ہے؟ اور کس سے لئے اس کو ارکان دین میں شامل کیا گیا ہے اس سے غالباً ہر تعلیم یافتہ مسلمان کم و بیش ضرور واقف ہے۔ زکوٰۃ کی فرضیت حدیث ہی سے نہیں "قرآن مجید" سے ثابت ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علم وسلم نے اس کی طرف بہت زیادہ میلان خاطر فرمایا ہے۔ اس لئے کہ یہ ایک ذریعہ ہے اپنے نادار اور مفلس مسلمان بھائیوں کی امداد کا۔

اس میں شک نہیں کہ دور حاضرہ میں ہمارے برادران دینی کی ایک جماعت اس پر عامل ہے مگر کم بلکہ بہت ہی کم کیوں اور کس لئے؟ صرف اس لئے کہ موجودہ زمانہ کی تعلیم نے انہیں ایک کافی حد تک دینی تعلیمات اور اس کی خوبیوں سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع نہیں دیا چنانچہ اسی امر کے پیش نظر مولوی محمد ظفر صاحب بی اے آنریری سکرٹری انجمن رفیق الاسلام گورکھپور نے "نسخہ زکوٰۃ" کے نام سے ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے جسکی غرض و غایت یہ ہے کہ بچوں کو ابتدائی تعلیم کے دوران ہی اس مقدس اور اہم فرض سے اچھی طرح روشناس کرا دیا جائے تاکہ آئندہ چلکر وہ اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں، ہم مولوی صاحب موصوف کو مبارک باد دیتے ہیں کہ انہوں نے ایک نہایت مفید اور نیک کام کی طرف قدم بڑھایا ہے، رسالہ کا طرز بیان اس قدر سہل اور زبان اتنی آسان ہے کہ ابتدائی جماعت میں تعلیم پانے والے بچے اس کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ مفتون اجمیری

مجلہ مکتبہ میں اشتہار دیکر اپنی تجارت میں فائدہ اٹھایئے

مطبوعات دارالاشاعت مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی محمد وحید آباد دکن

ادبیات

(۱) اردو شہ پارے ۔ حصہ اول ۔ از ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری نور ایم اے پی ایچ ڈی ۔ تاریخ اردو سے قدیم اور ابتدائے اردو سوسیکولر اور نگ آبادی تک نظم و نثر کا بہترین انتخاب و نو نقاوہ شعرائے قدیم ضخامت ۔ ۴۰ صفحات قیمت مجلد ۱۲ر

(۲) روح تنقید ۔ از ڈاکٹر صاحب موصوف ۔ اردو میں فن تنقید کی پہلی کتاب ہے ۔ قیمت ۔ ۱۲ر

(۳) تنقیدی مقالات ۔ از ڈاکٹر صاحب موصوف ۔ روح تنقید کا دوسرا حصہ پیش کردہ تنقیدی اصولوں کی روشنی میں چیدہ شعرا کے کلام پر تنقید و تبصرہ ضخامت ۔ ۵۰ صفحات قیمت مجلد ۱۲ر

(۴) اردو کے اسالیب بیان ۔ از ڈاکٹر صاحب موصوف ۔ ابتدائے اردو نثر سے لیکر موجودہ زمانہ کے نثر نگاروں کے انداز تحریر و بیانی ارتقائی تاریخ ضخامت ۲۰۴ صفحات قیمت مجلد (عہ)

(۵) محمود غزنوی کی نظم و نثر ادب ۔ از ڈاکٹر صاحب موصوف ۔ غزنوی دور کے علمی و ادبی کارناموں کا مرقع ۔ صفحات ۱۲۰ قیمت ۱۲ر

(۶) ارباب نثر اردو ۔ از سید محمد صاحب ایم اے ۔ اردو نثر و نثر نگاری کی تاریخ اور فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے مصنفین اردو کا تذکرہ ضخامت ۲۲۰ صفحات قیمت مجلد ۔۔۔۔ عہ

(۷) گلشن گفتار ۔ مرتبہ سید محمد صاحب ایم اے ۔ اردو شعرا کا پہلا تذکرہ ۔ سنہ جامع ۱۱۶۵ھ سے پہلے دکن و ہندوستان کے مشہور شاعروں کے حالات نغز و خوش حال حمید اورنگ آبادی ضخامت ۸۵ صفحات قیمت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۲ر

(۸) مثنویات میر ۔ مرتبہ سید محمد صاحب ایم اے ۔ میر تقی میر کی انتخاب اور بہترین مثنویات کا مجموعہ ضخامت تقریباً ۲۰۰ صفحات قیمت مجلد

(۹) فسانے افسانہ ۔ از عبدالقادر صاحب سروری ایم اے ایل ایل بی اردو افسانوں کی ابتدائی تاریخ اور فسانہ نگاروں کے طرز تحریر و انداز بیان پر تنقید اردو میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ضخامت ۲۱۸ صفحات قیمت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ عہ

(۱۰) کردار اور افسانہ ۔ یہ دنیائے افسانہ کا دوسرا حصہ ہے جس میں فاضل مولف عبدالقادر صاحب سروری نے افسانہ نگاری میں کردار کی کیا اہمیت ہے اس پر جامع بحث کی ہے اور جگہ جگہ انگریزی اور اردو افسانوں کے کرداروں کی مثالیں دینے کے علاوہ اردو کے افسانوی ادب کے چند مشہور کردار عمر و عیار و داستان امیر حمزہ ، نجم السحر (مثنوی میر حسن) نعیمہ اور نصوح ، توبۃ النصوح نذیر احمد عون و محمد (مرثیہ انیس) پر تنقیدی مقالے بھی لکھے ہیں ضخامت ۲۲۲ صفحات قیمت مجلد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ عہ

(۱۱) قدیم افسانے ۔ از سروری صاحب دنیا کے شاہکار افسانوں میں سے قدیم ترین (۲۵) افسانوں کا مجموعہ ضخامت ۲۰۰ صفحات قیمت عہ

(۱۲) چینی اور جاپانی افسانے۔ بہ نگرانی سروری صاحب
چین اور جاپان کے شاہکار افسانوں کا مجموعہ ضخامت
۴۰۰ صفحات قیمت ۹/

(۱۳) انگریزی افسانے۔ بہ نگرانی سروری صاحب بگلستان
کے شاہکار افسانوں کا مجموعہ ضخامت ۴۰۰ صفحات
قیمت ..... عہ

(۱۴) فرانسیسی افسانے۔ بہ نگرانی سروری صاحب فرانس کے
جادو نگار افسانہ نویسوں کی بہترین کاوشوں کا انتخاب
قیمت ۱۲/

(۱۵) دکن میں اردو۔ از نصیر الدین صاحب ہاشمی ضخامت
جنوبی ہند میں اردو کی ابتدائی تاریخ قطب شاہی عادل شاہی
اور آصف جاہی دور کے شعرا کا تذکرہ اور دکن کی علمی
تصانیف رسائل و اخبارات کے مفصل حالات ضخامت
۴۲۸ صفحات قیمت ..... عہ

(۱۶) آثار الکرام۔ از حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری ایم اے
آر ایس ایران وسط اور جنوبی ہند کے اسلامی سلاطین کے
علمی و ادبی کارناموں کی محققانہ تاریخ ضخامت ۴۴۲ صفحات
قیمت ..... عہ

(۱۷) مقدمۂ عبد الحق حصہ اوّل۔ مرتبہ مرزا محمد بیگ صاحب
اسپیشل افسر مولوی عبد الحق معتمد انجمن ترقی اردو پریس وغیر
اردو جامعہ عثمانیہ کے علمی ادبی اردو مقدموں اور

پیاسوں کا مکمل مجموعہ جو مختلف موضوع کی گرانمایہ کتابوں میں
شائع ہوئے تھے ضخامت ۴۰۳ صفحات قیمت عہ

(۱۸) مبادی فلسفہ۔ از مولوی میر حسن الدین صاحب بی اے
ایل ایل بی ڈاکٹر اے ایس اپو پورٹ پی ایچ ڈی کی
پرآف وی فلاسفر کا عام فہم سلیس اردو ترجمہ ضخامت
۱۳۶ صفحات قیمت ۱۳/

(۱۹) مبادی نفسیات۔ از شیخ عبد الحمید صاحب شوق بی اے
آنرز اردو زبان میں نفسیات سے متعلق اپنی نوعیت کی
یہ پہلی کتاب ہے ضخامت ۱۹۰ صفحات قیمت (عہ)

(۲۰) قاموس الاغلاط۔ از مولانا سید مختار احمد و مولانا ذکی
پانچہزار الفاظ کی تحقیق اور اول اغلاط کی تصحیح اہل تحقیق کے
لئے مفید کتاب ہے ضخامت ۱۸۴ صفحات قیمت سے

(۲۱) محمود گاواں۔ از ظہیر الدین صاحب سلطنت بہمنیہ
کے مشہور اور مدبر وزیر خواجہ جہاں محمود گاواں کی معتبر
سوانح عمری ضخامت ۵۵ صفحات قیمت ۸/

(۲۲) نیلگری۔ از حمید اللہ صاحب ام اے ال ال بی۔
جنوبی ہند کے صحت افزا مقام کی تاریخ و جغرافی مواقع
ضخامت ۱۴۰ صفحات قیمت ۵/

(۲۳) مے و آتشہ۔ عمر خیام کی فارسی رباعیات اور
انکا انگریزی اور اردو ترجمہ کتاب مجلد باتصویر قیمت عہ

(۲۴) صوت تغزل۔ علامہ طباطبائی مرحوم المخاطب بہ

حیدر یار جنگ بہادر کے اردو و فارسی کلام کا بیش بہا مجموعہ ضخامت ۔ قیمت ..... عہ

درسیات (۸)

(۱) قاعدہ فارسی ۔ از ابوالحاسن متین صاحب ڈائرکٹ میتھڈ پر فارسی زبان کا جدید قاعدہ قیمت ۶

(۲) دروس فارسی ۔ حصہ اول از ابوالحاسن متین صاحب ڈائرکٹ میتھڈ پر فارسی کی پہلی کتاب قیمت ۸ر

(۳) مخزن القواعد ۔ از مرزا علی رضا شیرازی لکچرار سٹی کالج ہائی اسکول کے لئے فارسی کی بہترین گرامر قیمت ۱۲ر

(۴) جغرافیہ ریاست حیدرآباد ۔ از غلام قادر صاحب بی اے و غلام رسول صاحب اساتذہ سٹی کالج نظم و نسق حضور نظام کا بہترین جغرافیہ ضخامت ۱۰۶ صفحات قیمت ۱۲ر

(۵) معلومات دیہی ۔ حصہ اول از غلام رسول صاحب قمر و آصفیہ کی زراعت کی ابتدائی معلومات اور دیہاتی انتظام کے متعلق مفید کتاب قیمت ۶½

(۶) معلومات دیہی ۔ حصہ دوم ۔ از غلام رسول صاحب زراعت اور انتظام سے متعلق مزید معلومات قیمت ..... ۴ر ۶ پر

(۷) حمایت الحساب (۵) حصے از غلام رسول صاحب ابتدائی جماعت سے لیکر چوتھی جماعت تک کیلئے حساب کی کارآمد و مفید کتاب قیمت بالترتیب ۴ر ۶ر ۸ر ۱۰ر ۱۲ر ۱۴ر

(۸) جبر و مقابلہ و سطانیہ ۔ از سید انوار حسین صاحب بی اے مڈل سکولوں کیلئے کارآمد جبر و مقابلہ قیمت ۱۵ر

(۹) مکمل ہندسہ عملی ۔ از محمد منیر الدین صاحب بی اے ۔ ٹیچرز کوالیفکیشن کے لئے نہایت کارآمد و مفید ہندسہ عملی قیمت عہ

(۱۰) بچوں کا قاعدہ ۔ از مولانا مختار احمد صاحب ذہین بچوں کیلئے اردو کا مفید قاعدہ قیمت ۳ر

(۱۱) اردو کے حروف تہجی کا تختہ ۔ مدارس کے لئے اردو کے ابجد پڑھانیکا نگین یا تصویر چارٹ ۔ قیمت عہ

(۱۲) بالک پہاڑہ ۔ بچوں کیلئے جمع تفریق ضرب و تقسیم اور کسر کی پہاڑے ۔ قیمت (۶) پ

(۱۳) قواعد مضمون نویسی حصہ اول ۔ از مظفر الدین صاحب اردو مضمون نگاری کی تعلیم و تربیت میں بہترین کتاب قیمت

(۱۴) قواعد مضمون نویسی حصہ دوم از مظفر الدین صاحب قیمت ۶ر

(۱۵) طرز انشا نویسی ۔ از مظفر الدین صاحب اردو اسکولوں کیلئے مفید رسالہ قیمت ۱ر

(۱۶) حدائق الاخلاق ۔ یوسفی و زین صاحب کے نظم و نثر کا مجموعہ جماعتی سکولوں کیلئے نہایت مفید ضخامت ۱۵۸ صفحات قیمت (عہ)

(۱۷) تنظیم الاخلاق ۔ از سید عبدالعزیز صاحب عزیز لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے اخلاقی نظموں کا مجموعہ ضخامت ۹۸ صفحات ۔ قیمت ۱۲

(۱۸) خزینہ اخلاق ۔ از سید عبدالعزیز صاحب عزیز اخلاقی نظم و نثر کا مجموعہ جونیر لڑکوں اور لڑکیوں کیلئے بیحد مفید ضخامت ۱۴۴ صفحات قیمت ۶

مجلہ مکتبہ

(کی)

خریداری میں مزید سہولت

جو حضرات مکتبہ ابراہیمیہ سے ایک سال میں چالیس روپیہ کے مطبوعات مکتبہ یا ساٹھ روپے کی عام مذاق کی اور درسی کتابیں یکمشت یا بدفعات نقد خرید فرمائیں گے۔ ان کے نام رسالہ سال بھر کے لئے بلاقیمت جاری ہو سکے گا۔ اور وہ حضرات بھی جو چھ ماہ میں پچیس روپے کے مطبوعات مکتبہ یا پینتیس روپے کی درسی و دیگر کتابیں بدفعات یا یکمشت نقد خرید کریں گے ان کی خدمت میں چھ ماہ کی مدت کے لئے مجلہ مکتبہ بلاقیمت حاضر ہوگا۔ یکمشت خریدنے والے حضرات کے نام رسالہ فوراً جاری کر دیا جائے گا جو حضرات بدفعات کتابیں خریدیں گے ان کو ایک رسید دیجائیگی۔ جس میں خریدی ہوئی کتابوں کی مجموعی قیمت درج ہوگی

خریدار صاحبین کو چاہئے کہ وہ اس رسید کو اپنے پاس محفوظ رکھیں۔ جس وقت حسب صراحت بالا رقم معینہ کی تکمیل ہو جائے وہ رسیدیں منتظم مجلہ مکتبہ کے پاس بھیجدیں رسالہ ان کے نام جاری کر دیا جائے گا۔ رسیدیں دوسروں کے نام منتقل بھی ہو سکتی ہیں اس طرح کئی اشخاص مل کر بھی اس رعایت سے استفادہ کر سکتے ہیں

مکتبہ ابراہیمیہ امدادیہ سمی (محدود) حیدرآباد دکن

اغراض و مقاصد

دورِ عثمانی کا اولین علمی ادارہ مکتبہ ابراہیمیہ ہے جو ایک عرصہ سے بنائے ملک کی علمی و ادبی خدمت کر رہا ہے۔ ریاست ابد مدت میں عرف اسی کتبہ کو اولیت کا فخر حاصل ہے جس نے سب سے پہلے اردو زبان کی اشاعت و ترقی کی خاطر ملک میں اور بنائے علوم و فنون کی قدیم و جدید کتابوں کا بڑا کتب خانہ قائم کیا۔ یہ مکتبہ بھی اسی کا ایک حصہ ہے۔

مکتبہ کے زیر غور جو سکیم ہے اسکی تکمیل انفرادی قوت سے ناممکن تھی اسلئے انجمنہائے امدادیہ سمی کے تحت اس کی جڑ ہری ڈالی گئی تاکہ ملک کے مشترکہ سرمایہ سے اغراض و مقاصد ذیل کی تکمیل کیجائے۔

(۱) جملہ درسی کتب مجوزہ و سررشتہ تعلیمات سرکار عالی کا فراہم کرنا۔

(۲) ملک کی ضروریات کے لحاظ سے نصاب تعلیم کی کتابیں تیار کرا کے بک کمیٹی سررشتہ تعلیمات ملک سرکار عالی میں پیش کرنا۔

(۳) کتب درسی کے علاوہ دیگر ضروریات تعلیمی۔ مثلاً نقشہ جات۔ آلات سائنس و ڈوائنگ وغیرہ کی فراہمی۔

(۴) مصنفین و مولفین اور مترجمین کی امداد یعنی ان کی قابل اشاعت تصنیفات و تالیفات و تراجم کو باخذ حق تصنیف شائع کرنا۔

(۵) ہر علم و فن کی شائع شدہ مطبوعات اردو کی فراہمی۔

(۶) اردو کے علاوہ دیگر زبانوں مثلاً انگریزی فارسی عربی تلنگی مرہٹی اور کرنٹی کی مفید بکار آمد کتب کی فراہمی۔

مکتبہ کے تین شعبے ہیں

(۱) شعبہ تجارت۔ (۲) شعبہ اشاعت۔ (۳) شعبہ طباعت

(۱) شعبہ تجارت جسمیں مختلف علوم و فنون کی تمام اردو کتابوں کا وافر ذخیرہ موجود ہے اور ہر وقت اردو کی جدید مطبوعات جو ہندوستان میں شائع ہوا کرتی ہیں ان کو مہیا کرتا ہے نیز درسی کتابیں۔ آلات تعلیم۔ نقشہ جات۔ آلات سائنس بچوں اور عورتوں کے مذاق کی کتابیں۔ انعامی و کتب خانوں کے قابل کتابیں اردو کے مشہور علمی و ادبی ماہوار رسائل و اخبارات یہ سب چیزیں مکتبہ سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔

(۲) شعبہ اشاعت مختلف علوم و فنون کی کارآمد درسی و عام تعلیمی کتابیں شائع کر رہا ہے اسکی شائع کردہ [illegible] اور اسکی علمی و ادبی کتابیں تمام ہندوستان میں خراج تحسین حاصل کر رہی ہیں کتابوں کے علاوہ ایک علمی و ادبی [illegible]

(۳) شعبۂ طباعت اس شعبہ میں ہر قسم کی چھپائی سیاہ و رنگین وغیرہ بکفایت اور نہایت صحت و نفاست کے ساتھ کیجاتی ہے جن اغراض و مقاصد کیلئے قواعد انجمن ہذا مرتب ہوئے ہیں اور جس کی اشاعت کیلئے سرکار عالی مکتبہ کی رجسٹری کرائی گئی ہے وہ ملک کیلئے نہایت مفید و منفعت بخش خدمت ہے جس سے ریاست ابد قرار کی تعلیم و اشاعت علم و ادب کی اشاعت مضمر ہے۔

ہمیں علم دوست حضرات و بہی خواہان ملک سے امید ہے کہ وہ اس علمی ادارہ میں جس سے علمی خدمت کے ساتھ ساتھ مالی منفعت بھی حاصل ہوتی ہے شریک ہو کر کارپردازان انجمن کی حوصلہ افزائی فرمائینگے۔

انجمن ہذا کی مجلس انتظامی حسب ذیل ارکان پر مشتمل ہے

مجلس میر ۔ نواب بہادر یار جنگ بہادر جاگیردار

نائب مجلس ۔ سید غلام محی الدین صاحب قادری زور بی۔ ایچ۔ ڈی پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ ۔

اراکین ۔ محمد عبدالقادر صاحب سروری ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔

" ۔ سید محمد صاحب ایم۔ اے لیکچرار کلیہ عثمانیہ بلدہ

" ۔ محمد کریم اللہ خاں صاحب۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی لکچرار کلیہ عثمانیہ بلدہ

" ۔ محمد خواجہ احمد صاحب۔ ایم۔ اے۔ مہتمم نمائش گاہ باغ عامہ۔

" ۔ نظیر حسین شریف صاحب ناظر مدارس بلدہ

" ۔ غلام رسول صاحب مدرس کلیہ عثمانیہ بلدہ ۔

معتمد ۔ مظفر بیگ صاحب۔

اس انجمن کو اتحادی طور پر کام کرتے ہوئے یہ ساتواں سال ہے انجمن ہذا کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے حصہ داروں کو سالانہ ۱۲ فیصدی نفع تقسیم کرنے کے علاوہ ۲½ فیصدی زکوٰۃ نکالتی رہی ہے اور اس کو مستحقین کی امداد مثلاً اعانت طلبا نادار و بیوگان و یتامیٰ و معذورین و مساکین، سائرین وغیرہ میں صرف کرتی رہی ہے چنانچہ ابتداء سے اس وقت تک چھ سالیں تقریباً سوا تین ہزار روپے صرف ہو چکے ہیں۔

تقسیم زکوٰۃ کیلئے ایک علیحدہ مجلس ہے جس کے ارکان حسب ذیل ہیں:۔

(۱) حکیم بشیر احمد صاحب۔ (۲) قاضی محمد عبدالقادر صاحب صدیقی ایم۔ اے پروفیسر ریاضیات کلیہ جامعہ عثمانیہ

(۳) سید رسول صاحب وظیفہ یاب منتظم دفتر نظامت تعلیمات (۴) مرزا آغا عبدالحسین صاحب وظیفہ یاب مہتمم تعلیمات

(۵) سید پیر محمد صاحب وظیفہ یاب صیغہ دار محکمہ مالگذاری (۶) مظفر بیگ صاحب معتمد

اسوقت تک مکتبہ ابراہیمیہ مندرجہ ذیل مصنفین و مولفین کی تصانیف و تالیفات طبع و شائع کرچکا ہے

ڈاکٹر سید غلام محی الدین صاحب قادری پی۔ ایچ۔ ڈی ۔ میر حسن الدین صاحب بی۔ اے ۔ ایل ایل۔ بی غلام رسول صاحب محمد فاروق صاحب۔ بی۔ اے

۱	روح تنقید	۱۲ عہ	۱۷	مبادی فلسفہ	۱۳ر	۳۰	حمایت الحسن جماعت صغیر	۶ عہ	۴۲	انعامی تقریریں	۴ر
۲	تنقیدی مقالات	۴ ہے		نصیر الدین صاحب ہاشمی		۳۱	" " اول	۷ر	۴۸	حمید اللہ صاحب ایم۔ اے ۔ ایل ایل بی	
۳	اردو کے اسالیب بیاں	۴ عہ	۱۸	دکن میں اردو	۷ر	۳۲	" " دوم	۶ر	۴۹	نیلگری	۵ر
۴	سلطان محمود غزنوی کی بزم	۱۲ر		احمد عارف صاحب		۳۳	" " سوم	۱۲ر		عبد العزیز صاحب عزیز	
۵	اردو شہ پارے حصہ اول	۱۲ ہے	۱۹	خیابان اردو	۷ر	۳۴	" " چہارم	۱۴ر	۵۰	تنظیم الاخلاق	۱۳ر
	محمد عبد القادر صاحب سروری۔ ایم۔ اے			مرزا محمد بیگ صاحب تعلقدار		۳۵	جغرافیہ ریاست حیدرآباد	۱۲ر	۵۱	خزینہ اخلاق	۶ر
۶	دنیائے افسانہ	۴ عہ	۲۰	مقدمات عبدالحق حصہ اول	۷ر	۳۶	معلومات دینی حصہ اول	۶۲ر		محمد منیر الدین صاحب بی اے	
۷	کردار اور افسانہ	۴ عہ	۲۱	" " دوم	۷ر	۳۷	" " دوم	۶۴ر	۵۲	مکمل ہندسہ عملی	۴ عہ
۸	قدیم افسانے	۴ عہ		سید غلام مصطفےٰ صاحب ذہین			ابو الحسن محسن خاں صاحب متین		۵۳	حل پرچہ جات ریاضی	۴ عہ
۹	چینی و جاپانی افسانے	۴ عہ	۲۲	سعید فخر احمد صاحب		۳۸	قاعدہ فارسی	۶ر		غیاث الدین صاحب	
۱۰	انگریزی افسانے	۴ عہ	۲۳	جواہر کلیات نظیر	۴ عہ	۳۹	انوس فارسی اول	۸ر	۵۴	مغزانی گر	۲ر
۱۱	فرانسیسی افسانے	۴ عہ	۲۴	قاموس الاغلاط	۷ر	۴۰	" " دوم	۱۲ر		سید غلام مصطفےٰ صاحب ذہین	
	سید محمد صاحب۔ ایم۔ اے			بچوں کا قاعدہ	۳ر	۴۱	" " سوم	۱۴ر	۵۵	حدائق الاخلاق	۴ عہ
۱۲	ارباب نثر اردو	۷ر		سید احمد حسین صاحب شوکت بلگرامی		۴۲	" " چہارم	۴ عہ	۵۶	سبزہ مبارک	۲ر
۱۳	گلشن گفتار	۱۲ر	۲۵	مے و آتشہ	۴ عہ		سجاد حسین صاحب ایم۔ اے پرنسپل ٹریننگ کالج		۵۷	سبزہ خیر البشر	۱ر
۱۴	مثنویات میر			محمد ظہیر الدین صاحب بی اے		۴۳	بچوں کا جغرافیہ برائے جماعت دوم	۴ر	۵۸	نیک بی بی	۲ر
	احمد عبد اللہ صاحب مسیدی۔ بی اے ایل ایل بی		۲۶	محمود کا واں	۸	۴۴	" " سوم	۶ر	۵۹	چھوٹا شیطان	۱ر
۱۵	اسوۂ حسنہ	۱۲ر		محمد عبد الغفور صاحب عابدی			سید علی رضا صاحب شیرازی ماہر			مظفر الدین صاحب مدرس	
	شیخ عبد الحمید صاحب شوق بی۔ اے		۲۷	شاہ رفیع الدین قندہاری	۵ر	۴۵	مخزن القواعد	۱۲ر	۶۰	طریقہ املا نویسی	۱ر
۱۶	مبادی نفسیات	۸ عہ	۲۸	وصیت الامام	۴ر		سید انور حسین صاحب بی اے		۶۱	قواعد مضمون نویسی حصہ اول	۵ر
	متفرقات		۲۹	عقائد الامام	۴ر	۴۶	جبر و مقابلہ و مثلثیہ	۱۵ر	۶۲	" " دوم	۶ر
۶۷	تاریخ ہند	۷ر		حکیم شمس اللہ صاحب قادری			نبی الحسن صاحب شمیم			عبد الغفار صاحب فخر	
۶۸	اردو کے مروجہ تجی کا تختہ	۴ عہ	۶۶	آثار الکرام	۱۲ر عہ	۶۵	شعاع امید	۴ر	۶۳	شرح دروس فارسی حصہ اول	۶ر
۶۹	بالک پہاڑہ	۶ر							۶۴	شرح قاعدہ فارسی	۴ر

قواعد و ضوابط

(۱) مکتبہ کا مجوزہ سرمایہ ایک لاکھ روپے کے حسب ذیل حصوں پر مشتمل ہے۔

(الف) پچاس ہزار روپیہ کے پانچسو حصص بحساب فی حصہ ایک سو روپیہ۔

(ب) پچاس ہزار روپیہ کے دو ہزار حصص بحساب فی حصہ پچیس روپیہ۔

حصص فروخت شدہ۔ سرمایہ وصول شدہ۔ امداد محفوظ۔

(۲) ہر حصہ کی قیمت حسب ذیل مساوی اقساط میں ادا کرنی ہوگی۔

درخواست کیساتھ فیس داخلہ فی حصہ ۸ اور پہلی قسط بحساب ۲ روپے فی حصہ اور درخواست شرکت منظور ہونیکی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دوسری قسط اور اس کے بعد سے ماہانہ اقساط اسوقت تک مسلسل ادا کرتے ہونگے جب تک کہ کامل رقم حصہ یا حصص ادا نہ ہوجائے۔

(۳) اگر کوئی حصہ دار اپنے حصہ یا حصص کی کامل رقم یکمشت ادا کرنی چاہے تو ادا کرسکتا ہے تاریخ ادائی سے اس کو کامل رقم کا منافع ملیگا۔

معتمد مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی محدود اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

مجلّہ مکتبہ

یہ **دار الاشاعت** مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی محدود کا ماہوار رسالہ ہے یہ علمی و ادبی رسالہ ہے جس میں علم و ادب کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہونگے۔ حجم کم از کم چار جز ہوگا۔ بنظر احتیاط پرچہ رجسٹرڈ بک پوسٹ روانہ کیا جائیگا۔ اگر اتفاقاً وصول نہ ہو تو ۱۵ فصلی مہینے کی ۲۰ تاریخ تک بحوالہ نمبر خریداری اطلاع دی جائے۔

قیمت سالانہ للور مع محصول ڈاک پیشگی چھ ماہ کیلئے ۱ فی پرچہ ۲ اشتہارات کا نرخ فی اشاعت پورے صفحہ کیلئے ۵ نصف کیلئے ۳ اور چوتھائی کیلئے ۲ ہے اگر زیادہ مدت کیلئے اشتہار دیا جائے تو اس نرخ میں (۱۲½) فیصدی سے (۲۵) فیصدی تک کمی ہو سکے گی۔

ترسیل زر مضامین اور جملہ خط و کتابت منتظم مجلہ مکتبہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن سے کیجئے

باہتمام

محمد نظام الدین مدد گار منیجر مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس

مطبوعہ مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس حیدرآباد دکن

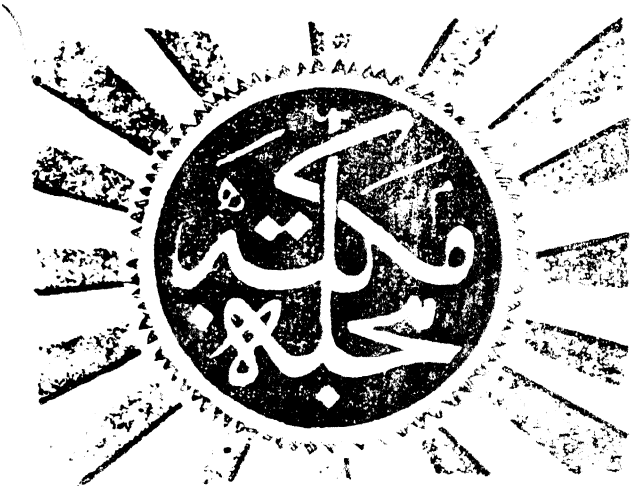
مكتبة محبة

دار الاشاعت

انجمن مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی محدود حیدرآباد دکن

کا

ماہوار

علمی و ادبی مجلہ

مکتبہ

مدیر عبد القادر سروری ام اے ال ال بی

جلد (۱۰)	آبان ۱۳۴۲ف	فہرست	ستمبر ۱۹۳۳ء	شمارہ (۶)

۱	حضرت ذہین مرحوم	مولوی ظفر یاب خاں صاحب	ج
۲	ہندوستان پر اسلامی اثرات	مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی	۱
۳	نوائے راز	ابوالفاضل راز صاحب چاندپوری	۸
۴	یاد ایام عشرت فانی	سید محمد حسن صاحب بی اے ایڈیٹر خزینہ تاریخ	۹
۵	نالہائے نیم شبی	جاذب صاحب دہلوی۔ بی اے	۱۷
۶	کلیوں کو دیکھکر	مرزا رضا علی بیگ صاحب (عثمانیہ)	۱۸
۷	گوئٹے کے مکتوبات محبت	مخدوم محی الدین صاحب (عثمانیہ)	۱۹
۸	نغمۂ ہند	یس۔ بی انتنا صاحب	۲۵
۹	پیغام	اختر حسن صاحب اختر	۲۷
۱۰	تنوع	کوکب صاحب شاہجہاں پوری	۳۳
۱۱	اچھی بات ہمیشہ بُری لگتی ہے	رکن الدین صاحب قریشی متعلم۔ ام۔ اے (عثمانیہ)	۳۴
۱۲	رُباعی	مرزا امجد حسین صاحب یگانہ لکھنوی	۳۷
۱۳	مے باقی	مولانا امانی صاحب	۳۸
۱۴	سعدی شیرازی	محمد خاں صاحب	۳۹
۱۵	پرواز تخیل	آغا محشر کاشمیری	۴۵
۱۶	ایک دلچسپ سفر	سکندر علی صاحب وجد	۴۶
۱۷	غزل	مصطفےٰ علی اکبر صاحب گرامی	۵۲
۱۸	تنقیدیں	----------	۵۳
۱۹	علمی خبریں	----------	۵۵

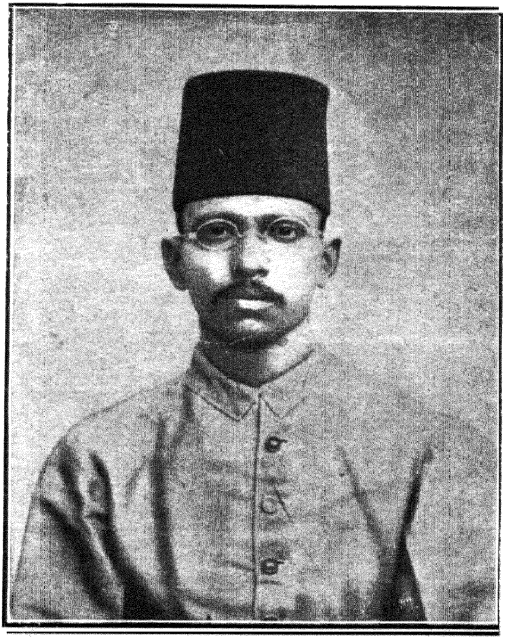

مولانا غلام مصطفےٰ صاحب ذہین (مرحوم)

حضرت ذہین مرحوم

بعض احباب کی فرمائش پر حضرت ذہین مرحوم کے مختصر حالات شہاب مطبوعہ شہر اورنگ آباد میں طبع ہو چکے ہیں۔ اب مجلۂ مکتبہ کی جانب سے بھی اس کے لئے اصرار ہوا ہے تنگیٔ وقت اور عدم فرصت کے باوجود اس کا اعادہ کیا جاتا ہے۔

مولوی سید غلام مصطفےٰ صاحب ذہین فدرتی طور پر نحیف و لاغر انسان تھے۔ تبخیر کی دیرینہ شکایت نے اس میں اور بھی اضافہ کر دیا تھا بالآخر وہ گھل گھل کر شت استخواں رہ گئے تھے انہیں کا مصرعہ انکے حب حال تھا۔

"ذہین خستہ شت استخواں ہے"

وہ ۱۲۹۹ھ میں بمقام بلدہ پیدا ہوئے۔ انکے والد ماجد مولوی سید ابراہیم صاحب عدالت العالیہ کے سررشتہ دار تھے ان کا خاندان ایک علمی اور مذہبی خاندان تھا جس کی زندہ یادگار انکے بڑے بھائی مولانا سید غلام نبی صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ ہیں۔ مشہور شیخ طریقت حضرت مسکین شاہ صاحب قدس سرہ العزیز انکے خالو تھے۔ نواب سناء الملک آقا سید علی شوستری اور علامہ ابوبکر بن شہاب سے فخر تلمذ رکھتے تھے۔ حیدرآباد کی مشہور درسگاہ دارالعلوم میں عربی اور فارسی کی تحصیل کی تھی آخری زمانۂ حیات میں انگریزی سیکھنے کا بھی شوق تھا جو علالت اور وفات سے کچھ دنوں قبل تک باقی رہا۔

بچپن میں نہایت ذہین واقع ہوئے تھے۔ دس بارہ سال کی عمر سے عربی۔ فارسی اور اردو میں مشق سخن شروع کی اور اس کو درجۂ کمال تک پہنچایا۔ اخلاقیات سے زیادہ دلچسپی رکھتے تھے اگرچہ کہ وہ تبخیر میں سالہا سال تک مبتلا رہے بایں ہمہ انکے ذوق علمی اور شاعری میں کچھ فرق نہیں آیا۔ تحقیق انکی گھٹی میں پڑی تھی۔ ایک ایک لفظ کے لئے وہ سنکڑہ کتابوں کی ورق گردانی کیا کرتے تھے اور تا وقتیکہ کامل تحقیق نہ ہو اس کا استعمال جائز نہیں رکھتے تھے۔ اسی احتیاط کا نتیجہ ہے کہ انکا کلام لغزشوں سے پاک اور بے عیب ہے۔

جیسا کہ انکے کلام سے ظاہر ہے وہ نہایت منکسر المزاج اور مجسمۂ اخلاق تھے۔ انسانی ہمدردی اور خلق اللہ کی حاجت روائی کا

تعلق انکے صفات خاص سے تھا ہر شخص کی داستان مصیبت سے متاثر ہو جاتے اور استطاعت سے بڑھکر اس کو دور کرنے کی فکر کرتے جس کی وجہ سے معقول آمدنی کے باوجود وہ تلاش رہا کرتے تھے وہ دماغی کام سے کبھی تھکتے نہ تھے اور روزانہ دس پندرہ گھنٹے مصروف رہا کرتے تھے۔ ملک کے بعض مشہور مصنفین کے کارنامے انکی دماغی کاوش کے رہین منت ہیں میرے ایک فاضل دوست انکی خرابی صحت کا تقابلہ انکی دماغی مصروفیت سے کرکے متعجب رہا کرتے اور فرماتے کہ یہ زندہ کیونکر ہیں۔

روزانہ دفتری مصروفیت اور اجرائی کام میں انہماک کے علاوہ وہ اپنے فطری ذوق کی تکمیل کے لئے جو وقت نکالا کرتے تھے اسکے نتائج حسب ذیل ہیں:۔

(۱) حدایق الاخلاق۔ ۱۵۲ صفحات کا مجموعہ ہے جس میں مختلف عنوانوں کے تحت ۲۲ نثری مضامین (۴۱) نظمیں ہیں ملک نے اس کی قدر کی اور سررشتہ تعلیمات سرکار عالی نے اس کو اسکول فائنل کے نصاب میں شریک اور سررشتہ تعلیم ممالک متحدہ نے انعام طلبا اور کتب خانوں کے لئے منظور فرمایا تھا۔

(۲) تہذیب الاطفال۔ (۹۰) صفحات کا مجموعہ ہے جس میں مختلف عنوانوں کے تحت بچوں کے لئے نتیجہ خیز اور دلچسپ منظوم حکایات ہیں اس رسالہ کو صدر مجلس انتخاب کتب سرکار عالی نے مدارس وسطانیہ کے کتب خانوں میں رکھنے اور مدارس تحتانیہ میں بطور انعام دینے کیلئے منتخب فرمایا

(۳) گلشن اطفال۔ یہ رسالہ نوآموز بچوں کے لئے لکھا گیا تھا اس میں جدید طرز کی (۳۴) نظمیں ہیں جو بچوں کے لئے پڑھنے کا پڑھانے کا کام دیتی ہیں

(۴) زن بدخو۔ ایک بدخصلت اور غیر تعلیمیافتہ بیوی کی وجہ سے گھر میں جو مصیبت نازل ہوتی اور دنیاوی زندگی کا اسکا اظہار نہایت دلکش پیرایہ میں کیا گیا ہے

(۵) زن نیکخو۔ بدخصلت عورت کے مقابلہ میں ایک نیک سیرت اور تعلیمیافتہ بیوی کے قدم کی برکت سے جن برکات کا نزول ہوتا ہے اس کو نہایت عمدہ طریقہ سے ظاہر کیا گیا ہے۔

(۶) سیرت خیرالبشر۔ یہ ۸ صفحوں کا مختصر رسالہ ہے اس میں ان بعض مشہور احادیث کو نظم کیا گیا ہے جنکا تعلق سیرت مبارک سے ہے

(۷) نیک بیٹی۔ ستتر (۷۷) اشعار کی ایک اخلاقی نظم ہے جو بچیوں کے لئے بیحد مفید ہے۔

(۸) موعظت صالحات: ۱۰ صفحات کی ایک مختصر کتاب ہے جس میں عورتوں اور لڑکیوں کیلئے مختلف قسم کے عنوانات پر چند حسین نظمیں مدرج ہیں۔

(۹) سیرت مبارک حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر سوانح عمری۔

(۱۰) چھوٹا شیطان۔ شیطان اور ایک بیوقوف شخص کا نہایت مزیدار اور پر لطف منظوم قصہ۔

(۱۱) باغ و باغ۔ حصہ اول و دوم۔ عالم طفلی کے مشرقی اور مغربی طرز ادب کا مکمل نمونہ یعنی بچوں کے درس و تدریس کے لائق مجید دلکش اور پاکیزہ اخلاقی نظمیں، نظم کی طرح وہ نثر پر بھی قدرت رکھتے تھے یادِ رفتگاں کے تحت لکھتے ہیں۔

"اے عدم کے رہنے والے نیک نہاد لوگو! اگرچہ دنیا میں تم اب نظر نہیں آتے اور سفرِ آخرت کیے تم کو مدتیں گذر چکیں لیکن اپنے بعد دنیا میں تم اپنے مہتمم الشان ایسے کارنامے چھوڑ گئے ہو کہ دنیا تم کو یاد کرتی رہتی ہے" موت پر اس طرح اظہار خیال کیا گیا ہے۔

ہر مذہب کی ہدایت ہے کہ نیکی کرو، نیکی دین و دنیا میں کام آئیگی اور ہر شخص یقین کرتا ہے کہ موت سے کسی کو رستگاری نہیں اس پر بھی لوگ ہیں کہ بدی کیے جاتے ہیں اور موت سے غافل رہتے ہیں کون جان سکتا ہے کہ اسکی موت کب آئیگی۔ بچے تو بے شعور ہوتے ہیں، رہے جوان اور بوڑھے، جوان کو بوڑھے دیکھکر نیکی، تو بوڑھوں کو کچھ دنوں اور جینے کی آرزو ہوتی ہے۔ اگر عقل سلیم رہبری نہ کرے تو نہ جوان مرنے تک زادِ آخرت مہیا کر سکتے ہیں نہ بوڑھے۔ جب موت آجاتی ہے تو کوئی طاقت اس کو روک نہیں سکتی۔ پھر نیکی کرنے کی مہلت کہاں اس حسرت کے ساتھ دم ٹوٹتا ہے کہ افسوس ہم نے کچھ نہ کیا"

حضرت غالب کی خصوصیات شاعری پر ایک مضمون میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اس زمانہ کی شاعری میں معشوق کے جتنے نام تھے صنم، قمر، پری رو، مہرو، گلرو، مری جاں، اے ماہ، اے گل، اے بت، عیاں، رشک مسیحا، غیرت گل، رشک پری، روکش حور وغیرہ غالب نے سب ترک کر دئے انہیں گوارا نہ ہوا کہ وہ الفاظ جو مبتذل ہو چکے ہیں میرے قلم سے بھی نکلیں اسی طرح ہر ایک معمولی و مبتذل ترکیب جو فارسی سے اردو میں شعرائے قدیم نے لے لی تھی انہوں نے ترک کر دی گویا شعر کی زبان ہی نئی بنالی۔ ہر لفظ میں جدت اور ہر ترکیب میں ندرت پیدا کر دی۔ اسکے علاوہ معنی کی نزاکتیں مرزا بیدل کے رنگ میں ڈوب کر فارسی ترکیبوں کے ساتھ دست و گریباں کر دیں کہ اردو میں کبھی کسی نے نہ سنی ہونگی۔ پھر زبان کے مزے کو بھی نہ جھوڑا جہاں صاف کہا ہے قلم توڑ دیا ہے

نثر کے بعد تھوڑا سا نظم کا نمونہ بھی ملاحظہ ہو۔ جو رشکم کی نسبت حضرت سعدی رحمتہ اللہ علیہ کا قطعہ ذیل نہایت مشہور ہے۔

گوش تو اند کہ ہمہ عمر وی　　نشود آواز دف و چنگ و نے　　دیدہ تنگیدہ زتماشائے باغ　　بے گل و نسریں سبر آرد و ماغ
ورنہ بود ہائش آگندہ پر　　خواب تواں کرد چو زیر سر نہ گرنہ بود وبہم خوابہ پیش　　دست تواں کرد بہ آغوش خویش

ایں شکم بے ہنر دریچ پیچ　　صبر ندارد کہ بسازد بہ ہیچ

حضرت ذہین نے اس کو اردو قالب میں اس طرح ڈھالا ہے۔

کان کو ممکن ہے کہ ہم رکھیں ساز　　تا نہ سنیں نغمہ رجا سوز چنگ　　سہل ہے آنکھوں کو کریں نیم باز　　دیکھیں نہ وہ سوئے رخ لالہ رنگ

سو رہیں بستر کی جگہ خاک پر ؛ گو نہ ہو بابس کے لئے خشت و سنگ ؛ سونگھیں نہ بوئے گل زر کبھی ؛ آنے نہ دیں دل میں خوشی کی ترنگ
رو کے رہیں ہاتھ کو افلاس میں ؛ پاؤں نہ پھیلائیں اگر جا ہو تنگ ؛ دل پہ رکھیں صبر کی سل جبر سے ؛ سمجھیں قلب کو سبب عار و ننگ
سب یہ ہے آساں مگر کیا کریں ؛ جو شکم سے ہیں نہایت ہی تنگ ؛ یہ تو کسی طور سے بھرتا نہیں ؛ یہ نہیں دیتا جو کہیں اس پہ سنگ
اس کو بھی اژدر کا وہن جانئے ؛ مانئے بس سگ بھی کام نہنگ ؛ کھاتے ہیں غم ہم ہیں کھاتا ہے پیٹ ؛ اسکے تو کھانے نے کیا ہم کو دنگ
کھا گیا اب تک یہ منوں ہی اناج ؛ پی گیا اب تک تو یہ دریائے گنگ ؛ مار ہی ڈالیگا ہمیں ہے یہ مار ؛ پھاڑ ہی کھائیگا ہمیں یہ پلنگ
یوں تو یہ آفت ہے تجرد میں بھی ؛ اس پہ تعلق نے جمایا ہے رنگ ؛ مکر و دغا سو جب تذلیل ہے ؛ دل میں رہی جاتی ہے دل کی امنگ
چاہیے صبر اور قناعت کریں ؛ ہیں یہی دنیا میں پہنچے کے ڈھنگ ؛ پھول یہ سعدی کی گلستاں کے ہیں ؛ ہم نے دہن ان کا جمایا ہے رنگ

نفع رسانی کے تحت فرماتے ہیں ۔

ہو کوئی گرفتلائے درد و غم ؛ اور آڑے آسکیں اسکے نہ ہم ؛ یا نہو زور حکومت اس قدر ؛ لوگ ہوں جس کے سبب بہرہ ور
یا نہیں تو اس طرح کا مالدار ؛ مستمندوں کا جو ہو حاجت برآر ؛ یا نہیں تو متقی و پارسا ؛ جس کو بھجے خلق اپنا رہنما
یا نہیں تو عالم فرخندہ فال ؛ جاہلوں کی جس سے ہو اصلاح حال ؛ پھر نہیں ہو تیری اچھی زندگی ؛ موت سے بدتر ہے تیری زندگی

نفع لوگوں کو جو پہنچائے ذہیں ؛ ہے وہ بے شک قابل صد آفریں

زمانہ سازی کے تحت کہتے ہیں ۔

کسی کو ہو یہ کفایت کہ بخت ہو نا ساز ؛ فلک کے حق میں کسی کی زباں کو دراز ؛ وہ لوگ کم ہیں کہ ہو جن کو صبر کی عادت ؛ مصیبتوں میں رہیں کارساز و بنت سے باز
ہیں بلکہ اب تو کچھ اکثر اسی خیال کے لوگ ؛ تمام فعل شنیعہ کو دیں جو حکم جواز ؛ جو اپنی عقل و فراست پہ ناز کرتے ہیں ؛ جدا ہی انکا رہ راستی سے ہر انداز
نکالا کرتے ہیں جو لوگ کر و زور سی کام ؛ سمجھے لگتے ہیں وہ آپکو زمانہ ساز ؛ کچھ ایسے کاذب و مکار چلتے پرزے ہیں ؛ کہ خیر و شر کو بنا لیتے ہیں نشیب و فراز
سمجھتے ہیں وہ یہ معنی زمانہ سازی کے ؛ کریں کسی کی خوشامد کہیں نہیں غماز ؛ بڑوں پہ عمل کر کے پھر یہ کہتے ہیں ؛ زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ساز
جو لوگ ایسے ہیں سر خرد نہیں ہوتے ؛ بڑا ہو انکا جو کرتے ہیں اس بڑائی پہ ناز ؛ مصیبتوں میں جو رہتے ہیں صابر و شاکر ؛ وہی ہیں لائق تکریم و قابل اعزاز

"راز ترقی" یوں ظاہر کرتے ہیں ۔

جو انقلاب سے ہو تا زمانہ عبرت گیر ؛ تو ہر طرف نظر آتی عروج کی تصویر ؛ زوال کا سبب اہل خوال گر سمجھیں ؛ سمجھ میں آئے اسی دم عروج کی تدبیر
تعصب اور حسد موجب تنزل ہے ؛ تباہ کاروں کی پیش نظر ہی اسکی نظیر ؛ عمل جہاں میں ہے خلاف پیمانوں کا ؛ گریدوں کو ہے وضع مالکدر خلاف ضمیر

ہمیشہ اپنے خیالوں میں مست رہتی ہیں　　کمند حرص ہوا و ہوس میں ہیں جو اسیر
دماغ بیہدہ بختی کا کیمیا ہے نام　　فضول کام میں بیکار ہوتی ہے تدبیر
یہ شرط ہے کہ کریں سعی تا کہ ہو معلوم　　کہ مالیشار میں کیا ہے نوشتۂ تقدیر
مفید کام میں محنت کو عیب جو سمجھیں　　انہیں کی ہوتی ہے آخر میں لعنت و تحقیر
جو عقلمند ہیں موقع پہ کرتے ہیں کوشش　　ہو سادہ لوحوں پہ کیا انقلاب کی تاثیر
کمال ہو تو کمال انکسار بھی ہو ساتھ　　اگر ہو خلق تو پھر خلق ہو سکے تسخیر
ذہین ہوتے ہیں وہ کامیاب مقصد میں　　جو نیک کام میں کرتے ہیں کوشش و تدبیر

حضرت ذہین کو چھ غزل میں قدم بھی رکھتے تھے تو اپنی واعظانہ اور ناصحانہ شان کو ہاتھ سے نہ دیتے تھے ذیل کا انتخاب ملاحظہ طلب ہے۔

(۱) ہیہم جفائے دہر سے جا کر کہاں رہے　　ہیں آفتیں جہان کی انسان جہاں رہے
ہے یہ مثل کہ جان اگر ہی تو ہے جہاں　　کیوں غم جہاں کا باعث آزار جان رہے
دور نگی جہاں میں رہا ایک سا نہ حال　　غمگین کبھی رہے تو کبھی شادماں رہے
اسکندر اب نہ جم ہے نہ آئینہ ہے نہ جام　　نامی رہے جہاں میں نہ انکے نشان ہے
(۲) ہر دعوئی حق بینی اللہ رے بیباکی　　جرات تو کوئی دیکھے اس دیدۂ بینا کی
دنیا کے مشاغل میں کب تک یہ عرق ریزی　　فکر زر و گوہر میں تا کے یہ ہوسنا کی
سینہ ہے کہ مشرق ہے خورشید ہی یا دل ہے　　تنویر کوئی دیکھے اس قلب صفا کی
کیا وصف اضافی ہو مثل ہنر ذاتی　　اولاد کو حاصل کیا تو قیر سے آبا کی
عقبیٰ کا خیال انکو ہوتا ہی نہیں کچھ بھی　　مشغول ہیں جو دایم تدبیر میں دنیا کی
(۳) کمال ذات انسانی تو اے انساں پیدا کر　　ملک تیری کریں تعریف ایسی شان پیدا کر
کرے جو امتیاز نیک و بد وہ آنکھ کر پیدا　　جو سن لیتے ہیں اچھی بات کو وہ کان پیدا کر
مبارک زندگی وہ ہے جو نیکی میں گزر جائے　　فساد و فتنہ دنیا میں نہ اے نادان پیدا کر
قناعت تیرے دل کو خواہشوں سے پاک کر دیگی　　مگر پہلے تو اپنے دل میں ایمان پیدا کر

جہاں ہو ذکر تیرا سب کریں تعریف ہی تیری جہاں میں نیکنامی ہی کو تا امکاں پہنچا کر
اگر کچھ ہے تو دنیا ہی میں لطف و عیش دنیا ہے ترے واریں میں کام آئے وہ سامان پیدا کر

حضرت ذہین کے کلام کی نسبت شاہیر قوم کی ایک دو رائیں درج کی جاتی ہیں جس سے انکے کلام کی اہمیت کا اندازہ ہوسکے گا علامہ علی حیدر طباطبائی مرحوم فرماتے ہیں۔ "ذہین صاحب نے اخلاق و حکم کے مضامین لکھنے میں اپنی عمر صرف کی ان نظموں پر ہندوستان کے ادبی رسالوں کی تحسین کے علاوہ اکثر صلے ملے کہ یہ پرگو شاعر ہیں اردو کے نکات اور زبان کے محاورات سے خوب واقف ہیں۔

فخر قوم مولوی محمد عبدالرحمن خاں صاحب پرنسپل جامعہ عثمانیہ کی رائے ہے کہ ذہین صاحب کا کلام سراسر اخلاق بلکہ مکارم اخلاق سے بھرا ہوا ہے۔ انکے مضامین نظم و نثر ہندو دکن کے تقریباً کل رسائل میں طبع ہوا کرتے ہیں یہ کہنہ مشق اور واقف فن شاعر ہیں۔ عربی فارسی میں کافی استعداد رکھتے ہیں"

افسوس ہے کہ ایسے ملکوتی صفات شاعر اور نیک نہاد فرد قوم نے جس کے دل و دماغ اور دست و پا ہمیشہ افراد قوم کی بہبودی کے لئے وقف تھے قبل از وقت (۵۰) سال کی عمر میں ۱۲ شعبان المعظم ۱۳۴۹ھ بروز جمعہ داعی اجل کو لبیک کہہ کر دنیا اور مصائب دنیا سے نجات پائی اور احاطہ شاہ میر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں سپرد خاک کئے گئے۔ حضرت امجد مجد کی تاریخ وفات لوح مزار پر ہے۔

غلام شفیع الورا مصطفےٰ
سفر کرد سوے جناں از جہاں
دوئی بر طرف گل فشاں از خدا
بہ قبر ذہین فصیح البیاں

۱۲ ۴۹ھ

"فکر دنیا سے گئے عمر وہ یاشاد رہو ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو"

سالنامہ مکتبہ ۱۳۴۳ف تیار ہو چکا ہے ارکاٹ بھیجکر مفت طلب کیجئے
دارالاشاعت مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد

ہندوستان پر اسلامی اثرات

(۱۰)

نصیر الدین صاحب ہاشمی حیدرآبادی مؤلف یورپ میں دکھنی مخطوطات وغیرہ

(۳)

تمدنی اثرات گذشتہ نمبروں میں ہم مذہبی اور اخلاقی اثرات کا ذکر کر چکے ہیں۔ اب ہم تمدنی اثرات کو پیش کرتے ہیں۔

ہندوستان کے تمدن کے متعلق بابر نے اپنی توزک بابری میں جو صراحت کی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

"ہندوستان میں اچھے گھوڑے نہیں ہوتے اچھا گوشت نہیں ملتا انگور نہیں خربوزہ نہیں۔ برف نہیں۔ آب سرد نہیں مدرسہ نہیں شمع نہیں شمع دان نہیں اس کے بجائے دیوٹ ہوتا ہے۔ باغوں اور عمارتوں میں آب رواں نہیں۔ عمارتوں میں نہ صفائی ہے اور نہ موزونی نہ ہوا نہ تناسب عام آدمی ننگے پاؤں ایک لنگوٹی لگائے پھرتے ہیں عورتیں لنگی باندھتی ہیں جس کا آدھا حصہ کمر سے لپیٹتی اور آدھا سر پر ڈالتی ہیں"۔

مغلوں کے ابتدائی زمانہ میں شمالی ہند کی یہ حالت تھی جس کا نقشہ بابر نے کھینچا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ہندوستان اپنے تمدن کے لحاظ سے کتنا پست تھا۔

مسلمانوں نے جس حصہ ملک پر قدم رکھا وہاں اپنے فیض کا چشمہ جاری کر دیا۔ سندھ کی اسلامی حکومت کے متعلق ایک عربی مورخ بیان کرتا ہے "سندھ عرب آبادی کی وجہ سے بالکل شام کا ایک نمونہ نظر آتا ہے۔ عربی وضع قطع جو دمشق میں رائج ہوتی ہے وہ منصورہ دارالحکومت سندھ میں بھی فوراً آجاتی ہے اور مذہبی حلقہ ہائے درس سندھ میں بھی اسی طرح جاری ہیں جس طرح اور دنیائے اسلام میں۔ چنانچہ دوسری صدی ہجری کے نامور محدثین میں ابو معشر السندھی کا نام ممتاز طور پر نظر آتا ہے ابو عطا سندھی نامور عربی شاعر ہے۔ اور یہی اثر یہاں کے باشندوں پر پڑ رہا ہے۔"

اب ہم تفصیل کے ساتھ تمدنی اثر کو بیان کرتے ہیں۔ تمدن کے لوازم میں سب سے بڑی چیز علم ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے اسی کی صراحت ضروری ہے۔

علم مسلمانوں سے پہلے علم و فن پر برہمن قابض تھے اور کسی دوسرے کو اس سے مستفید نہ ہونے دیتے تھے۔ عام طور سے تمام ہندو جاہل رہا کرتے جن علوم میں برہمنوں نے اپنے زمانہ میں ترقی کی تھی یعنی طب۔ ریاضی اور نجوم ان میں بھی جمود کی حالت تھی کوئی ترقی نہیں ہو رہی تھی۔

مسلمانوں نے نہ صرف یہ کیا کہ تعلیم عام کر کے گھر گھر علم کی روشنی پہونچا دی بلکہ یہاں کے قدیم علوم کو جلا دیکر اس کو کار آمد بنا دیا۔ مسلمانوں سے پہلے ہندوستان میں کوئی مدرسہ یا کالج نہیں تھا۔ برہمن اپنے اپنے مکانوں میں اپنے چیلوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ اسلامی سلطنتوں کے باعث یہاں مدرسے اور کالج قائم ہوئے اور عام طور سے اہل ہند مستفید ہونے لگے۔ گو یہ صحیح ہے کہ یہاں بغداد یا نیشاپور کی طرح کوئی عظیم الشان کالج قائم نہیں ہوا مگر بیدر کا مدرسہ محمود گاواں کچھ کم نامور نہیں تھا۔ مغلیہ دور میں ہندوستان کے ہر ہر گاؤں میں مدرسہ قائم ہو گئے تھے طلبا اور مدرسین کو یومیہ یعنی روزینے مقرر تھے۔ عالمگیر کے زمانہ کا ایک یورپین سیاح ہملٹن صرف ایک مقام ٹھٹھہ کے متعلق لکھتا ہے کہ وہاں چار سو مدارس تھے ایک ہندو مورخ گبن اسی کی تاریخ سے حسب ذیل صراحت کرتا ہے۔

گبن اپنی تاریخ مغل امپائر میں اورنگ زیب کے تعلیمی اعمال کی اس طرح تشریح کرتے ہیں۔ اورنگ زیب نے تخت نشینی موقوف کر دیں۔ اہل زراعت کی ہمت افزائی کی لاتعداد کالج اور اسکول قائم کئے منظم طریقہ سے ٹیکس اور پل بنوائے ان تعلیمی مرکزوں کا آج کل کوئی نشان نظر نہیں آتا۔"

مسلمانوں نے سنسکرت زبان میں بدطولیٰ حاصل کیا اور ہندی علوم کو جلا دی۔ ابو معشر فلکی دس سال تک

سنسکرت حاصل کرتا رہا۔ ابوریحان بیرونی نے سولہ سال میں سنسکرت میں کمال پیدا کیا اور ہندی علوم پر مبسوط کتابیں لکھیں ابوالفضل اور فیضی وغیرہ کی سنسکرت دانی مشہور ہے سلطان زین العابدین والی کشمیر، فیروز متعلق۔ اکبر اعظم وغیرہ نے سنسکرت کتابوں کے ترجمے عربی اور فارسی میں کرائے۔ ہمارے بادشاہوں کے دربار میں جہاں مسلمان علما اور شعرا جمع ہوتے تھے وہاں ہندو شاعر اور پنڈت بھی نظر آتے تھے فرانس کا مشہور مورخ موسیو لیبان جس کی کتاب تمدن ہند ہمیشہ مشہور رہیگی اپنی کتاب میں لکھتا ہے "ان بادشاہوں (مسلمان) کی سولہ عمریوں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ علوم اور ادب کے اعلیٰ درجہ کے سرپرست تھے۔ علما اور فضلا نہ صرف بڑے بڑے شہروں اور دارالحکومتوں میں تھے بلکہ تمام ملک میں پھیلے ہوئے تھے" آگے چل کر یہی مورخ کہتا ہے "دیگر سلاطین اسلام کی طرح مغل بادشاہوں کو بھی ادب اور علوم و فنون کا شوق تھا صناع، علما اور شعرا کسی طبقے اور کسی فرقے کے کیوں نہ ہوں وہ دربار میں باریاب ہو جاتے تھے"

غرض کے مسلمانوں نے کبھی کسی شخص کو علوم و فنون سیکھنے سے نہیں روکا بلکہ کوشش کی کہ دوسرے لوگ علوم و فنون کے زیور سے آراستہ ہوں مسلمانوں ہی کی وجہ سے ہندوستان میں فن تاریخ کا رواج ہوا۔ ان کے پہلے یہ علم ہندوستان میں نہیں تھا۔

صنعت و حرفت

صنعتی و حرفتی اثرات بھی بہت زیادہ ہیں۔ اہل ہند ہمیشہ سے موٹا اور سادہ لباس پہنتے تھے جس کے باعث صنعت پارچہ بافی میں کوئی ترقی نہیں ہوئی تھی مسلمانوں نے اس صنعت کو خاص ترقی دی۔ دہلی۔ لاہور۔ آگرہ فتح پور۔ احمد آباد۔ اورنگ آباد۔ پٹن۔ ورنگل۔ وغیرہ مقامات میں پارچہ بافی کے بڑے بڑے کارخانے قائم کئے گئے۔ ایران اور چین سے کاریگر بلا کر ہر قسم کا کپڑا یہاں تیار کرایا گیا۔ کپڑوں کے اقسام اور ان کی کثرت اس سے معلوم ہو سکتی ہے کہ چوبیس قسم کے صرف ریشمی کپڑے تیار ہوتے تھے۔ تیس سے زیادہ قسم کے سوتی کپڑے تھے جن کی تفصیل ابوالفضل نے کی ہے۔ ہملٹن اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے۔ ہندوستان میں عمدہ سے عمدہ کپڑا ایسا بکثرت ملتا ہے جس کی مثال یورپ میں ملنی دشوار ہے یہاں روئی کا کپڑا نہایت باریک اور بہت ملائم ہوتا ہے"

سوتی اور ریشمی کپڑوں کی طرح اونی کپڑے بھی تیار ہوتے تھے کشمیر اور لاہور میں ہزار سے زیادہ کارخانے تھے لوہے سے صدہا اشیاء بنتی تھیں لکڑی سے سیکڑوں چیزیں بنائی جاتی تھیں۔ شکر یہاں جا بجا تیار ہوتی تھی۔ کاغذ نہایت نفیس بنتا اور ایسا مضبوط اور نفیس ہوتا تھا کہ آج تک اس کی مضبوطی اور نفاست میں فرق نہیں آیا ہے۔ چمڑے کی دباغت کے ہزاروں کارخانے تھے اچھے سے اچھا چمڑا تیار ہوتا تھا۔

کان سے قیمتی پتھر برآمد کیا جاتا اور اس کو نہایت صفائی سے تراشا جاتا ہیرے کی کان اور اس کے تراشنے کے لئے گولکنڈہ دنیا بھر میں مشہور و معروف تھا معدن سے چاندی اور سونا برآمد ہوتا اور ان سے بیکڑوں زیور اور آرائش کی چیزیں بنائی جاتی تھیں۔

مسلمانوں کے زمانہ میں ہندوستان میں نئی نئی ایجادیں ہوئیں ۱۹۹۱ھ میں امیر فتح اللہ شیرازی نے ایک چکی بنائی تھی جو ہوا اور پانی کے بغیر خود بخود چلتی تھی اکبر ہی کے زمانہ میں ایک سترہ نال کی توپ تیار ہوئی تھی اور ایک ہی ساتھ سترہ فیر ہوتے تھے ایک توپ ایسی تھی جو علیحدہ علیحدہ کر دی جاتی اور ضرورت کے وقت ملا کر ایک توپ بنا دی جاتی۔ اس زمانہ میں رات کو کھیلنے کے لئے ایسے گیند تیار کئے گئے تھے جو رات کے وقت شعلہ کی طرح روشن نظر آتے تھے۔

غرض ضرورت اور آرائش کی سینکڑوں چیزیں مسلمانوں نے بنائیں جن سے اہل ہند مطلق ناواقف تھے اور ان چیزوں کے باعث اُس وقت ہندوستان تمام دنیا میں شہرت رکھتا تھا۔

زراعت اور پھل ہندوستان کی زمین زرعی ہے مگر مسلمانوں کے پہلے یہاں کی پیداوار نہایت پست حالت میں تھی۔ نہ تو زراعت میں کثرت تھی اور نہ میوہ جات میں۔ ہندوستان کے میوہ میں صرف بیتا پھل۔ تخمی آم۔ جام وغیرہ ہوتے تھے مسلمانوں نے ہی ایران اور خراسان سے پھل اور پھول کے درخت لاکر تمام ہندوستان میں پھیلا دئے۔ قلم اور پیوند سے ہندو مطلقاً ناواقف تھے۔ سب سے پہلے اکبر کے زمانہ میں محمد قلی قتار نے شاہ آلو منگوا کر پیوند لگایا اسی عہد میں یورپ سے بھی میوہ دار درخت طلب ہوئے تھے چنانچہ انناس اسی زمانہ میں آیا مقلا اسی طرح خربوزہ تربوز شفتالو۔ بادام۔ پستہ۔ انار وغیرہ کے درخت یہاں لائے گئے۔ اقسام کے میوہ جات کے علاوہ قسم قسم کے پھولوں کے درخت بھی ایران سے طلب کئے گئے۔ جس کے باعث ہندوستان ایران کا چمن زار بن گیا۔ یہی نہیں بلکہ چمن بندی۔ خیاباں۔ جدول تختہ بندی وغیرہ کے نام سے کوئی ہندو مالی واقف نہیں تھا مسلمانوں کے باعث اس کا وجود ہوا۔ اسی کے ساتھ کہاد مصالح سے بھی آشنا کیا گیا اور بروقت داشت ہونے سے ہر قسم کی پیداوار میں کثرت ہونے لگی۔

تجارت ہندو مذہب میں سمندر پار جانے کی سخت ممانعت تھی جس کے باعث یہاں کی تجارت نہایت پست حالت میں تھی نہایت قدیم زمانہ سے عرب اس پر قابض تھے اسلام کے پہلے اور پھر اسلام کے بعد ان کے تعلقات مستحکم ہوتے گئے ان ہی مسلمانوں کے باعث تجارت میں ترقی ہوئی۔ ہندوستان کی پیداوار باہر جانے لگی و باہر کا مال کی درآمد ہونے لگی تجارت کے باعث ساحل سمندر کی آبادیوں میں اضافہ ہونے لگا اور بیسیوں بارونق شہر آباد ہو گئے

مسلمان مورخ اور اسلامی سیاح اس امر کا پورا مواد پیش کرتے ہیں جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے باعث ہندوستان کی تجارت کو کس طرح فروغ ہوا تھا۔ باہر کی دولت سے کس طرح ہندوستان مالدار ہو گیا تھا۔

افزائش نسل حیوانات ہندوستانی پیداوار میں حیوانات کی بھی کمی نہ تھی۔ اونٹ یہاں نہیں تھے عمدہ گھوڑے میسر نہیں ہوتے تھے خچر بالکل نابود تھے اکبر کے زمانہ میں اونٹ کی عمدہ نسلیں تیار ہوئیں۔ اور ان کی اتنی کثرت اسی زمانہ میں ہو گئی تھی کہ بقول ابوالفضل ایک ایک شخص کے پاس دس دس ہزار اونٹ تھے عراق عرب۔ روم۔ ترکستان بدخشاں نسبت سے گھوڑے لائے گئے۔ اور ان کی نسلیں تیار کی گئیں۔ مسلمانوں نے ہی جنگلی جانوروں کو تہذیب دیکر ان کو انسانوں سے مانوس کر دیا تھا۔ چیتے اور بور بچے کتوں اور بلیوں کی طرح رہتے تھے اور اشاروں پر احکام بجالاتے تھے۔ چنانچہ جہانگیر اپنی خود نوشتہ سوانح تزک جہانگیری میں لکھتا ہے کہ میرے زمانہ میں صحرائی جانور اس قدر رام ہو گئے ہیں کہ شیر اور چیتے قطار در قطار بے قید و زنجیر شہر میں پھرتے ہیں اور کسی کو نقصان نہیں پہونچاتے۔

اثرات تعمیر مسلمانوں کے تعمیری اثرات بھی عظیم الشان ہیں ایک تو وہ جو رفاہ عام کی غرض سے ہوئے اور دوسرے وہ عالیشان عمارتیں جو آج تک موجود اور اپنے بانیوں کی یاد کو تازہ کرتی ہیں جن کی وجہ سے ہندوستان تمام دنیا میں مشہور ہے۔

شیر شاہ سوری کے زمانہ میں بنگالہ سے لاہور تک پختہ سڑک بنائی گئی اور اس کے دونوں طرف سایہ دار درخت لگائے گئے راستہ میں مسافر خانے اور سرائیں تعمیر کیگئیں جہاں بلا امتیاز مذہب و ملت ہر شخص کو کھانا ملا کرتا تھا۔ مغلیہ دور حکومت میں تمام ملک میں راستے۔ پل تالاب۔ مسافر خانے بنائے گئے۔ ایک ایک کوس پر نشان کا پتھر نصب کیا گیا تھا۔ دو میل پر ایک ایک کنواں بنایا گیا اور چار چار میل پر سرائیں تعمیر ہوئیں۔ راستوں پر امن تھا جس کے باعث دور دور کی چیزیں بلا خوف ہندوستان میں آتی تھیں۔ خود جہانگیر کو حیرت ہوئی تھی جب کہ اس کے دسترخوان پر ایران کابل۔ بدخشاں سمرقند اور یورپ کے تازہ میوے ایک ساتھ چنے گئے تھے۔

اسلامی طرز تعمیر ہند و طرز تعمیر سے بالکل جداگانہ تھی مسلمانوں کی بود و باش نے دونوں طرز کی تعمیروں کو ایک جگہ جمع کر دیا اس کے باعث ایک جدید طرز تعمیر کا آغاز ہوا جس میں دونوں طرز شامل تھے۔ وسیع دالان اور شاندار نشستیں کا مسلمانوں کی بدولت یہاں رواج ہوا۔

مسلمانوں نے اپنی یادگار جو عمارتیں ہندوستان میں تعمیر کیں وہ آج بھی موجود ہیں جن کی خوبصورتی نفاست

پائیداری اور مضبوطی اپنے بانیوں کی یاد کو تازہ کرتی ہے وہ ہندوستان کا کونسا شہر ہے جہاں اسلامی یادگاریاں کے نشانات نہیں دہلی۔ آگرہ۔ لاہور فتح پور۔ لکھنو۔ بیجاپور۔ احمد نگر وغیرہ مقامات ایسے ہیں جہاں آج تک اسلامی تعمیرات کے نمونے اپنے بانیوں کی یاد کے لئے کافی سے زیادہ سامان رکھتے ہیں۔

موسیقی و مصوری موسیقی اور مصوری میں ہندوستان مشہور تھا مسلمانوں کو گو ابتدا میں ان فنون سے کوئی سروکار نہیں تھا مگر جب انھوں نے ان فنون میں ہاتھ ڈالا تو پھر چار چاند لگا دئے مسلمانوں میں بہتر سے بہتر مصور پیدا ہوئے اور بلالحاظ مذہب انھوں نے اپنے شاگردوں کو اپنے فن سے آگاہ کیا۔ اسی طرح موسیقی کی حالت ہے آج بھی مسلمانوں کے باعث موسیقی زندہ ہے۔

اسباب آرائش جب کسی قوم کا تمدن وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے تو ضروریات زندگی اور اسباب معاشرت میں زیادتی ہوتی جاتی ہے تکلف اور نفاست پیدا ہو جاتی ہے جس کے باعث سیکڑوں چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے مسلمان جس وقت سرزمین ہندوستان میں داخل ہوئے اس وقت ہندوستان کا تمدن نہایت پست حالت میں تھا اس لحاظ سے یہاں کی ضروریات زندگی کم اور اسباب معاشرت قلیل تھے مگر جو مسلمان یہاں آئے وہ تمدن کے اعلیٰ مدارج اور تہذیب کی بیسوں منزلیں طے کر چکے تھے جس کے باعث یہاں کی ضروریات زندگی میں اضافہ ہونا گزیر تھا۔

ضرورت زندگی اور اسباب معاشرت میں جس طرح اضافہ ہوا اس کی مختصر صراحت بھی طوالت کا موجب ہو سکتی ہے مثلاً یہاں گھوڑے پر مکمل ڈالکر سوار ہوتے تھے مسلمانوں نے نیزہ اشیا اس کے سامان کے لئے ایجاد کئے تھے اور گھوڑوں کے خدمت گاروں کی سولہ خدمتیں تھیں۔

فرش فرنیچر۔ شیشہ آلات لباس۔ زیورات وغیرہ میں سیکڑوں چیزیں تھیں جو یہاں فراہم کی جاتیں برف اور آب سرد سے یہاں کوئی واقف نہیں تھا گرمی کے زمانہ میں خس کی ٹٹیوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھاتا تھا۔ کھانے پینے کے اقسام میں ہزاروں اشیاء کا اضافہ ہوا اور طرح طرح کے کھانے مشروبات بنائے جانے لگے۔

تمدن خانہ مسلمانوں نے نہ صرف ہندوستان کو فتح کیا بلکہ یہاں کے مذہب یہاں کے تمدن یہاں کے اخلاق اور عادات پر بھی عظیم الشان فتح پائی مسلمانوں نے جس طرح اپنے مذہب اپنے تمدن کو یہاں پھیلایا اسی سے ہندوستان کا چپہ چپہ آگاہ ہے ہندوستان جاہل تھا انھوں نے عالم بنایا۔ ہندوستان بیاباں اور کوہستان تھا انھوں نے چمنستان اور گلزار بنا دیا ہندوستان

مفلس تھا اونھوں نے جواہر کی بارش کردی اور ان کی وجہ سے یہاں کی زمین لعل و گوہر پیدا کرنے لگی۔

گو ہندوستان کے بڑے حصے کی حکومت ان سے متعلق نہیں رہی مگر ان کے اثرات ان کا مذہب ان کی زبان ان کی معاشرت انکا تمدن انکی یادگاریں اون کی اولاد ہندوستان کے چپہ چپہ گاؤں گاؤں میں موجود ہے ہندوستان کے ساتھ ان کا تعلق چولی دامن کا ہے جو کبھی جدا نہیں ہوسکتا اور انشاء اللہ قیامت تک باقی رہیگا

محب وطن کا گیت

اے میرے اور وطن میں تیرے ہی لئے اپنا　بند بند کٹواتا ہوں اور میں اپنی زندگی بھی تیری نذر کرتا ہوں۔

قبول کر.....

یہ تیری ہی ناکردہ خطائیں ہیں جو میری آنکھوں سے بے ساختہ اشک رواں کرتی ہیں یہ تیرا ہی درد بھرا گیت ہے جس کو میری بانسری ہر وقت بجایا کرتی ہے۔

اے میرے جان سے زیادہ عزیز وطن۔

تو جانتا ہے کہ میرے بازو کمزور اور تیلے ہیں۔

مگر وہ ضرور اپنی مہم میں کامیاب ہونگے۔

اگرچہ میری آبدار تلوار غلامی سے زنگ آلود ہو چکی ہے

مگر وہ تجھ کو آزاد کرا کے چھوڑیگی۔

اگرچہ میری بانسری کے راگ میں کوئی کشش نہیں ہے جو بجھے ہوئے دلوں کو گرما سکے مگر اس پر بھی میں جب تیرا ہی ایک سپوت ہوں ہمیشہ آزادی کا راگ الاپتا رہونگا۔

(ٹیگور)　　(اے کاظمی)

نوائے راز

(اُردو)

ابوالفاضل رازؔ صاحب چاندپوری

یہ سچ ہے یقیناً کہ تو باہنر ہے — مگر آہ! دنیا بہت خوش نظر ہے
خبر ہے، یقیناً مجھے سب خبر ہے — کوئی سرِّ الفت کا جویا مگر ہے؟
یہ دورِ مسلسل کہ دورت بگردم — کہاں ہے، کہاں ساقیِ خوش نظر ہے
نہ فکرِ مراحل، نہ پروائے منزل — کہ گم گشتگی اب مری راہبر ہے
کہاں ہوں، خدا جانے اب میں کہاں ہوں — کہ اک عالمِ نور پیشِ نظر ہے
رموزِ محبت سے ہے کون واقف — مگر شمعِ سوزاں کہ شعلہ بسر ہے
مقدر، حریفِ وفا کا مقدر! — بڑا بے ہنر ہے مگر نامور ہے
میں واقف ہوں اُس شاہدِ اہلِ دل سے — بایں بے نیازی بڑا خوش سیر ہے
میں تنہا نہیں، سُنتِ پیمائے غربت — کوئی ہمقدم ہے، کوئی ہم سفر ہے
مسلّم، تری خوش نوائی مسلّم — خبردار! یہ بزمِ اہلِ نظر ہے

کہاں ہے، کہاں رازؔ میکش، خدارا!
کہ یہ دورِ آخر ترے نام پر ہے

یادِ ایامِ عشرتِ فانی

میرے والد ایک گاؤں کے گرجے کے جو آسویل سے پانچ میل کے فاصلہ پر ہے نائب پادری ہیں۔ میں پادری کے مکان میں جو گرجے سے ملا ہوا تھا۔ پیدا ہوئی تھی۔ پہلی بات جو مجھے یاد ہے وہ میرے والد کا ایک لوحِ مزار کے حروف کا پڑھنا ہے جو میری والدہ کی تربت پر تھا۔ میں اکثر اپنے والد کے مطالعہ کے کمرے کے دروازے جا کر کھٹکھٹایا کرتی تھی۔ اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ جواب دیر ہے ہیں۔ "کون ہے؟ تمہیں کیا چاہیئے ننھی لڑکی! جاؤ اماں کے پاس جاؤ اچھی طرح پڑھنا سیکھو۔" دن میں کئی دفعہ میرے والد اپنی کتابوں اور کاغذات کو ایک طرف رکھ کر مجھے اُس خاص مقام پر لیجاتے تھے اور حروف کی طرف اشارہ کر کے مجھے ہجے کرواتے اور الفاظ پڑھواتے تھے۔ اس طرح میرے والدہ کا سنگِ مزار میرے لیے "بچوں کی پہلی کتاب" بنگیا تھا۔ جس سے میں نے پڑھنا سیکھا۔

ایک دن میں گرجے کی دھوپ گھڑی کے زینے پر بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک شریف راہرو نے ان حروف کو دہراتے ہوئے سنا جنے میری والدہ کا نام "ایلنر تھ ویلیرز" بنتا تھا اور جن کو میں ایسی صفائی اور شان سے ادا کر رہی تھی گویا کہ میں ایک اہم کام انجام دے رہی ہوں۔ یہ میرے ماموں جیمس تھے جو محکمہ بحری میں لفٹنٹ تھے اور انگلستان سے میرے والدین کی شادی کے چند مہینوں بعد چلے گئے تھے اور اب ایک لمبے چوڑے بحری سفر کے بعد وطن واپس آئے تھے اور میری والدہ سے ملنے کے لئے آرہے تھے جن کی علالت سے یہ بالکل لاعلم تھے اگرچہ کہ ان کا انتقال ہو کر ایک سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا تھا۔

جب میرے ماموں نے مجھ کو دھوپ گھڑی کے زینے پر بیٹھے ہوئے والدہ کا نام دہراتے سنا تو انھوں نے میرا چہرہ

غور سے دیکھا اور اپنی بہن سے مشابہت ملتی ہوئی دیکھ کر خیال کرنے لگے کہ میں انکی ہمشیرزادی ہونگی۔ میں اپنے کام میں ہمہ تن مصروف تھی اس لیئے ان کو نہ دیکھ سکی اور مسلسل بجے کرتی رہی۔ کس نے تم کو اس صفائی سے بجے کرنا سکھایا ہے؟ بھولی بچی؟" میرے ماموں نے پوچھا۔ "اماں نے" میں نے جواب دیا۔ کیونکہ میرا خیال تھا کہ کتبہ مزار کے الفاظ کسی نہ کسی طرح کا ایک جزو تھے اور اماں ہی نے مجھے پڑھنا سکھایا ہے۔ "تمہاری اماں کا کیا نام ہے؟" میرے ماموں نے دریافت کیا۔ "ایلیز تھ ویلرز" میں نے جواب دیا۔ تب میرے ماموں نے مجھ کو پیاری بھانجی کے نام سے پکارا اور میرے ساتھ اماں کے پاس چلنے کے لئے کہنے لگے۔ انھوں نے میرا ہاتھ گھر لے چلنے کے ارادہ سے پکڑ لیا اور میرا پتہ لگا لینے پر خوش تھے کہ میں کون ہوں کیونکہ انکے تصور میں اپنی بہن کو متعجب کرنے کے لئے کہ ان کی لڑکی اپنے پرانے گمشدہ ماموں کو گھر لا رہی ہے یہ ایک خوش آئند اور پر لطف بات تھی۔

میں اماں کے پاس ان کو لیچلنے کے لئے راضی ہو گئی مگر ہم میں راستے کی بابت جھگڑا ہونے لگا۔ میرے ماموں اس سڑک کی طرف جا رہے تھے جو سیدھی ہمارے گھر کی طرف جاتی تھی اور میں صحن گرجا کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہی تھی کہ اماں کے پاس جانے کا وہ راستہ ہے۔ اگرچہ کہ وہ جلد ملنے کے لئے بے قرار تھے مگر انھوں نے اپنی نئی بھانجی سے اس امر پر بحث کرنی مناسب نہ سمجھی اسلیئے انھوں نے مجھے دھوپ گھڑی کے زینے پر سے اٹھا لیا اور اس راستے کی طرف چلنے لگے جو ایک پھاٹک میں سے ہو کر ہمارے باغ کی طرف جاتا تھا۔ لیکن میں اس کی بھی مخالفت کرنے لگی۔ اُن کا ہاتھ چھوڑ کر میں نے کہا "آپ کو راستہ نہیں معلوم ہے! آئیے میں بتاؤں" اور جس قدیمی سے مجھے یہ نکمن تھا میں لانبی گھاس اور خاردار جھاڑوں میں سے ہو کر نیچی نیچی قبروں پر سے کودتی ہوئی بھاگی اور وہ میرے "شوخ قدموں" کا چرچا کہ وہ کہا کرتے تھے تعاقب کرتے ہوئے کہنے لگے "میری چھوٹی بھانجی بھی کیا پہیلی ہے۔ نیچی! جب تو پیدا بھی نہیں ہوئی تھی اُس وقت سے میں تیری ماں کے گھر کا راستہ جانتا ہوں۔ آخر کار میں اماں کی قبر کے پاس ٹھیر گئی اور کتبہ مزار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فخریہ طور پر کہنے لگی "یہاں اماں ہیں" یہ ثابت کرنے کے لئے کہ کون صحیح راستہ جانتا تھا میں نے ماموں کے چہرہ پر یہ دیکھنے کیلئے کہ وہ اپنی غلطی کے معترف بھی ہیں یا نہیں ایک نظر ڈالی۔ مگر وہ کتنا نمگین چہرہ ہو گیا تھا میں اس سے ایسی پریشان ہو گئی تھی کہ مجھ کو بعد کے واقعات کی محض ایک دھندلی سی یاد باقی ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے اُن کا کوٹ کھینچا تھا۔ جناب، جناب پکار کر انکو وہاں سے ہٹانے کی کوشش کر رہی تھی اس سے میں لاعلم تھی کہ مجھ کو کرنا کیا چاہیئے تھا میں بالکل پریشان ہو گئی تھی اور یہ خیال کرنے لگی کہ ان کو اماں کی تربت کے پاس لانے میں میں نے کوئی نہ کوئی غلطی ضرور کی ہے جب ہی تو وہ رو رہے ہیں۔ لیکن وہ کیا غلطی تھی اس سے میں ناواقف تھی۔ یہ تربت میرے لئے ہمیشہ ایک خوشی کی جگہ تھی گھر میں میری بک بک سے پریشان ہو کر مجھے باہر بھیجدیتے تھے مگر جب

یہاں آتے تھے تو میری بک بک بڑھتی تھی میں یہاں ہر قسم کی گڑبڑ اور شرارت کر سکتی تھی۔ اماں سے ملنے ہم جب آتے تھے تو خوش اور ہشاش ہو جاتے تھے۔ ابا کہا کرتے تھے کہ اماں کیسی خاموشی سے وہاں سو رہی ہیں اسی طرح وہ اور انکی ننھی بیٹی (میرا نام) ایک دن اماں کے بازو قبر میں سوئینگے۔ جب میں بستر پر لیٹتی تھی اور میرا ننھا سر تکیے پر ہوتا تھا تو میں ابا اور اماں کیساتھ قبر میں سونے کی آرزو کرتی تھی اپنے چھٹپن کے خوابوں میں دیکھتی کہ زمین کے نیچے وہ جگہ ہے نرم نرم ہوا اور سرسبز ہیں نے اماں کی کبھی خیالی تصویر نہیں بنائی لیکن پھر بھی ابا تھے لوح مزار تھی، اور نرم نرم سبز گھاس تھی اور میرا سر ابا کے ہاتھ پر تھا۔

خبر نہیں کہ ماموں کب تک روتے رہے میری دانست میں وہ ایک طویل عرصہ تھا۔ بالآخر مجھ کو انھوں نے گود میں لیکر تنی زور سے لپٹایا کہ میں چیختی ہوئی گھر بھاگی اور ابا سے کہا کہ ایک آدمی اماں کے کتبہ مزار کے پاس رو رہا ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے والد اور ماموں میں نہایت دردناک ملاقات ہوئی مجھے یاد ہے کہ ابا کو اس وقت میں نے پہلی دفعہ روتے ہوئے دیکھا۔ وہ میری تکلیف پر افسردہ تھے۔ میں باورچی خانے میں سوسن (ہماری خادمہ) سے کہنے دوڑی کہ ابا رو رہے ہیں سوسن مجھے اپنے پاس روک رہی تھی تاکہ میں انکی گفتگو میں مخل نہ ہوں لیکن میں "بیچارے ابا" کے پاس جانا چاہتی تھی چنانچہ میں ان کے کمرے میں خاموشی سے جا کر انکے زانوؤں کے درمیان چپکے سے کھڑی ہو گئی ماموں نے مجھے گود میں لینے کے لئے ہاتھ بڑھائے لیکن میں انکی طرف سے فوراً پلٹ کر ابا سے لپٹ گئی۔ ماموں سے مجھے نفرت سی ہو گئی تھی کہ انھوں نے ابا کو کیوں رلایا۔

پہلی دفعہ اب مجھ کو معلوم ہوا کہ اماں کی موت ایک زبردست حادثہ تھی کیونکہ ابا نہایت افسردگی سے اماں کی طویل بیماری اور انکی موت کے صدمے کا تذکرہ کر رہے تھے اس پر ماموں نے کہا کہ اتنی چھوٹی لڑکی کی نگہداشت کرنا ابا کے لئے کس قدر رنج تکلیف کا باعث ہے۔ لیکن ابا کہنے لگے کہ انکی ننھی بچی ہی انکی آرام جان ہے اور محض میری وجہ سے وہ زندہ رہے ورنہ وہ غم میں مر جاتے۔ میں تعجب سے سوچنے لگی کہ میں کیسے ابا کے لئے باعث آرام ہوں۔ مجھکو یا بالبتہ معلوم تھا کہ جب کبھی وہ میرے ساتھ کھیلتے یا بات کرتے تھے تو میں خوش ہوتی تھی کہ میرے ساتھ محبت اور مہربانی سے پیش آ رہے ہیں لیکن یہ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ میں کیونکر انکی خوشی کا باعث ہوں۔ اُن کا صدمہ جس کے متعلق میں نے ابھی سنا تھا میرے لئے بالکل نئی اور عجیب چیز تھی۔ مجھے اس کا کبھی گمان بھی نہ تھا وہ غمگین اور رنجیدہ رہتے ہیں وہ نہایت محبت سے بات کرتے تھے کبھی میں نے انکو روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور نہ رنج و غم کی وہ علامات دیکھی تھیں جن کے ذریعہ میں اپنی چھوٹی چھوٹی تکلیفوں کا اظہار کرتی تھی ایسی باتوں پر میرے خیالات نہایت پریشان اور ملتفت تھے مگر اس وقت سے میں اپنی مردہ ماں کے غمگین واقعات پر ہمیشہ غور کرنے لگی۔

دوسرے دن محض عادتاً میں مطالعہ کے کمرے کے دروازے پر پہنچی تاکہ ابا کو قبر پر چلنے کے لئے آواز دوں۔ مگر میں دل سے مجبور ہو کر دروازہ نہ کھٹکھٹا سکی اور باورچی خانے میں مطالعہ کے کمرے کے درمیان ادھر اُدھر اور اُدھر سے ادھر ٹہلنے لگی۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ اتنے میں ماموں آ گئے اور کہنے لگے "بیٹی! میرے ساتھ باغ میں گھومنے چلو گی؟" میں نے انکار کر دیا۔ کیونکہ میں قبر پر بیٹھنے اور ابا سے باتیں کرنے کے قدیم مشغلے کے سوا اور کچھ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ ماموں نے مجھ کو ترغیب دلانی چاہی مگر میں "نہیں نہیں" کہتی ہوئی باورچی خانے میں بھاگ گئی اور رونے لگی۔ جب وہ میرے پیچھے باورچی خانے میں آئے تو سوسن کہنے لگی "یہ بی آج کیسی چڑچڑی ہو گئی ہے میں کیا کروں میری سمجھ میں نہیں آتا"۔ "ہاں" ماموں نے کہا "میرا خیال ہے بیچارے بھائی اکلوتی لڑکی ہونے کے سبب سے اس کو بگاڑ رہے ہیں" مجھ کو ابا کے متعلق یہ طعنہ سنکر غصہ آ گیا کیونکہ مجھے یاد تھا۔ نئے ماموں صاحب کی برکت سے ہمارے گھر میں پہلے پہل افسردگی اور غم آ گیا تھا۔ میں زور سے ہچکیاں لیکر رونے لگی یہاں تک کہ ابا یہ معلوم کرنے کو کہ میں کیوں رو رہی ہوں آ گئے۔ انھوں نے ماموں کو کمرے میں یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ وہ خود اپنی بھتیجی کو منا لینگے۔

ماموں کے جانے کے بعد میں نے رونا بند کیا۔ ابا نے میری اس بدمزاجی پر کوئی نصیحت نہیں کی اور نہ وجہ دریافت کی تھوڑی دیر بعد ہم کتبۂ مزار کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اُس دن کوئی سبق نہیں ہوا۔ نہ تو پیاری اماں کی سبز سبز قبر میں سونے کی باتیں ہوئیں نہ سنگ مزار پر سے قبر میں کودنے کی۔ نہ دل خوش کن لطیفے ہوئے اور نہ دلچسپ قصے۔ میں ابا کے زانو پر بیٹھی ہوئی انکی چہرے کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ "ابا آج کتنے غمگین ہیں" یہاں تک کہ میں اسی خیال کو سوچتے سوچتے اور اپنے رونے کی تھکاوٹ کی وجہ سے غافل سو گئی۔

میرے ماموں کو بہت جلد سوسن کی زبانی معلوم ہو گیا کہ اماں کی تربت ہماری آماجگاہ بنی ہوئی تھی اُس نے ان سے کہہ دیا کہ اس کے آقا کا غم اس وقت تک درحقیقت دور نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ بچی سے سنگ مزار کے الفاظ پڑھواتے رہینگے کیونکہ ممکن ہے اس سے انکا غم کم ہوتا ہو مگر اس سے گذرے ہوئے غم کے واقعات کی یاد ہمیشہ تازہ رہتی تھی۔ اپنی بہن کی تربت کا نظارہ میرے ماموں کے لئے ایک ایسا صدمہ تھا کہ وہ بھی سوسن کے اندیشوں کو حق بجانب تصور کرنے لگے اور انھوں نے طے کر لیا کہ اگر میری تعلیم کسی دوسرے ذریعہ سے دیجائے تو پھر قبر پر جانے کا حیلہ نہ رہیگا چنانچہ میرے شفیق ماموں قریب کی بازار سے میرے لئے کتابیں خریدنے گئے۔

میں نے سوسن اور ماموں کی گفتگو سن لی تھی انکو ٹوپی لیکر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہماری خوشیوں میں انکی اس دخل دہی کو میں برا خیال کرتی تھی اور دعائیں مانگ رہی تھی وہ "سمندر پار" دوبارہ چلے جائیں جہاں سے کہ بقول سوسن آئے تھے "سمندر پار" کہاں ہے مجھے یہ نہیں معلوم تھا البتہ اتنا میں سمجھتی تھی کہ دور ـــــ بہت دور ایک مقام ہے۔ میں گرجے کی دھوپ گھڑی کے زینے

پر بیٹھی ہوئی شرک کی طرف نگاہ کر کے کہنے لگی "خدا کرے ماموں پھر نہ دکھائی دیں۔ خدا کرے ماموں سمندر پار سے پھر نہ آئیں" لیکن میں یہ الفاظ چپکے چپکے کہہ رہی تھی اور مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں ایک قسم کی گستاخی کر رہی ہوں۔ یہاں میں بیٹھی رہی حتیٰ کہ ماموں بازار سے کتابیں خرید کر واپس آ گئے۔ ان کو ایک ڈبہ بغل میں دبائے تیزی سے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھکر میں رنجیدہ ہو گئی اور تیوری چڑھا کر اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے لگی انھوں نے ڈبہ کھول کر کہا "بیٹی میں تمہارے لئے ایک خوبصورت کتاب لایا ہوں" میں غصے سے منہ پھیر کر بولی "مجھے کتاب نہیں چاہیئے" لیکن میں نے آنکھ کے گوشے سے دوبارا ایک نظر دوڑائی جلدی میں ڈبہ کھولنے کی وجہ سے انھوں نے تمام کتابیں زمین پر پھیلا دی تھیں جن کی سنہری جلدیں اور خوبصورت تصویریں نظر آ رہی تھی۔ کتنا بھلا معلوم ہو رہا تھا! سارا غصہ میرا غائب ہو گیا اور میں نے بوسہ دینے کے لئے اپنا چہرہ سامنے کر دیا کیونکہ اسی طرح ابا کی کسی غیر معمولی مہربانی کا میں شکریہ ادا کیا کرتی تھی

ماموں نے ایک تکلیف دہ کام اپنے سر تھوپ لیا تھا۔ انھوں نے مجھے ایسی طرح ہجے کرتے سنا تھا کہ انکے نزدیک میرے پڑھنے کے لئے سوائے کتابوں کو ہاتھ میں پکڑا دینے کے اور کچھ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ تاہم میں اچھی طرح ہجے کر سکتی تھی لیکن میرے نے کتب خانے کے حروف ان حروف سے جنکی میں عادی تھی اتنے چھوٹے تھے کہ وہ میرے لئے یونانی زبان بنگئے تھے اور جن کو میں بالکل نہیں پڑھ سکتی تھی لیکن اس وقت کی وجہ سے ماموں پست ہمت نہیں ہوئے اور اگرچہ پڑھانا انکے لئے ایک نئی چیز تھی تاہم انھوں نے نہایت محنت و استقلال سے ان حروف کا پڑھنا سکھایا۔ جب کبھی وہ قصبہ پر جانے کے لئے مجھے یا ابا کو ارشاداً بھی کچھ کہتے ہوئے سنتے تو فوراً کسی دلچسپ تفریح کی تحریک کر دیتے تھے اور اگر ابا یہ کہدیتے کہ بچی کے چلنے کے لئے فاصلہ بہت ہے تو وہ مجھ کو اپنے کاندھوں پر بٹھا کر کہتے "تب بیٹی سوار ہو جاؤ گی"! اس طرح وہ مجھ کو کئی کئی میل لئے پھرتے تھے۔

ان دلچسپ تفریحوں میں ماموں سوچنے اشتعلے کے لئے عموماً کچھ نہ کچھ پکوایا کرتے تھے اگرچہ یہ تقریباً ہر روز ہوا کرتا تھا لیکن میرے اور ابا کے لئے مسلسل حیرت کا سبب بنگیا تھا کسی سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ کر جب وہ اپنی جیب سے اس کو نکالتے اور اپنی تھوڑی تھوڑی چیزوں کو تقسیم کرنا شروع کرتے تب میں دوسری جیب میں ہاتھ ڈالکر جھانکتی کہ اور کیا کیا ہے۔ میرے پانی کا چھوٹا شیشہ ہے! اگر اتفاقاً شیشہ لانا بھول جاتے تو اس پر قہقہے لگاتے کہ غریب بیٹی کو زبردستی دوا ایک قطرے شراب کے پلائے جائینگے۔ یہ سب بچوں کی سی باتیں ہیں کاش بجائے میری اس فضول سوانح کے مجھے ماموں کے دریائی سفر کی کہانیاں یاد ہوتیں جن کو وہ سایہ دار درختوں کے نیچے بیٹھ کر جب ہم دوپہر کا کھانا کھاتے تھے سنایا کرتے تھے۔

ہمارے پاس ماموں کا طویل قیام میری زندگی کا ایسا اہم واقعہ ہے کہ میری زبانی اس کا تذکرہ سن کر آپ تنگ ہو جائینگے

لیکن انکے جانے کے بعد پھر باقی واقعات بہت تھوڑے رہ جاتے ہیں۔

موسم گرما کے مہینے گذر گئے مگر تیزی سے نہیں ـــــ دلچسپ تفریحوں اور ماموں کی بحری سرگذشت کے سحر کن قصوں نے ان کو مثل برسوں کے طویل بنا دیا تھا اور موسم سرما کی آمد اس لئے یاد ہے کہ انھوں نے میرے لئے ایک گرم قمیتی کوٹ خریدا تھا جس کو پہلی دفعہ پہننے جب پہنا تو بڑی خوشی ہوئی تھی۔ اس وقت انھوں نے مجھ کو "ریڈ رائڈنگ ہڈ" کے نام سے پکارکر تا کید کی تھی کہ بھیڑیوں سے ہوشیار رہوں۔ میں نے ہنس کر اس کا جواب دیا تھا کہ ایسی باتیں آج کل نہیں ہوتیں جس کے جواب میں انھوں نے کہا تھا کہ انکو کتنے بہت سے بھیڑیے ریچھ، شیر اور شیر ببر غیر آباد علاقوں میں جو مثل رابنسن کروسو کے جزیرے کے تھے ملے تھے۔ اور ہو کیسی خوشی کے دن تھے۔

موسم سرما میں ہماری تفریحیں چھوٹی اور کبھی کبھی ہوا کرتی تھیں بری کتابیں میرا خاص مشغلہ نہیں اگرچہ کہ میرے مطالعہ میں اکثر اماموں کے ساتھ تاش کھیلنے سے جس کا اختتام عموماً انکی بدسلیقگی سے کھیلنے کیوجہ سے جھگڑے پر ہوتا تھا، ہرج ہوتا تھا لیکن مجھ بہت پہلے سے انکے ساتھ گہری محبت ہوگئی تھی۔ انکے ہمارے پاس کے زمانہ قیام میں میں نے کافی ترقی کرلی تھی۔ بہت اچھی طرح پڑھ سکتی تھی۔ ابا اور انکی گفتگو کو مسلسل سننے کی وجہ سے میں کافی تمیز دار ہوگئی تھی۔ اس پر ابا نے ایک دفعہ ان سے کہا تھا۔

جیمس تم نے تو میری بیٹی کو ایک اچھی مونس تنہائی بنا دیا"

ابا کبھی اپنے وعظ لکھنے کے لئے کبھی بیماروں کی عیادت کے لئے یا غریب ہمسایوں کو مشورہ دینے کے لئے جب جاتے تو مجھ کو اکثر اماموں کے ساتھ چھوڑ جاتے تھے اس وقت اماں مجھ سے بہت دیر تک باتیں کیا کرتے تھے کہ ابا کو خوش رکھنے کے لیے مجھے کیسی کوشش کرنی چاہیے اور جب وہ چلے جائیں تو مجھے اپنے آپ کو سدھارنے کی کس طرح سعی کرنی چاہیئے ـــــ اب میں ٹھیک طور پر سمجھ سکی کہ ابا کو اماں کی تربت پر جانے سے روکنے کے لئے انھوں نے اتنی دقتیں کیوں برداشت کیں وہ تربت جس کو میں اکثر دبے پاؤں چپکے سے جاکر محض دیکھا کرتی تھی اب اس کو دیکھ کر میرے دل میں رعب اور تعظیم کے تاثرات پیدا ہوتے تھے کہ اماں کتنی اچھی تھیں۔ اب میں سمجھتی تھی کہ میری بھی درحقیقت اماں تھیں کیونکہ اس سے قبل میں انکو ایک خیالی چیز سمجھتی تھی جس کا جاندار وں سے کوئی تعلق نہ تھا وہ کہتے تھے کہ "میز پوش" کی بیبیاں جو گرجے میں سب سے اچھی جگہ بیٹھتی تھیں اتنی خوبصورت نہیں تھیں اور نہ گاؤں کی کوئی بہترین عورت اتنی اچھی ہے جتنی کہ میری پیاری اماں تھیں۔ اگر وہ زندہ ہوتیں تو اپنے طاح ماموں سے مجھے پڑھنا پڑتا اور نہ سوسن سے سینا پرونا سیکھتی بلکہ اماں مجھ کو تمام عمدہ دستکاری سکھاتیں، آداب مجلس اور ترحمانہ برتاؤ بتاتیں اور میرے لئے ان

خاص خاص کتابوں کو منتخب کرتیں جن سے میرا ذہنی ارتقا ہوتا اور جس سے میرے ماموں محض ناواقف تھے۔ اگر مجھ میں تمیز نہائی خصوصیات اور شعور پیدا ہو سکا تو محض میرے غیر مہذب اتہر، ماموں کی وجہ سے کیونکہ انھوں نے یہ کہہ کر کہ اماں مجھے کیا کیا سکھائیں گی کیا مجھ کو سیکھنا چاہیئے کا سبق دیا اور جب ماموں کے جانے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مجھے میز ہوس کی بیبیوں سے ملایا گیا تو بجائے شرم سے سر جھکا لینے کے جیسا کہ ماموں کے آنے سے قبل میں گنواروں کی طرح کیا کرتی تھی میں نے نہایت صفائی، اور روانی سے بات کی جس طرح تقبول ماموں کے اگر اماں زندہ ہوتیں تو کہتیں۔ میں بجائے ترانے کے انکے حسین چہرہ کو دیکھ رہی تھی اور خیال کر رہی تھی کہ میری اماں کس قدر زیادہ حسین اور خوبصورت ہونگی۔ کیونکہ وہ ان بیبیوں سے کہیں زیادہ خوبصورت تھیں جب میں نے انکو آپا سے میرے اچھے برتاؤ کی تعریف کرتے سنا کہ انھوں نے مجھکو کتنی اچھی تعلیم دی ہے تو میں آپ ہی آپ کہہ رہی تھی "آپا بشرطیکہ میں نیک رہوں کبھی آداب اخلاق کا خیال نہیں کرتے لیکن ماموں نے مجھ کو اماں کا طرز عمل اور مجلس کے آداب سکھائے ہیں ہمیں ماموں کو اب غیر مہذب اور اتھڑیا کہ وہ اپنے آپ کو کہا کرتے تھے نہیں خیال کرتی تھی کیونکہ انکی باتیں اور نصیحتیں ایسی اچھی اور موثر ہوتی تھیں کہ میں انکو کبھی نہیں بھول سکتی اور سمجھتی ہوں کہ جب تک میں زندہ رہونگی وہ میرے لئے کارآمد ہیں ان تمام الفاظ کے معنی جن کو وہ دوران گفتگو میں استعمال کرتے تھے۔ جیسے لطافت و نزاکت، عفت و عصمت وغیرہ سمجھانے کے لئے گرمے میں آنیوالی شریف بہو بیٹیوں کی مثالیں دیکر بیان کرتے تھے۔ کیونکہ میز ہوس کی بیبیوں کے علاوہ اور بھی بہت سی بیبیاں آپا کا وعظ سننے کے لئے کیونکہ وہ بہت اچھا وعظ بیان کرتے تھے گرمے میں آتی تھیں۔

موسم بہار کے شروع میں جب پھول باغ میں گر رہے تھے اور سنہری گلاب کی باڑیں کلیاں نکل رہی تھیں ماموں چلے گئے۔ درختوں کے بیچ میں سے میں نے انکو ٹرک پر جاتے ہوئے دیکھا اور خوب رونے لگی میرا دل امڈا چلا آتا تھا۔ آپا کے ساتھ ساتھ بازار تک گئے جہاں سے وہ گاڑی میں سوار ہو کر لندن جانے والے تھے۔ سوسن نے مجھ کو بہلانے کی سینکڑوں کوششیں کیں لیکن میں دھوپ گھڑی کے زینے کے پاس جہاں میں نے ماموں کو پہلی دفعہ دیکھا تھا جا بیٹھی تھی تاکہ اس دن کا سماں میرے سامنے پھر جائے۔ مگر وہاں بیٹھنے کے تھوڑی دیر بعد ماموں کو اپنی بیوقوفی سے اماں کی قبر کے پاس لیجا کر صدمہ پہنچانا اور اسی زینے پر بیٹھ کر دعائیں مانگنا کہ ماموں پھر نہ آئیں ایسے ماموں کے لئے جو میرے لئے کتابیں خرید نے اتنی دور گئے تھے اور اسی قسم کے تمام خفیف جھگڑے سب یاد آنے لگے اس وقت جب کہ وہ چلے گئے تھے اور میں انکے ساتھ نہیں کھیل سکتی تھی۔ میرا دل اس صدمہ سے پھٹا جا رہا تھا۔ آخر کار میں گھبرا کر گھر بھاگی تاکہ سوسن مجھ کو دلاسہ دے وہی دلاسہ جس پر میں ابھی ذرا بھی اظہار تنفر کر چکی تھی

اس کے کچھ دنوں بعد میں آیا کیسا تھا نگیٹھی کے قریب بیٹھی ہوئی تھی اندھیرا ہو گیا تھا اور چراغ اب تک نہیں جلائے گئے تھے کہ میں نے آپا سے دھوپ گھڑی کے پاس میرے دل میں جو خیالات پیدا ہوئے تھے سب کہدئے۔ اور یہ بھی کہا کہ جب ماموں پہلی دفعہ یہاں آئے تھے اُس وقت کے بُری طرح ملنے پر اور بعد میں انکے ساتھ جھگڑنے پر مجھے اِس وقت بے انتہا رنج اور ملال ہو رہا ہے آپا مسکرانے لگے اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر کہنے لگے "میں اپنی ستاسف بیٹی کو سب بھاؤ نگا بیٹی ہمارا سب کا یہی حال ہوتا ہے جب وہ لوگ جن سے ہم محبت کرتے ہیں ہم سے جدا ہو جاتے ہیں اور پھر واپس نہیں آسکتے ــــ جب ہمارے عزیز دوست ساتھ ہوتے ہیں تو ہم اپنے روزانہ کے شاغل کا خیال نہیں کرتے اور اس پر غور نہیں کرتے کہ ہم کو کیسی نعمتیں حاصل ہیں۔ ہم انکی صحبت سے خوش ہوتے ہیں ــــ آزادی کے ساتھ اپنی مرضی سے محبت یا غصہ کا اظہار ہونے دیتے ہیں اگرچہ چھوٹی چھوٹی رنجشوں سے دوستی میں خلل پڑتا ہے لیکن جب ہماری طبیعت خوش اور نشاش ہوتی ہے یہی باتیں ہمارے سامنے رنجدہ غلطیوں کی صورت میں اس وقت آتی ہیں جب کہ وہ لوگ جن سے ہم کو دلی محبت تھی ہم سے ہمیشہ کے لئے چھن جاتے ہیں۔ تمہاری پیاری اماں سے یہ کبھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا لیکن انکے انتقال کے بعد جب رنج تازہ تھا تو مجھے کئی باتوں کا خیال آتا تھا کہ ان کو خوش کرنے کے لئے مجھ کو یہ کرنا چاہئے تھا۔ میری بچی یہی تو ابھی حال ہے ایک لڑکی اپنے ماموں کا دل خوش کرنے کے لئے جو کچھ کر سکتی ہے وہ سب تم نے کیا وہ بھی تم کو بہت چاہتے تھے یہ معمولی باتیں جن سے تمہارا ننھا دل دکھ رہا ہے انہی کی یاد سے ماموں خوش ہونگے وہ اپنی واپسی کے وقت مجھ سے کہہ رہے تھے شاید تم اس وقت انہی خیالات کی وجہ سے غمگین ہو گی کہ کتنی مشکل سے وہ تم کو اپنا گرویدہ بنا سکے جب وہ کسی دور دراز مقام پر ہونگے تو انہی باتوں کو یاد کر کے خوش ہونگے اِس پے بنیاد رنج کو دور کرو اور یکسو ہو کر یاد کرو جن دو گونسے تم کو دلی محبت ہے ان سے جتنی تمہارے امکان میں ہے اتنی محبت کرو اور مہربانی سے پیش آؤ ورنہ جب وہ تم سے جدا ہو جائینگے اس وقت تم کو ملال ہوگا کہ تم انکے ساتھ اچھی طرح محبت اور مہربانی نہ کر سکیں۔ ایسے احساسات بچگانہ ذکر کیا بنی نوع انسان کی قسمت میں لکھے ہیں یہی احساس جب میں مرجاؤنگا تم کو پیدا ہوگا اور ایسا ہی تمہارے بچوں کو پیدا ہوگا جب تم نہ ہوگی۔ لیکن تمہارے ماموں پھر آئینگے اور تمہارے لئے بات کرنے والا ملوطا لائینگے بیٹی ہم اپنے بات کرنے والے طوطے کے پنجرے کو کہاں لٹکایا کرینگے؟ اچھا جاؤ اور سوسن سے کہو کہ چراغ لے آئے اور اس سے پوچھ کر مزیدار کیک جس کو اسنے چائے کے ساتھ دینے کو کہا تھا پکا کہ نہیں۔

(مترجمہ حسن حیدرآبادی)

(میری ایڈن لیب)

نالہائے نیم شبی

(از)

جناب جاذب صاحب دھلوی بی۔ اے آنرز)

چلا آتا ہے سیل اشک غم کی داستاں ہو کر
بالآخر لب پہ آئی ہیں تمنائیں فغاں ہو کر

مسرت کو مری بخشی ہے قدرت نے تہیہ پوشی
بہار آئی مرے گلشن میں پیغام خزاں ہو کر

خدا سمجھے ان آنکھوں سے کہ ظاہر کر دیا ان پر
وہ راز دل جسے رکھا تھا میں نے بے زباں ہو کر

قیامت کا سماں تھا میری نظروں میں دم رخصت
مرے نزدیک دنیا جا رہی تھی بے نشاں ہو کر

ہوئی بانگ جرس جس دم نہ تھی تاب شکیبائی
مرے نالے گئے ہمراہ گرد کارواں ہو کر

گلچیں کو دیکھ کر

از

مرزا رضا علی بیگ صاحب (عثمانیہ)

او بے رحم! ذرا میری فریاد کو سُن ـــــ تیری دست درازی نہایت خوفناک ہے! تو ایسی ہستی کو ملیامیٹ کرنے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھا رہا ہے جس سے دنیا کا ہر ذی روح محبت کرتا ہے۔ تجھے ایسی بے رحمی کس نے سکھا دی؟ تیرے دل کو کس نے سخت گیر بنا دیا؟ ٹھہر جا ـــــ ہاں! صرف تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جا ـــــ ابھی اپنا دست تعدی میری طرف دراز نہ کر! اچھی طرح گوش دل سے سُن کہ ساری کائنات تجھ پر کیوں لعنت کی بوچھار کر رہی ہے ـــــ!

او ظالم! ـــــ سن اور اچھی طرح سن کہ کائنات کا ہر ذرہ تیری اس جگر خراش داستاں کو پکار پکار کر زبان حال سے دہرا رہا ہے! اگر تو کسی کی نہیں سنتا اُس معصوم و نازک ہستی کی طرف بے رحمی سے اپنا دست ظلم دراز نہ کر جس کی کل زندگی اس دار فانی میں دو دن ـــــ صرف دو ہی دن کی ہے! اُف اتنا قلیل عرصہ حیات! اور یہ تری سخت دلی۔ ذرا رک جا ـــــ اور گوش دل سے سُن کہ تیری ہی ایک ذات سیکڑوں ولولہ گاہ حسن کا خون کرتی ہے ہزاروں کے ارمانوں پر پانی پھیر دیتی ہے ـــــ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں تیری عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں اور تو اپنی ضد سے باز نہیں آتا! یہ کہاں کی دشمنی ہے! یہ کیسا بغض ہے! کیوں تو اس قدر سنگ دل ہے۔ کاش کہ ـــــ تو پیدا ہوتے ہی مر جاتا اور اس طرح ہم غمزدوں پر ظلم نہ کرتا ـــــ!!!

گوئٹے کے مکتوباتِ محبت

(از)

مخدوم محی الدین صاحب (عثمانیہ)

اٹھارویں صدی کا شہرۂ آفاق جرمن شاعر گوئٹے اپنے ڈرامہ "فاسٹ" اور دوسرے علمی مقالات (نظریات لون) کی وجہ سے بقائے دوام حاصل کر چکا۔ یہ خوشرو اور شریف خاندان نوجوان نہایت خوش حال زندگی بسر کرتا تھا طبیعت بڑی تنوع پسند پائی تھی۔ تلون مزاجی کے باعث اس نے کئی ہستیوں کو اپنا موضوع محبت بنایا اور چھوڑا۔ "ازدواج انتخابی" میں اس نے اپنے محبت کے نظریہ کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ جس میں یہ دنیا کی رسمی پابندیوں کے خلاف ہر شخص کو اپنے ذاتی رجحانات کے اتباع کی تلقین کرتا ہے۔ ذیل میں اس کے چند عاشقانہ خطوط درج کئے جاتے ہیں جو اس نے مختلف موقعوں پر مختلف عورتوں کے نام جن سے اس نے محبت کی تھی لکھے تھے۔ یہاں اس کی شخصیت بالکل بے نقاب ہو جاتی ہے۔

نوجوان گوئٹے کی طرف سے کیتھرین شان کے نام

اس کا پہلا معاملہ محبت جب کہ یہ ابھی سترہ برس ہی کا تھا (۱۷۶۶) شراب فروش فرانک فرٹ کی بیٹی کیتھرین شان سے رہا۔ مگر گوئٹے اپنی بدگمانہ ذہنیت کی وجہ سے اپنی مرادوں میں کامیاب نہ ہو سکا

فرانکفرٹ۔ یکم نومبر ۱۷۶۸ء

میرے پیارے دوست۔

ابھی اتنی کینہ وری۔ باطل کی طرف سے حق کے پیش کرنے میں اتنی چالاکی! اللہ رے بے رحمی!! ایک مرضِ محبت کی ہنسی ہو اور ایک شاکی کا مذاق اڑے۔ تمام متم ظریفیاں تمہارے خط میں موجود ہیں۔ کیا مینا کی کوئی دہقانی عورت اس کے خلاف لکھ بھی سکتی ہے؟

میں تمہارے خلاف توقع جلد جواب دینے پر ممنوں ہوں۔ آیندہ کے لئے استدعا کرتا ہوں کہ تم مجھے اپنے مسرور اور روشن لمحات میں یاد کیا کرو۔ اور ممکن ہو تو خط بھی لکھا کرو۔ تمہاری شگفتگی تمہاری اداؤں اور تمہارے جمال کا تصور میرے لئے عظیم ترین مسرت ہے۔ میں نے جس قسم کا پیکر تراشا ہے میں ہی خوب جانتا ہوں۔ اور جو کام میرے خطوط کر رہے ہیں میں ہی تصور کر سکتا ہوں۔

مرے ہوئے لوگوں کی قسمت کا یہ ایک معمولی واقعہ ہے کہ جو لوگ زندہ ہیں یا آنے والے ہیں مرحومین کی قبروں پر رقص کرینگے۔

ہمارے بزرگ دوست شیاں کاف کا کیا حال ہے۔ کیا وہ اب بھی کبھی اپنے پہلے نقال کا خیال کرتے ہیں جس نے اس دوران میں ہر طربیہ اور حزنیہ میں عاشق اور سوگوار کا مشکل ترین پارٹ نہایت اچھی طرح اور ممکنہ صداقت کے ساتھ ادا کیا ہے تم نے میری جگہ کسی اور کو تو نہیں گانٹھا؟ وہ مجھ جیسا نہ سہی نہیں ڈیوک میکائیل جیسے دس نقال مل جائینگے گڑوں مسافروں جیسا ایک بھی نہیں ملے گا۔ تم میرا مطلب سمجھے نا؟

تمہارے سٹارک کی کتاب یاد دلائی۔ میں اسے نہیں بھولونگا۔ تم نے گلین کا تذکرہ کیا ہے۔ میں کچھ بھی نہیں بھولونگا۔ میں غیاب اور موجودگی دونوں حالتوں میں ان لوگوں کی تمنائیں پوری کرتا رہتا ہوں جن سے مجھے محبت ہے۔ مجھے ہمیشہ تمہارے کتب خانہ کا خیال رہتا ہے۔ تم یقین مانو اس میں بہت جلد اضافہ ہو جائے گا۔ اگر میں نے ہمیشہ اپنے مواعید کو فوراً ہی پورا نہ بھی کیا ہو تو اکثر وعدہ سے زیادہ ہی کیا ہے۔

میرے دوست، تم ٹھیک کہتے ہو کہ مجھے لیزگ کے خلاف گناہ کرنے کی پاداش میں نزلہ رہی ہے۔ یہاں کا یہ ماضی قیام تنہا ہی ناخوشگوار ہے جتنا کہ لیزگ کا خوش گوار ہو سکتا تھا کاش کسی کو اتنی توفیق ہوتی کہ اس کو خوشگوار بنا سکتا۔

اگر تم مجھے ملامت کرتے ہو تو حق بہ جانب ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ مجھے کیا چیز مضطرب اور غمگین بناتی ہے؟ فرانز سکا کا قول ہے "چھت تو صحیح سالم ہے مگر اس سے بڑھ کر بہتر میں (یعنی انیر کوئی شکن نہیں ہے)

ہاں تو اپنی فرانز سکا کیسی ہے۔ کیا وہ قریب میں جٹس سے صلح کرلے گی؟

میں تو یہی سمجھتا ہوں۔ جب تک سر جنٹ وہاں تھا اسے اپنا وعدہ یاد رہا ہوگا مگر اب وہ ایران چلا گیا ہے۔ آنکھ سے دور دل سے دور۔ اب وہ مطلب برآری کے لئے ایک اور رفیق تلاش کر سکتی ہے۔ جو یہ صورت دیگر اس کے خواب و خیال میں بھی نہ ہوگا۔ اس پیاری لڑکی کو میرا سلام کہنا تمہاری پڑوسن کو بھی سلام کہلا بھیجنا آگ لگ ہوگی کیونکہ پھر تمہارے لئے کیا باقی رہتا ہے۔ عجیب سوال ہے! تم جانتی ہو کہ میرے دل کی مالک ہو۔ میری یہ ظاہری نیازمندیاں میری دوستی میرے دلی خلوص کے پاؤ پاسنگ بھی نہیں ہیں۔ تم نے اپنے خطوط میں میرے ساتھ کچھ ٹھیک برتاؤ نہیں کیا لیکن میں اسے نظر انداز کرتا ہوں۔ میرا یہ خط بلکہ میرے تمام مکتوبات اپنے والدین اور (اگر تم چاہو تو) اپنے دوستوں کو بھی بتاؤ؛ مگر کسی اور کو نہ دکھانا جیسا کہ میں نے کہا ہے میں خط خلوص سے لکھتا ہوں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ کوئی ایسا شخص دیکھنے نہ پائے جو ان خطوں کے معنی کا ناس کرتا ہو

ہمیشہ تمہارا
گوئٹے

گوئٹے کی طرف سے چارلوٹی کسٹنر کے نام

چارلوٹی بف وزلر کی رہنے والی اور گوئٹے کی دوست کسٹنر سے منسوب تھی جس سے بعد میں شادی بھی ہوگئی۔ گوئٹے کا دل اس لڑکی کی محبت میں نہایت خطرناک وادیوں سے گذرہا تھا۔ شادی کے بعد بھی گوئٹے نے والہانہ مکتوبات کا سلسلہ جاری رکھا ان دنوں کے دلی واردات کی تصویر "ورتھر کے آلام" میں اچھی طرح کھینچی گئی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس نے فوری اور عالمگیر شہرت حاصل کی۔

فرانکفرٹ $\frac{۲۶}{۳۱}$ اگست ۱۷۷۴ء

یہ میرے کمرے کے سامنے سے ہر وقت کون جاتا رہتا ہے؟ لوٹی۔ پیاری لوٹی تم اسے نہیں پہچان سکتیں فراکارٹن بسٹ کے سوا تم تمام معروف غیر معروف لوگوں کے نام بتاؤ گی۔ یہ عورت جسے تم جانتی ہو اور لوگوں کی طرح تم سے محبت کرتی ہے۔ جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہی ہے، وزلر میں اس کا کوئی سہارا نہ تھا۔ میری والدہ اسے نوکری دلانے کی فکر میں ہیں۔ میں نے اُسے اپنے کمرے میں جگہ دی ہے۔ جب اس نے تمہاری تصویر دیکھی تو پکار اٹھی" او ہو میری پیاری لاشین باد جو دبوڑھی ہونے کے مخلصانہ جذبات کی پتلی تھی۔ مسرت کے بے اختیار جذبہ میں اس نے میرے ہاتھ اور کوٹ کے بوسے لئے پھر وہ تمہارے قصے بیان کرنے لگی۔ کہ تم کیسے ہر بات میں جلدی کیا کرتی تھیں۔ تم ابھی بچہ ہی تھیں۔ ایک دفعہ وہ تمہاری وجہ سے خوب پٹی تھی اور تم سہمی ہوئی کھڑی تھیں۔ یہ پٹی اس وجہ سے تھی کہ وہ تمہیں لیفٹننٹ میئر کے پاس لے گئی جو تمہاری والدہ سے

محبت کرتا تھا وہ تمہیں تحفہ دینا چاہتا تھا لیکن تمہاری والدہ اجازت نہیں دیتی تھیں۔ تم خیال کر سکتی ہو کہ یہ میرے لئے کتنی قابل قدر عورت ہے! اس لئے اس کی دیکھ بھال میرا فرض تھا۔

اگر اولیاء اللہ کی ہڈیاں اور وہ بے جان کپڑے جو ولیوں کے جسم سے مس ہوئے ہیں قابل تحفظ اور پرستش ہیں تو پھر کیوں نہ اس انسان کا تحفظ اور پرستش کی جائے جس نے تمہیں چھوا ہو جس نے تمہیں اپنے ہاتھوں میں کھلایا ہے جس کی انگلی پکڑ کر تم چلا کرتی تھیں۔ وہ شخص جس سے بلاشبہ تم نے بہت کچھ مانگا بھی ہوگا۔ لوٹی تم نے اس سے مانگا ضرور ہوگا پھر وہ بے چاری مجھ سے کچھ نہ مانگے ہے! اُو آسمانی فرشتے۔ پیاری لوٹی ایک اور بات مجھے ہنسی آتی ہے۔ تم اکثر اس کے ہاتھ پکڑ کر جھولا کرتی تھیں وہ پریشان ہوتی تھی میں اب بھی اس کا تصور کرتا ہوں۔ بوڑھی نے تمہارے حرکات کی نقل بھی کی۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ تمہارا پیکر مرے ساتھ ہے۔ کارنشن اور نرگس کے ساتھ ہے ہر ایک کے ساتھ ہے دیدہ اور نادیدہ ہر چیز کے ساتھ ہے بہر حال پیاری لوٹی تم سچ مچ میرے ساتھ ہو لوٹی۔ آہ بغیر لوٹی کے زندگی سوگ اور موت کے سوا کچھ بھی نہیں خدا حافظ لوٹی آج اور کچھ نہیں اگست ۲۶ء

کل ۲۶ ویں کو میں نے ایک خط لکھنا شروع کیا تھا۔ یہاں فرانک فرٹ اور ڈارم سٹاٹ کے درمیان جن میں بیٹھا ہوا مارکن کا انتظار کر رہا ہوں جسے میں نے یہاں آنے کے لئے کہا تھا۔ آج پھر تمہیں خط لکھنے کو جی چاہتا ہے کوئی دو برس پہلے آج کا پورا دن تمہارے ساتھ گذارا تھا۔ آدھی رات کے قریب تک فصل کاٹی گئی تھی اور ۲۸ ویں کو دنبالہ کی رسم کا افتتاح چار پانی سے ہوا تھا۔ جہاں اکثر دوست آشناؤں کی صورتیں بھی دیکھی تھیں لوٹی تم نے اپنی سادگی اور صاف گوئی سے مجھے یقین دلایا ہے کہ تم دونوں (میاں بیوی) مجھ سے اب بھی محبت کرتے ہو۔ جس کی میں قدر کرتا ہوں۔ واقعی یہ سخت تکلیف دہ بات ہوتی اگر زمانہ ہمیں اپنے آہنی پنجہ میں دبا دیتا۔ میں قریب میں تمہیں ایک منا جاتوں کی کتاب اور ایک کا سکٹ بھیجونگا۔ تاکہ یہ تمہیں صبح اور شام محبت اور دوستی کی خوشگوار یاد دلاتے رہیں ــــ

فرافان شائین ویمر کے درباری افسر کی بیوی گوئٹے سے عمر میں سات سال بڑی تھی یہ بڑی صاحب جمال اور صاحب استقلال عورت تھی۔ ایک زمانہ تک گوئٹے سے اس کے ازدواجی تعلقات رہے۔ مگر بعد میں یہ رشتہ اس وجہ سے

ٹوٹ گیا کہ اسی نے اٹلی سے واپسی میں ویمر کے ایک دوسرے افسر کی بیٹی گوٹسائن ولپیس سے تعلقات پیدا کرلئے تھے۔

فرانکن ٹسائن کی طرف سے گوئیٹے کے نام

وہ دنیا جس کو میں نے بالکل ترک کردیا تھا پھر میرے لئے دلکش ہوگئی ہے۔ تمہاری وجہ سے یہ اتنی محبوب بن گئی میرا دل مجھے ملامت کرتا ہے کہ میں تمہارے اور خود کے لئے ایک جہنم تیار کررہی ہوں۔

چھ مہینے پہلے میں مرنے کو تیار تھی مگر اب ——!!

گوئیٹے کی طرف سے فرانکن ٹسائن کے نام

ویمر۔ ۱۶ جولائی ۱۷۷۶ء

بوقت شام

کل میں اکیلا اڈلپی سے واپس ہورہا تھا۔ میرے پیچھے فوجی سوار تھے وہ آپس میں کچھ خوش فعلیاں بھی کررہے تھے میں اپنے خیالات میں اتنا غرق تھا کہ کچھ سن نہ سکا۔ یکایک میرے دل میں خیال آیا کہ وہ گاؤں جسے ایلٹس برگ کہتے ہیں فرض کرو کہ تمہیں چھوڑنا پڑے۔ وہ گاؤں جہاں تمہیں ہر وہ مسرت حاصل ہے جس کا کوئی انسان تصور کرسکتا ہے۔ جہاں تم مسرت اور غم کے ابدی توازن میں تیر رہی ہو۔ اگر مجبوری سے تمہیں یہ گاؤں چھوڑنا پڑے تو کیا ہوگا؟ میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور میں اس صدمہ کے برداشت کرنے کی زبردست قوت اپنے اندر محسوس کرنے لگا۔

کرسٹانی ولپیس کے نام　　ورڈن۔ اسٹمبر ۱۷۹۲ء

میں نے تمہیں کئی خط لکھے ہیں۔ معلوم نہیں تمہیں کب پہنچتے ہیں۔ میری صحت اچھی ہے تم جانتی ہو کہ میں تمہیں دل و جان سے چاہتا ہوں۔ کاش اس وقت تم میرے پہلو میں ہوتیں۔ تمہیں اب شکایت کا کوئی موقع نہیں کیونکہ چوطرف بڑے بڑے بستر پڑے ہوئے ہیں۔ عموماً گھروں میں بچھونوں کی قلت رہتی ہے اس سے بہتر کوئی اور صورت نہیں کہ ہم دونوں

ملکر ہیں۔ جب دوبارہ ہم دونوں مل جائینگے تو پھر کبھی نہیں بچھڑینگے۔ ذرا خیال تو کرو کہ شراب موجود ہے مگر پینے کے لئے ساغر ہی نہیں اچھی منتظمہ بنو اور میری زندگی خوش گوار بناؤ۔ بچے کی دیکھ بھال کیا کرو۔ میری محبت کی حفاظت کرو۔ میں تم سے گذارش کرتا ہوں میری محبت کو پھلنے پھولنے دو۔ کیونکہ بعض وقت حد سے یہ خیال کرتا ہوں کہ کوئی اور تمہیں خوش کرتا ہوگا کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ لوگ مجھ سے زیادہ خوش اور خوش طبع موجود ہیں مگر ان باتوں پر غور کرنا تمہارا کام نہیں کیونکہ تمہیں تو میرا خیال رہتا ہوگا میں تم سے شدت سے محبت کرتا ہوں اور تمہارے سوائے مجھے کوئی اور چیز خوش نہیں کرسکتی کبھی کبھی بعض بیہودہ خیالات بھی میرے دل میں گذرتے ہیں مگر ہم ہمیشہ ایک دوسرے سے محبت ہی کرتے ہیں۔ خدا کرے کہ یہ سلسلہ محبت ہمیشہ قائم رہے۔ دیکھو میری محبت کا خیال رکھنا۔ وفاکرو ہر چیز ہماری مرضی کے مطابق ہوگی۔ جب تک تم مجھے اپنا دل نہ دوگی دنیا کی اور چیزیں لیکر کیا کروں؟ اب تو تمہارا دل بھی میرے پاس ہے۔ اور ہمیشہ اپنے پاس رکھونگا۔ یہ اس وجہ سے کہ میں تمہارا ہوں۔ بچے کو پیار میرکو سلام۔

تمہاری محبت کا
خواستگار
گوئٹے

کرسٹانی ویپس سے گوئٹے کے کئی بچے تھے کوئی بیس سال بعد باوجود سخت مخالفت کے ۱۸۰۶ میں اس نے اس کی سے شادی کی اسی زمانہ میں اس نے اپنا شاہ کار "فاسٹ" ختم کیا۔ اس شادی سے اس کو بچھتاوا رہا کیونکہ شادی کے بعد ایک اور لڑکی مینا ہرزلٹ سے عشق ہوگیا۔ گوئٹے نے ۸۲ سال کی عمر میں ۱۸۳۲ میں انتقال کیا۔

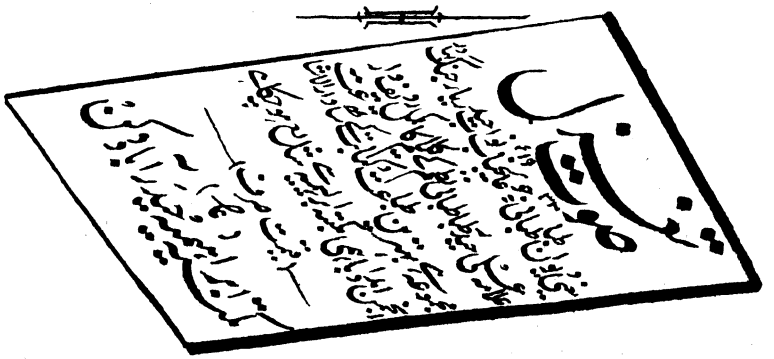

نغمۂ ہند

میں شب کی پہلی خوشگوار نیند میں
تجھے خواب میں دیکھتے ہوئے اٹھا
جبکہ بادِ نسیم کے جانفزا جھونکے چل رہے تھے
اور ستارے آسماں پر درخشاں تھے

میں تجھے خواب میں دیکھتے ہوئے اٹھا
اے پیاری! تیرے کمرہ کی خوش نما کھڑکی تک
ایک خاموش روح نے میرے قدموں کی
غیر معلوم طریقہ سے رہنمائی کی

سرو کے تار چڑھاؤ کی ارتعاشیں
گہرے اور ساکت چشمہ میں غائب ہو جاتی ہیں
جسطرح ایک سرور کن خواب کے خیال آ محو ہو جاتے ہیں
اسیطرح چمپا کی خوشبو و خوشنمائی زائل ہو جاتی ہے

ایک حرماں نصیب عندلیب کا نالہ و فغاں
اسکے نازک قلب پر تڑپ تڑپ کر مٹتا ہے
اے میری جان سے عزیز محبوبہ
میری بھی یہی تمنا ہے کہ تجھ پر قربان ہو جاؤں

آہ مجھ کو گھاس پر سے جلد اٹھا
بیہوش ہوں ناکام ہوں قریب المرگ ہوں
میرے خشک لبوں پر مردہ پپوٹوں پر
تیری محبت بوسوں کی شکل میں برس پڑے

دیکھ میرے رخسار سفید ہو رہے ہیں
میرا قلب سرد اور تیزی سے حرکت کر رہا ہے
آہ مجھکو اپنے سینہ سے چمٹانے میں تاخیر نہ کر
جہاں وہ آخر گر پاش پاش ہو جائیگا

(شیلے ۱۷۹۲ء ۱۸۲۲ء)

بس۔ بی۔ اختر حیدرآبادی

ازڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری ایم اے پی ایچ ڈی (لندن)

ادبی تنقید نگاری کے اصول وضوابط پر اس سے پہلے کوئی عالمانہ کتاب اردو زبان میں نہیں لکھی گئی یہ اپنے موضوع پر پہلی اور واحد کتاب ہے تنقید نگاری کے اصول ومبادیات پر فنی بحث کے علاوہ یورپ اور مشرق میں تنقید نگاری کی ابتدا اور اس کے ارتقا کی تاریخ بھی لکھی گئی ہے اردو کی چند چیدہ اور چوٹی کی کتابوں پر ان اصولوں کے تحت تنقید بھی کی گئی ہے۔ سررشتہ تعلیمات حیدرآباد اور جامعہ پنجاب نے اس کو پسند کر کے سینکڑوں نسخے اپنے ماتحت کتب خانوں وغیرہ کے لئے خریدے ہیں ضخامت ۳۵۰ صفحات طبع سوم

قیمت (عہ ۱۲)

مکتبہ ابراہیمیہ (محمد وحید) حیدرآباد دکن

پیغام

از

اختر حسن صاحب اختر

(۱)

پیارے نوجوانو! تم اب زندگی کی اس منزل میں پہونچ چکے ہو جب کہ قانون کی رُو سے عدالت تمہاری شہادت کو جائز تسلیم کر سکتی ہے تمہاری عمر اٹھارہ سال سے زائد ہے اور میں فرض کرتا ہوں کہ تم اٹھارہ اور اٹھائیس کے درمیان ہو جو زندگی کا بہترین زمانہ ہے آؤ کہ اسی وقت تم اپنی زندگی کو سنوار سکتے ہو اپنے مستقبل کو بنا سکتے ہو تم جوان ہو تمہارا دل جوان ہے تمہارے ولولے جوان ہیں جوانی تمہاری تابع فرمان ہے تم جو کام چاہو آج ہی اس سے لے لو ۔۔۔ کہ فردا جوانی نیاید زپیر!

کھڑے کھڑے تھک گئے ہو گے بیٹھ جاؤ ۔۔۔ آؤ عزیزمن! گھڑی بھر بیٹھ جاؤ کہ "ما جرا ہا بتو گفتن دارم"

اچھا دیکھو! تم وہ نہ ہو جو کوئی شخص نہیں بن سکتا ۔۔۔ حالانکہ ہر شخص بن سکتا ہے ۔۔۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ایک نیک نہ ہو اپنی ہستی میں ایک انفرادی شان پیدا کر لینا بڑی چیز ہے ۔۔۔ مگر یہ کیا، یہ کیا؟ تم تو ابھی سے گھبرانے لگے! میں نے، کہ اضطراب اور بیقراری کی برقی رو تمہاری ہر رگ و پے میں جاری و ساری ہے ۔۔۔ مگر یہ آثار سیدگی تو کچھ اور ہی معنی رکھتے ہیں! میں سمجھا ۔۔۔ بھاگ جانا چاہتے ہو شاید تم کو میری باتوں میں "سعدیہ" کھلکھلا کر نظر آ رہی ہیں اور یہ وحشت ۔۔۔ یہ سیدگی میرے اسی انداز سخن کا نتیجہ ہے کیا خوب! لیکن نہیں عزیزمن! ٹھہرو کہ گلستان کا "تا بنجشم" بھی تم کو سناؤں گا ۔

ہر کجا سلطانِ عشق آمد نماند قوت بازو سے تقوے اجل پاک دامن چوں زید بیچارہ ؟ او فتادہ ..... !

مگر نہیں ۔ ابھی نہیں پہلے تم اس قابل ہو کہ عوالم کے سینے تمہاری قدوقامت سے معمور ہو جائیں ۔ تم ایک انسان ہو، مکمل انسان ! کچھ پروانہ کرو اگر لوگ تمہارا ساتھ دینے میں پس وپیش کرتے ہیں تم بے تکلف سب کا ساتھ دو سب کے آڑے وقتوں میں کام آؤ اور یہ کچھ بچوں کا کھیل نہیں تم "مطلب مشکل" کو بڑی دقتوں کے ساتھ حاصل کر سکو گے عاجزی اور نیازمندی کے ساتھ اپنے رب جلیل کے آگے بھی ہاتھ پھیلاؤ ۔

اچھا ۔ میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں ۔ نہایت عاجزی کے ساتھ تم سے سوال کرتا ہوں کہ تم اس دنیا میں زندہ رہنے کا کیا حق رکھتے ہو ؟ بال مٹول سے کام نہیں چلے گا، جواب دو عزیزمن ! جواب دو کیا تم ایک صحتمند جسم، ایک قوی دل، ایک توانا دماغ نہیں رکھتے ۔ ؟ اور پھر جب تم ان سب باتوں کا جواب اثبات میں دیتے ہو تو ذرا یہ بھی بتا دو کہ تمہاری یہ ساری قوتیں کہاں صرف ہو رہی ہیں ۔ ؟

اگر تم نے اُن سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا ہے اور ان کی استعداد سے کوئی قابل یادگار کام سرانجام پہونچایا ہے تو ۔ مرحبا ! "خوش آں وقتے و فرخ روزگارے" ۔ تمہاری خوش قسمتی میں کس کو کلام ہو سکتا ہے لیکن صورت حال اگر اس کے برعکس ہے تو تم اپنی قسمت پر جتنا ماتم کرو کم ہے ؎ دریغا کہ عہد جوانی برفت ! جوانی کو زندگانی برفت ! ۔ میر کا شعر تم نہیں سنا ؎

بارے دنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو ۔ اگر تم دولتمند ہو تو یہ تمہاری بڑی خوش نصیبی ہے لیکن یہ حق تم کو کہاں سے پہونچتا ہے کہ تم دنیا کی مردم شماری میں بھی بیکار اضافہ کرتے چلے جاؤ اور پھر اپنی اولاد کو نام نہاد تعلیم و تربیت کی خاطر اپنی دولت و ثروت کے زور پر دوسرے غیر ذمہ دار ہاتھوں میں دے دو اور خود بری الذمہ ہو جاؤ ۔ ؟ اللہ اللہ ! یہ ابتدا ہی سے دوسروں کے سہارے چلنے کی تعلیم ۔ ذرا سوچو، ذرا غور کرو تم دوسروں کے بھروسہ پر زندہ رہنا چاہتے ہو ۔ معاذ اللہ ! اتنی بڑی بھاری غلطی، اپنے نفس کو ایسا کھلا ہوا دھوکہ ! ارے فریادار زوار نی خواب گراں تو ۔ یاد ہوگا میں نے ابھی ابھی تم کو زندگی کے بہترین دور میں فرض کیا ہے ۔ یعنی تم ایک مضبوط قوی اور تندرست نوجوان ہو لیکن ابھی ایک چیز کی تمہارے پاس کمی ہے اور وہ ۔ وہ مسرت ہے میں دیکھتا ہوں کہ مسرت اور شادمانی کے فقدان نے تمہارے چہروں کو پژمردہ ۔ تمہاری روحوں کو افسردہ کر دیا ہے تمہارے "گلستانِ جوانی" پر بہار سے پہلے ہی خزاں نے اپنا رنگ جما لیا ہے ۔ واحسرتا ! پست ہمت کیوں ہوتے ہو ؟ تلاش اور جستجو کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لو اور پھر ۔ دیکھنا دو دن میں دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی ! اور مسرت ۔ ہاں یہ ! جواب نعمت

نہیں کہاں ملے گی؟ بلند ایوانوں اور عالیشان عمارتوں میں نہیں، شاہی درباروں اور پرشکوہ محلوں میں بھی نہیں، شہر کی گنجان آبادیوں علما حکما کی باکیف مجلسوں، اسٹیشنوں اور کارخانوں، عدالتوں اور بازاروں کی ہنگامہ خیزیوں میں بھی اسکی جستجو بیکار ہے۔ اسے تو تم آزادی کی بہار آباد وادیوں میں ڈھونڈو۔ پھیرو! ہاں، فرد اور نخوت پرست چہروں کی طرف سے اپنا منہ پھیرو!

چھوڑ دو۔ قانون اور ذلیل رسم و رواج کی پابندیاں۔ ہیچ و پوچ لوگوں کے لئے چھوڑ دو۔ تم کو کسی کی ضرورت نہیں تم خود اپنے لئے کافی ہو۔ ایک قوی عزم ایک مستقل ارادہ کے ساتھ آگے بڑھو۔ بڑھتے چلے جاؤ۔ کامیابی کبھی قوت و طاقت کی مرہون احسان نہیں ہوئی۔ دوستوں کی ہمدردیاں اور عزیزوں کی طرفداریاں اگر تمہارے شامل حال نہیں ہیں تو کچھ غم نہیں، تمہاری اپنی کوشش اگر تمہارے ساتھ ہیں تو بس ہے۔ ہمت کافی ہے! اپنی لیاقت اپنی کوشش اور اپنے قوت بازو پر پورا اعتماد کرو اور بڑھے چلو بڑھے چلو! قدم بڑھاؤ مہربان! کیا تم ان کارآمد باتوں کو اپنے دل پر نقش نہ کرلوگے۔؟ مجھے قوی امید ہے اے میرے پیارے نوجوانو

وقت آں شد کہ در خانہ تنہی بیکار

(۲)

روخاکش بیگویم وارنگفتہ خود دل شاد مکن۔ ان لوگوں کو خوش قسمت ہرگز نہ خیال کرو جو بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں اور غلامی کی طمعتوں اور پابندی کی صعوبتوں کو نمائشی بوسات اور بھاری بھاری انقابات کی دبیز نقابوں میں چھپانے کی سعی لاحاصل کرتے رہتے ہیں۔ تم کہوگے کہ "آخر یہ جگہیں پھر کون پر کریں گے" تاکہ تمہارے قول میں صداقت کا پہلو بھی شامل ہے لیکن میں پوچھتا ہوں۔ میرے عقلمند نوجوانو! کہ کیا ایسے لوگ سرور اور مطمئن بھی رہتے ہیں۔؟ مجھے معلوم ہے تم اس کے جواب میں کبھی "ہاں" نہیں کہہ سکتے۔ برخلاف اس کے میں اپنے میان کی تائید میں ایسی ہزاروں زندگیاں پیش کرنے کے لئے تیار ہوں جو غلامی کے طوق ثقال سے آزاد مسرت اور کامیابی کی دلکشا بہاروں میں نشو نما پا رہی ہیں اور تم سوچوگے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری عقل سلیم بھی میری موافقت میں ہاتھ اٹھائے گی۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آج جو شخص سفارشوں اور طرفداریوں کے بل بوتے بلند درجوں پر پہونچ جاتا ہے کل کو وہی سفارشیں اور طرفداریاں اس کے حق میں زہر قاتل ثابت ہوتی ہیں۔ اس وقت خدا کے لئے اس کی پریشانیوں کا عالم مت پوچھو۔ اس کے دل کا کنول فرط الم سے مرجھا جاتا ہے لیکن وہ اپنے آپ کو دنیا کے سامنے خوش و خرم پیش کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ آہ! اس وقت اس کی روح کی گہرائیوں میں ایسا شدید درد انگڑائیاں لینے لگتا ہے جس کی برداشت اس کے امکان سے باہر ہوتی ہے۔ مگر خدا کی پناہ! غلامی کی ہوس اب بھی اس کے سینہ میں موجزن رہتی ہے۔ اس وقت بھی وہ اسی فکر میں سرگرداں رہتا ہے کہ کسی طرح کوئی بڑے عہدے پر پہونچ جائے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست! — اُس کی ترقی کا سب سے بڑا وسیلہ خوشامد اور چاپلوسی ہوتا ہے جس کے سہارے وہ اوروں سے سبقت لیجانا چاہتا ہے اس کی زندگی ہر لحظہ خطرے سے گھری ہوئی رہتی ہے اس کی نورانی روحانیت پر طمع شہرت اور حرص دولت کے کثیف پردے پڑ جاتے ہیں — آہ اس کا رزق بھی منت شاہ کا رزیر بار ہوتا ہے — وہ ہر وقت ایک طویل ناامیدی ایک مسلسل ہراس کے عالم سے گذرتا رہتا ہے — الغرض ایسے شخص کی زندگی — برا نہ مانئے پیارے نوجوانو! میں کہنے والا ہوں کہ ایسے شخص کی زندگی کتے سے بھی بدتر ہوتی ہے کیونکہ کتے کی زندگی عبارت ہے بھوک اور کاہلی سے لیکن یہاں لفظ غلامی کا بھی اضافہ کرنا پڑتا ہے ... کیا سمجھے؟ ... ...!

(۳)

"آج آمادہ ہوں سوتوں کو جگانے کے لئے"! — تم نے دیکھا ہوگا غلاموں کو عموماً اچھی طرح سے رکھا جاتا ہے پہننے کو مناسب کپڑے ملتے ہیں، غذا بھی اُن کو کچھ ایسی بُری نہیں دیجاتی لیکن اس بات کی ان کو ہرگز اجازت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے آقا سے کسی معاملہ میں گفتگو کریں اس کے کاموں میں دخل دیں یا اپنی کوئی خواہش کا اس سے اظہار کریں! آہ اُن کو ہر وقت بالکل خاموش اور راضی برضا رہنا پڑتا ہے — خواہ ان کا آقا کتنا ہی ظالم جابر جاہل بیوقوف اور نترابی کیوں نہ ہو — ؟ غلام چاہے علمیت اور قابلیت میں اپنے آقا سے کہیں بڑھ چڑھ کر کیوں نہ ہو اس کو ہرگز اس کی مجال نہیں ہوتی کہ وہ کبھی اپنی لیاقت اور دانشمندی کا اظہار کرے بلکہ اس کو ہمیشہ اپنے آقا کی جھوٹی اور نمائشی باتوں کے آگے، گرنہ ستائی بہ ستم پیر سد کے لرزہ براندام خوف کے زیر اثر سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ آہ

نہ تا کارہ کے قدم پہ مجھکے سُیاہ کار و بار"

آقا جانتا ہے کہ غلام ہر وہ کام جو اس کے ذمہ ہے نہایت خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیتا ہے پھر بھی وہ خواہ مخواہ اس کے کاموں میں غلطیاں نکالتا ہے اور اس کے درپے آزار ہو جاتا ہے ناچیز و یا دلی الا بصار اس وقت بار بار میرے دل میں ایک وحشتناک خیال پیدا ہو رہا ہے — خدا کرے یہ خیال میرے دل سے نکل جائے کہ وہ جو نوجوان ان سطروں کی روح فرسا حقیقت سے آگاہ ہو جائے گا وہ ایسی غلامانہ زندگی پر موت کو ترجیح دے گا واقعہ تو یہ ہے کہ یہ آثار بہت مبارک ہیں — مگر خدا کرے کہ یہ خیال میرے دل سے نکل جائے ہاں تو — اس قسم کی ذلیل غلامانہ زندگی اور ایسی حقیر پست ذہنیت صرف ان لوگوں کا خاصہ ہے جو ہر وقت قانون قدرت کی توہین پر آمادہ رہتے ہیں، جو بات قدرت کو بھاتی ہے یہ اُسے ناپسند کرتے ہیں جو چیز اس کو محبوب ہے ان کو مرغوب نہیں، جس پیغام کی وہ علمبردار ہے یہ اس سے بیزار ہیں — بہرحال تم کو اُن سے اور انکی باتوں سے کیا مطلب؟ تم تو ادھر آؤ اور بہارستان قدرت میں آزادی کے نغمے گاؤ —

سامان حیات و وجہ بقا آزادی ہی کی دیوی سے ہے! فطرت کے لبوں پر ہر لحظہ آزادی ہی آزادی ہے!
سورج کی شعاعیں ہیں آزاد اور چاند کی کرنیں قید نہیں! کروروں کے تارے ہیں آزاد اور ان کی سناتین قید نہیں!
یہ جھونکے بادِ بہاری کے ہاں پابند زنجیر نہیں! دریا کی کھلنڈری یہ لہریں پابندی سے دلگیر نہیں!
اک ایک جھلک بھی پابندی کی کس درجہ زہریلی ہے! اور روح حیات کو ہلاک فکس درجہ قفس کی تیلی ہے!
جتنی بھی مٹھاس حیات میں ہے دنیا میں جو بھی نغمہ ہے یہ نغمہ یہ سب نشیر نی آزادی کا مجموعہ ہے

ہاں تو میں کہہ یہ رہا تھا کہ غلامانہ زندگی "منکرانِ قدرت" کا شیوہ ہے یا پھر وہ لوگ اس کے اہل ہیں جو اولوالعزمانہ کام کرنے سے معذور ہوں مثلاً گونگے بہرے لنگڑے لولے اندھے اپاہج وغیرہ

پھر یہ کیا تمسخر ناک منظر ہوگا کہ تم سے میرے تندرست اور عقلمند نوجوانو جان بوجھ کر اس غلامانہ ذہنیت اور ایسے پست خیالات کی اپنے سینوں میں پرورش کرتے رہو اور بہ رضا و رغبت اپنے پر عظمت سروں کو غلامی کے ناپاک قدموں کے آگے جھکا دو۔ آہ جس شے کا نام سنیا بھی تمہارے لئے باعث ننگ ہونا چاہیے۔ کیا غضب ہے کہ تم ہونٹ چاٹ چاٹ کر اسی کی مدح سرائی میں مشغول رہو۔ خدا کرے کہ زمانہ کو عقل آجائے!

آخر اس پستی کا سبب کیا ہے؟ میرے خیال میں اس کا تنہا سبب یہ ہے کہ آج کل تمہاری خود ساختہ ضرورتیں اتنی زیادہ ہو گئی ہیں کہ تم ایک لمحہ کے لئے بھی انسے چھٹکارا نہیں پاتے ہو، تمہاری عقلیں ترقی اور تمدن کے صحیح مفہوم کو سمجھنے سے قاصر رہ گئی ہیں، تمہاری نگاہیں صاف اور سادہ اسباب معاشرت کو حقیر و ذلیل خیال کرتی ہیں تمہارے کان ہر وقت مصنوعی پر تکلف اور جھوٹے الفاظ سننے کے مشتاق رہتے ہیں تمہارے اعصاب کمزور تمہارا دل مردہ اور تمہارے حوصلے پست ہو گئے ہیں محنت سے تم جی چراتے ہو مشکل کاموں سے دور بھاگتے ہو متنقل مزاجی، وفائے عہد، پابندی اوقات، اور اسی طرح کی سینکڑوں اور خوبیاں تمہاری ہستی میں عنقا کا حکم رکھتی ہیں، نام نہاد شان شوکت اور عزت و مرتبت کے خیالات نے تم کو کہیں کا نہ رکھا اور اب دھوبی کے گدھے والی مثل تم پر خوب صادق آتی ہے ــــ للہ اپنی حالت پر غور کرو۔ اٹھو کہ بگاڑ ہی فطرت پکار رہی ہے فطرت غلامی اور ماتحتی سے شاید تمہارا مقصد جسمانی سکون و راحت اور دنیاوی شہرت و عزت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا لیکن اس کے حصول کیلئے بھی تم نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ سراسر غلط ہے افسوس! کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است اے ــــ!

اچھی طرح سمجھ لو کہ آزادی کا بلند اور خوبصورت ایوان انہیں دو چار بنیادی اصولوں پر قائم ہو سکتا ہے۔ تھوڑے

پر قناعت کرو، دولت اور شہرت کی طمع قطعاً اپنے دل سے نکال دو۔ طرح راسہ حرف ہست و ہر سہ تہی، معمولی غذا سادہ لباس اور سیدھی سادھی گفتگو میں آزادی کی ابدی مسرتیں تلاش کرو۔ ایک زلزلہ انگیز عزم، ایک ہنگامہ خیز ارادہ کے ساتھ کامیابی کے نہرے زینوں پر چڑھتے چلے جاؤ اور جب ذرا تھک جاؤ تو ان ہمت افزا نخلوں کے ٹھنڈے سایہ میں دم لو۔ حوادثات کے اونچے پہاڑ توڑ ڈالو تغیرات کو مجبور کر کے چھوڑ دو گا، میں تیری خاک وقار جمیں بناؤں گا مرے وطن تجھے خلد بریں بناؤں گا اجڑاں کو بار بار گانہ تیرے گلشن میں میں تیرے خار بھی رکھ لوں گا اپنے دامن میں اڑا دوں گا چرخ پہ جوش وفا کے افسوں سے ستارے توڑ کے لا دوں گا چرخ گردوں سے ا۔ ا"

اچھا۔ اب کل رات کو پھر باقی یہ افسانہ کہیں گے۔ آج کی باتیں غالباً بہت زیادہ "تلخ" تھیں لیکن مجھے امید ہے کہ تم ان کو تہہ کے گھونٹ سمجھو گے۔ سنا ہے دوا جتنی زیادہ کڑوی ہوتی ہے اتنی ہی فائدہ بخش بھی ہوتی ہے۔ ہاں آخر تم کیوں پست ہمت ہوتے ہو، خدا نے تمہیں اشرف المخلوقات بنایا ہے اور شاعر نے تو تمہاری عجیب و غریب تفسیر کی ہے۔ سنو! کیسے دلکش انداز میں تمہاری اصلی شخصیت کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ ذرا تم خود ہی موسیقی کے ساتھ یہ نغمہ گاؤ تو سہی ؎

کیونکر نہ کہوں قابل تعریف ہوں میں — سر سے پا تک عجیب تالیف ہوں میں
ممکن نہیں نفسِ میری صورت کی — اللہ اللہ کس کی تصنیف ہوں میں! (امجد)

رسالہ "تنظیم"، امرتسر

(کی رائے ۱۴ر جولائی ۱۹۲۷ء)

دنیائے افسانہ مصنفہ مولوی عبدالقادر سروری صاحب ام اے ال ال بی ۔ قیمت (عہ)

"یہ ایک نہایت جامع تصنیف ہے قدیم اور جدید تہذیب کے پاس علم افسانہ کے متعلق جو خزائن موجود تھے مصنف نے انہیں کافی تحقیق و قابلیت سے آراستہ فرمایا ہے۔ ادبی حلقوں میں اس کتاب کا نہایت احترام سے استقبال کیا جائیگا۔ کتاب کے کل (۲۰) باب ہیں فن کے مبادیات، خواص، فضائل منازل اور عروج ارتقار کی تشریح و تفسیر کے بعد اردو افسانوں پر بہت قابلیت سے بحث کیگئی ہے۔ کاغذ کتابت اور طباعت سے مصنف کی کافی خوش مذاقی ظاہر ہوتی ہے"

مکتبہ ابراہیمیہ (محمدو) حیدرآباد دکن

"تنوع"

(از) حضرت کوکب شاہجہاں پوری

نیرنگیٔ فطرت سے انسان مسرور بھی ہے مخمور بھی ہے
آزاد بھی ہے پابند بھی ہے مختار بھی ہے مجبور بھی ہے

کیفیتِ عشق و محبت سے دل شاد بھی ہے رنجور بھی ہے
ہمراز بھی ہے ناساز بھی ہے موصول بھی ہے مہجور بھی ہے

پابندِ تعیّن دیدۂ و دل، پروازِ تخیّل بے پایاں
انسان اک طرفہ تماشا ہے محصور بھی نامحصور بھی ہے

ہیں دیکھنے والے بے گنتی پہچاننے والا ایک نہیں
وہ دور بھی ہے نزدیک بھی ہے مستور بھی ہے منظور بھی ہے

آئینہ فطرت ہے کوکبؔ عکّاس حقیقت ہے کوکبؔ
محمود بھی ہے مخمود بھی ہے بدنام بھی ہے مشہور بھی ہے

اچھی بات ہمیشہ بُری لگتی ہے

(افسانہ)

رکن الدین صاحب قریشی متعلم ایم۔ اے۔ عثمانیہ کالج

بہن تم تو غضب کرتی ہو۔ اس بدبخت کی شادی کیا ہوئی ایک آفت ہوئی نہ دن کو چین نہ رات کو نیند، مرفت کسی نہ کسی فکر میں مبتلا رہتا ہے۔ اگر اُس کو اس کا علم ہوتا تو وہ ایسی شادی سے کوسوں دور بھاگتا اور اس کو دور ہی سے سلام کرتا۔ اسے کیا خبر تھی کہ شادی اس کے لئے وبال جان ہو جائیگی۔ اُس کے شان و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کی بیوی جو رفیق زندگی کہلاتی ہے اس طرح ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ جائیگی اور روز کریگی، تم نے تو اپنی فرمائشات اور مطالبات سے اپنی روک ٹوک سے غرض آئے دن کے جھگڑوں سے اس بیچارے قسمت کے مارے کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ یہ تو ذرا خیال کرو کہ اس غریب کو محض تمہیں خوش کرنے اور تمہارے آرام آسائش کے سامان مہیا کرنے کی خاطر کتنی تکلیفات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کتنی مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں۔ شادی سے پہلے اس کو کبھی نوکری کی فکر نہ تھی اللہ کا دیا اس کے لئے کافی تھا اپنے گھر بیٹھے کھانا کھاتا اور جیب خرچ کے لئے جو کچھ ملتا اپنے دوست احباب میں خوشی سے خرچ کرتا تھا مگر خوشی جو اسے پہلے نصیب تھی شادی کے بعد یکلخت ضبط ہو گئی۔ ادھر شادی ہوئی ادھر نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا۔ بیسیوں کی خوشامدیں کیں، ہر دفتر میں درخواست دی عہدہ داران کے گھر تحفے تحائف پہنچائے، غرض ذریعہ معاش کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اس دوڑ دھوپ کے بعد کمبخت کو ملازمت ملی بھی تو تیس تا ساٹھ کی۔ بیچارہ صبح آٹھ بجے جاتا ہے تو شام کے ۵ بجے تک قلم کو ہاتھ سے جدا نہیں کر سکتا۔ کام کی کثرت

اور پھر منتظم صاحب اور دوسرے عہدہ داروں کی سختی سر کھجانیکی فرصت نہیں ملتی۔ ذرا تم بھی غرور کرو اور جیسا آرام طلب شخص جو اپنے والدین کے حین حیات ناز و نعم میں پلا ہو اتنی مشقت کیسے گوارا کر سکتا تھا لیکن کیا کرتا مجبور تھا۔ تمہاری بہبودی اور آسائش اس کے مدنظر تھی محض تمہاری پرورش اور آرام و آسائش کی خاطر ہر طرح کی مصیبت بڑے صبر و استقلال سے جھیلنے کے لئے تیار تھا۔ اوس نے کسی خفت اور تہمک کی پروا نہیں کی اپنے عہدہ داروں کی ڈانٹ ڈپٹ اور انکے بُرے رویہ کو بھی گوارا کر لیا اور اس غلامانہ ذہنیت پر اپنے دوستوں کی نکتہ چینی کو بھی نظر انداز کر دیا۔ لیکن افسوس کہ تم کو اس کا ذرا بھی احساس نہیں۔ تمہارا فرض ہے کہ دفتر سے جب وہ تھکا ماندہ آئے تو اس کی اپنی خدمت سے اظہار ہمدردی سے اور میٹھی میٹھی باتوں سے خوش کرو۔ اس کی محنت کی داد دو اس کے خلوص اور محبت کا اعتراف کرو اس کی مہربانی کا شکریہ ادا کرو۔ برخلاف اس کے تم گھر بیٹھے دن بھر سوچا کرتی ہو کہ آج انکے آنے پر کونسی تازہ فرمائش کروں اور اسکا اظہار کن الفاظ میں کیا جائے۔ چنانچہ تمہارا خاصہ ہے کہ ادھر میاں کے آنیکا وقت ہوا ادر ادھر تم زبردستی منہ پھلا کر بیٹھ گئیں۔ میاں دفتر کے کام سے نجات پا کر تھکے ماندے گھر آتا ہے کہ شاید اب آرام ملیگا لیکن یہاں اس قسمت کے مارے کو عجب روحانی تکلیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے جس ہستی کی خاطر اس نے دن بھر پسینہ ٹپکایا تھا اسکو بجائے مغموم پاتا ہے۔ اس کو یہ بات حد درجہ شاق گذرتی ہے اس پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ پھر بھی وہ اپنے کو سنبھالتا ہے اور قریب آکر محبت بھری آواز میں تمہاری مزاج پرسی کرتا اور رنجیدگی کی وجہ دریافت کرتا ہے مگر تم پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ تم اپنے پارٹ کے ادا کرنے میں بڑی مشاق ہو، رونی آواز میں گلہ کرتی ہو کہ اتنی دیر کے بعد آئے تو سہی، لیکن میرے واسطے کچھ بھی نہیں لائے۔ تم کو میرا اور میری خواہشات کا خیال ہی کیوں ہونے لگا تم کو میری کوئی پروا نہیں، ہمیشہ تم میری فرمائشات اور مطالبات کو ٹھکراتے ہو جسکی وجہ سے میرے کمزور دل کو ٹھیس لگتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس رنج و کوفت کا ایک دن شکار ہو جاؤنگی۔ اس پر تم جھوٹے آنسو بھی بہاتی ہو۔ بھلا خیال تو کرو کہ اس خلاف امید گفتگو کا اس غریب پر کیا اثر ہوگا۔ اُسکے اوپر مصیبت کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے وہ تحیر سا رہ جاتا ہے کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔ وہ اسی عالم میں رہتا ہے کہ تم پھر آنسو پونچھتے ہوئے اپنا راگ شروع کر دیتی ہو۔

تم نے اُس دن بھی ایسا ہی کیا۔ تم میری ہر بات کی کاٹ کرتے ہو میرا کوئی کام تمہیں پسند نہیں۔ میں اگر فقیر کو خیرات دوں تو روکتے ہو انا کے بچے کے واسطے کرتے کی فرمائش کرتی ہوں تو اپنا خطبہ سناتے ہو۔ اپنے لئے کسی چیز کی خواہش کرتی ہوں تو منہ کڑا لیتے ہو غرض میری کوئی خواہش بھی پوری نہیں ہوتی اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ تم مجھے اس طرح ترساؤ گے تو میں تم سے ہرگز ہرگز شادی نہ کرتی اور عمر بھر ان بیاہی رہتی۔ لوگ کہتے ہیں کہ شادی کے بعد ہر طرح کی آزادی نصیب ہوتی ہے اور ہماری ساری فرمائشیں پوری ہوتی ہیں

لیکن میری قسمت کہ معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ یا اللہ میں کس قدر بدنصیب ہوں کہ شادی کے بعد خوشحالی اور فرحت کی بجائے رنج والم اور کوفت میرے حصہ میں آئی۔ عظیمہ اور کشوری کس قدر خوش نصیب ہیں کہ شادی کے بعد کوئی ایسی چیز نہیں جو انکو نصیب نہیں۔ روزانہ موٹروں میں پھرا کرتی ہیں اور من مانے پیسے لٹاتی ہیں۔ کوئی بھی روکنے والا نہیں۔ انکے سب ارمان پورے کئے جاتے ہیں یا اللہ مجھے موت دے اس جینے سے تو مرنا ہی بہتر ہے۔ پرسوں عظیمہ کے گلے میں موتیوں کا ہار دیکھتے ہی میرا کلیجہ منہ کو آگیا۔ لیکن کیا کرتی اس کی خواہش کرنے سے تو رہی۔ میری سننے والا کون ہے۔ مجھے شادی کی تو مجھے ہر ایک نعمت سے محروم رکھنے کے واسطے وغیرہ وغیرہ۔

بیچارہ ہیوت ساکھڑ استنا ہے اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے کبھی تو اس کے خیال میں آتا ہے کہ ایسی زندگی سے تو خودکشی بہتر ہے اور اس کے دماغ میں خودکشی کے کئی طریقے گشت لگاتے ہیں لیکن پھر اس کو خیال ہوتا ہوگا کہ اسی میں میرا تو کوئی قصور نہیں یہ سارا فساد تمہاری بیوقوفی اور ضد کا ہے۔ سمجھانے کی کوشش کرتا ہے کہ میں غریب ہوں میری آمدنی بالکل قلیل ہے اور اتنی نہیں کہ تمہاری فرمائشوں کو پورا کرسکوں تم جو عظیمہ اور کشوری کو دیکھکر کڑھتی ہو اور آنسو بہاتی ہو تو یہ بالکل غلط اصول پر مبنی ہے اس وجہ سے کہ وہ رہے امیر اور رہم غریب انکی آمدنی معقول ہے اور ہماری آمدنی خورد و نوش کے لئے بھی مشکل سے کافی ہوتی ہے لیکن تم ہو کہ مانتی نہیں اور برابر اپنی ہٹ پر قائم ہو عظیمہ اور کشوری کی طرح اچھی زرق برق پوشاک میں ملبوس رہنا چاہتی ہو تو یہ بھلا کیسے ممکن ہوسکتا ہے تمہارے ہاں اتنی دولت کہاں ذرا اپنے ہوش سنبھالو اور عقل کے ناخن لو جتنی چادر دیکھو اتنے ہی پیر پھیلاؤ۔ تم کو اتنا تو خیال ہونا چاہیے کہ تمہارے شوہر کی آمدنی تیس روپیہ ہے اس میں غلہ مکان کا کرایہ دھوبی مہتر وغیرہ کی تنخواہیں ادا ہوں اور پھر دوسرے اخراجات بھی تو ہیں۔ اسکے بعد کچھ روپیہ بچیگا تو وہ تمہاری چھوٹی موٹی فرمائشوں پر خرچ ہوجاتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ تم عظیمہ اور کشوری کا مقابلہ کرسکو وہ لوگ جتنا خرچ کریں اتنا کم ہے۔ وہ دونوں تعلقدار لوگوں کی بیویاں ہیں انکے شوہروں کی تنخواہیں ساڑھے تین سو سے اونچی ہیں کاش تم بھی بڑی تنخواہ والے کی بیوی ہوتیں لیکن نہیں تمہاری قسمت کا یہ تمہیں ملا۔ اسی پر اکتفا کرو اور قناعت سے بسر کرو اور صاحب خانہ کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگو اور خوش رہو اس غریب پر اس طرح بیوجہ ظلم کرنے سے کیا فائدہ۔

دیکھو بہن میں تو یہ کہے دیتی ہوں کہ تمہیں برا معلوم ہو یا بھلا یہ تمہارا رویہ بالکل ٹھیک نہیں اس میں تمہارا بہت نقصان ہے وہ نہ معلوم تم سے تنگ آکر کیا کر بیٹھے۔ پھر لینے کے دینے پڑ جائینگے یہ تمہاری سلاست روی کی چال نہیں اگر تم اسی طرح اسے دنیا سے بیزار کردوگی تو یاد رکھنا کہ وہ اپنی جان پر کھیل جائیگا۔ خود مریگا یا تم کو مار ڈالیگا یا تم سے جلد از جلد قطع تعلق کی کوشش کریگا یعنی تم کو طلاق دیگا اور اس دن رات کی سکرات کا خاتمہ کر ڈالیگا۔ پیاری بہن اب میں جاتی ہوں غماست ہو تو جو کچھ میں نے کہا معاف

تمہاری بھلائی کے لئے کہا بہت دونوں سے تم سے ملنا چاہتی تھی آج موقعہ ملا دل کھولکر نصیحت کی اس میں شک نہیں اچھی بات ہمیشہ بری لگتی ہے اب تم مجھ سے بہت بگڑ گئی ہو لیکن ذرا غور کرنیکے بعد مجھے یقین ہے کہ تم سیدھی راہ پر آجاؤ گی اور یاد کرو گی کہ واقعی بات پتہ کی کہی تھی اور اس پر عمل کرنے سے تمہارا ہی فائدہ ہے کیوں ہے نا اچھا ذرا مسکرا دو ہم جاتے ہیں خدا حافظ

مئی باقی

از

(مولانا امانی صاحب)

رفتم از خود ز خودی لیک گمانم باقیست — نو بہارم شدہ آثار خزانم باقیست
رفت در دل و تاثیر فغانم باقیست — عشق آنست کز و نام و نشانم باقیست
گرچہ فانی شدہ ام ذکر و بیانم باقیست

سینہ زارم خستہ کباب آسا ہست — صفحۂ دل بہ خط نسخ کتاب آسا ہست
ہست و بود من موہوم سراب آسا ہست — گوہر ہستی من گرچہ حباب آسا ہست
ذات حق کان من و بحر روانم باقیست

چوں مہ چاردہ آں غیرت حورم تابید — ز و صالش بدلم مہر سرورم تابید
مستم و برق تجلیش ز دورم تابید — شعلۂ نور قدم بر دل طورم تابید
سوختم خاک شدم سوزش جانم باقیست

رفت ساقی و مئی خم شد و مے آخر گشت — قصۂ جام جم و حاتم طے آخر گشت
تاج پرویز شد و سطوت کی آخر گشت — محفل ساغر و مے مطرب و نی آخر گشت
مستی و وجد دل رقص کنانم باقیست

جامۂ ہست من غمزدہ چاکست نیاز — جانم از دود دل سوختہ پاکست نیاز
تن امی ست ز خاک ہمہ خاکست نیاز — گر نماندیم دریں دیر چہ باکست نیاز
کز ازل تا بہ ابد جان جہانم باقیست

سعدی شیرازی

(از)
محمد خاں صبا

حضرت سعدی کی صحیح تاریخ ولادت پردۂ اخفا میں ہے۔ سوانح نگاروں کو اس بارے میں سخت اختلاف ہے اور جو تاریخ اندازاً مقرر کی گئی ہے وہ ۵۷۵ھ اور ۱۱۹۴ء کے بین بین بتلائی جاتی ہے۔ انکی ولادت گاہ فارس کا مشہور و معروف شہر شیراز ہے جو ادبیات فارسی میں لازوال شہرت کا حامل ہے۔

اپنے ادبی عربی گھرانوادہ اتابک کے شہریار سعد بن زنگی رجو فارس پر ۱۱۹۶ء سے ۱۲۲۴ء تک حکمران رہا اس کی رعایت سے انہوں نے اپنا تخلص سعدی اختیار کیا۔ ملا جامی ایران کے آخری ممتاز شاعر نے بھی سعدی تخلص کرنے کی یہی توجیہ کی ہے۔

حضرت سعدی کا اصلی نام مصلح الدین تھا۔

طفولیت میں شیخ کی ابتدائی تعلیم مذہب اور دینیات کی حد تک رہی انکے والد اپنے لڑکے کو ہر وقت ساتھ رکھا کرتے تھے اور انکی آنکھیں اپنے معصوم نورنظر کی حرکات و سکنات پر ہر وقت لگی رہتی تھیں۔ اس واقعہ کا ذکر خود شیخ نے آگے چل کر بوستاں میں کیا ہے اور اپنی ابتدائی تربیت کے بارہ میں اپنے والد کو خراج تحسین ادا کیا ہے۔ بہرحال والد کا انتقال انکے بچپن ہی میں ہو گیا اور والدہ انکی پرورش کی کفیل ٹھہریں۔

شیخ کی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے

(۱) پہلا دور اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب وہ شیراز سے روانہ ہو کر بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں شریک ہوئے یہاں سے انکو وظیفہ بھی ملنے لگا اور یہیں انکی ملاقات شہرہ آفاق صوفی اور فلاسفر حضرت شہاب الدین سہروردی سے ہوئی۔ انکا یہ دور جو ۱۲۲۶ء تک ہے بغداد ہی میں بسر ہوا اور وہ ایک عالم دین اور کامل الفن ادیب ہو گئے شیخ ماہر السنہ بھی تھے۔ وہ نہ صرف عربی اور مصری زبانوں میں کامل تھے بلکہ انہیں زند پر بھی کافی عبور تھا

(۲) زمانہ سیاحت کا آغاز ۱۲۲۶ء سے ہوتا ہے۔ مغلوں کی تاتار کی وجہ سے انھوں نے شیراز چھوڑ کر دنیا کے ایک زبردست حصہ کی سیاحت کی جو ایشیائے کوچک سے لیکر ہندوستان و ترکستان سے لیکر حبش تک شامل ہے اس اثنا میں انہوں نے دو مرتبہ شادیاں کیں۔ پہلی بیوی سے ایک لڑکا تولد ہوا جس کی موت کا حال انہوں نے بوستاں میں بیان کیا ہے۔

(۳) حضرت سعدی کی زندگی کا تیسرا دور یعنی ادبی مصروفیات کا زمانہ اس وقت شروع ہوتا ہے جب وہ مراجعت فرمائے شیراز ہوئے۔ آخری تیس سالوں میں سعد کے بیٹے اور ولیعہد ابوبکر نے مملکت فارس پر اس خوبی سے داد حکمرانی دی کہ ملک دولت ثروت، امن اور خوشحالی میں اپنی سابق حالت پر عود کر آیا شیخ شیراز سے لوٹ کر دربار شاہی میں حاضر ہوئے اور نہ صرف بادشاہ کی مدح میں قصائد لکھے بلکہ اپنی شہرہ آفاق کتابوں گلستان اور بوستاں کو اسی کے نام سے معنون کیا۔ اس بادشاہ کے عہد سلطنت میں شیخ ان مراتب عالیہ پر فائز ہوئے جو شاید ہی کسی شاعر کو نصیب ہوئے ہوں۔

اپنی عمر کے آخری ایام میں شیخ نے شہر شیراز کے باہر ایک خانقاہ میں سکونت اختیار کر لی اور خود کو یاد الٰہی کے لئے وقف کر دیا۔ یہاں انکی زیارت کے لئے سینکڑوں معتقدین آتے تھے جن میں شہزادے اور وزراء بھی شامل ہیں۔ ۱۲۹۱ء میں وہ ہمگزار سرائے فانی ہوئے انکا مقبرہ جو سعدیہ کے نام سے معروف ہے شیراز سے دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

اخلاق و عادات

شیخ کی بلند پایہ اخلاق کی نمایاں خصوصیتیں انکا تقدس، ذکاوت، مزاح، آزادہ روی، مردم شناسی اور راست بازی تھیں۔ آخری خصوصیت کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جبکہ انہوں نے اپنے مربی کو کہ بندوں اور بے خوف و خطر نصیحتیں کی ہیں اور خصوصاً انکی وہ جرأت آزما عرض شکایت ابوبکر سے حیرت انگیز ہے جو مملکت فارس کا جلیل القدر فرمانروا تھا اور جس نے بغداد کی تباہی ۱۲۵۸ء میں مغلوں کی استعانت کی تھی مطلق العنان حکومت میں اس سے زیادہ اور کوئی چیز خطرناک نہیں ہے کہ خود حکمران کے طرز عمل پر آزادانہ تنقید کی جائے۔ لیکن شیخ نے حکومت وقت کی کمزوریوں کو اس عمدگی سے بے نقاب کیا

جو ایک دستوری حکومت میں بھی اس قدر صاف صاف بیان نہیں کی جاتیں

تصانیف انکی تصانیف مشرقی طرز کی حامل ہیں۔ ان میں ادبی و اعلیٰ ہر شخص کو اس کے مذاق بانٹیں ملینگی۔ انکا ہر تصنیف ایک سن رسیدہ اور بالغ نظر انسان کی جنبش قلم کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں۔ اور یہ کہنا مطلق نادرجی نہ ہوگا کہ شیخ کی تصانیف کی باعث ہم سے بہتر متعارف ہیں وہ اب انکے قلم سے اس وقت نکلی ہیں جب وہ اوسط عمر سے تجاوز ہو چکے تھے یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ انکی ہر دلعزیز اور شہرہ آفاق تصنیف گلستان اس عہد کی پیداوار ہے جب انکا سن پچاس سے زیادہ ہو چکا تھا جیسا کہ انہوں نے خود گلستان کے دیباچہ میں ہم سے بیان کیا ہے۔ یہ درست ہے کہ دوران سیاحت میں اپنی کتابوں کے لکھنے اور مواد فراہم کرنے میں وہ وقت نکالا کرتے تھے ایک مغربی نقاد نے اس بحث کو ذیل کی عبارت میں عمدگی سے واضح کیا ہے:-

"سیاحانہ اور غیر مطمئن زندگی میں افلاس اور پریشانیوں کے درمیان وہ شہرت، دانائی اور تبحر علمی میں سرآمد اقران و اشباہ ہو گئے۔ اس لئے کہ خوش اقبالی کی دولت سے محروم رہکر بھی انکی زندگی کا بیش بہا حصہ شہر بہ شہر اور ملک بہ ملک کی مسلسل سیاحت کی نذر ہوا۔ یہ سیاحت ابتدا میں شاید کسی سرپرست کے حصول کی توقع میں اور بعد ازاں پسند اور عادت پر مبنی تھی۔ اسی زمانہ میں انکے کلیات کی تکمیل ہوئی حالانکہ وہ بہ دیر شروع کی گئی تھی۔

اسی گشت اور بادیہ پیمائی کے دوران میں انہوں نے تصانیف کی کوشش کی جو دوسرے شخص کے لئے مشکل اور اسی طرح انہوں نے اپنے مطالعہ کا انتظام بھی کیا۔"

شیخ کی تصانیف کو انکی وفات کے پچاس سال بعد علی بن احمد نامی انکے ایک دوست نے کلیات کے نام سے اکٹھا کیا جو حسب ذیل کتابوں پر مشتمل ہے۔

(۱) گلستان (۲) بوستان (۳) طیبات (۴) غزلیات قدیم (۵) بدایع (۶) خواتیم (۷) قصاید فارسی (۸) قصاید عربیہ (۹) پندنامہ (۱۰) مطائبات و ہزلیات۔

شیخ اور تصوف شیخ بہ حیثیت مجموعی ایرانی اخلاق کے فطری، نیم زاہدانہ اور نیم دنیاوی پہلو کو پیش کرتے ہیں۔ اس زمانہ کا ماحول تصوف اور اس کے طرز بیان سے نہایت ہم آہنگ تھا جو ایک عام فہم انسان کی رسائی عقل سے حد درجہ بالاتر تھا اور اس وقت بھی ہے شیخ کی تصانیف میں اس کی طرف اشارے کم نہیں پائے جاتے جنہیں ہم غیر یقینی کہہ سکیں اس لئے بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ دنیوی ہشیاری یا الفاظ دیگر تصوف انکی تصانیف کا اہم جزو ہے شیخ کو تصوف میں اوسط

درجہ کا دخل تھا لیکن چونکہ وہ اپنے عہد کی پیداوار تھے اس لئے وہ انہیں خیالات کا ساتھ دیئے بغیر نہ رہے جو ہر تعلیم یافتہ اور مہذب دماغ کو اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں۔

حضرت ابوسعید ابوالخیر، عطار، اور سنائی جیسے بہت سے شعرا جو شیخ سے پہلے ہوئے ہیں بلند پایہ صوفی ہوئے ہیں اور انہی کی مساعی جمیلہ سے صوفیانہ طرز بیان عام ہو گیا۔ غزل کو شعرا جو شیخ سے پیشتر گذرے ہیں انہوں نے اپنی ساری قوتوں اور کوششوں کو متصوفانہ مسائل کے اظہار کے لئے وقف کر دیا تھا اس لیے شیخ کے زمانہ میں تصوف کو فارسی شاعری کی روح رواں سمجھا جاتا تھا

شیخ بہ حیثیت شاعر کے

حقیقت میں شیخ ایک حسن کار شاعر تھے انہوں نے کائنات عالم کا گہرا مطالعہ کیا اور ان کو عجائبات قدرت کے جلوہ گر کرنے میں خاص شغف تھا۔

"وہ ہمیں نیکی کے اصول جو روح کی گہرائیوں میں مرکوز ہوتے ہیں سکھاتے ہیں"

شاعری کے پردہ میں انکا تخیلانہ اظہار حسن، بانکپن، لطافت، اور نزاکت رکھتا ہے ان کی متنوع قافیہ پیمائی ترنم اور ہم آہنگی رکھتی ہے۔

شیخ غزل گو شاعر کی حیثیت میں

شیخ کی غزلیں دیگر شاعروں کی غزلوں کی طرح فارسی عروض اور روایات عشق کی پابند ہیں جیسے حسن بیقراری، شوریدگی، ہجر کی کلفتیں، عشق کی آہ وزاریاں، وصل کی بیقراریاں معشوق کے حال کی تعریف بے چینی، اضطراب، نیند کا مفقود ہونا، دل دوز آہیں، آہ و بکا، نالہ و شیون وغیرہ اس کا روشن پہلو یہ ہے کہ انکی غزل میں شراب کا سرور، فطرت اور کائنات کا حسن، باد صبا کی دل آویزیاں، چشموں کا ترنم اور باغ و بہار کی مسرت سامانیوں کا اظہار وجد آفریں طریقہ پر ہوتا ہے۔ ان عارضی لیکن دلکش چیزوں کا اظہار کے ساتھ ساتھ فارسی فلسفہ اور ادب کی موجیں بھی ان میں دوڑتی رہتی ہیں شیخ ہر زمانہ میں اور یہاں تک کہ حافظ اور دیگر کامل فن فارسی شاعروں کے مقابلہ میں کبھی گھٹیا نہیں سمجھے گئے۔ ذیل کے شعر میں حافظ نے بھی شیخ کی برتری کو تسلیم کیا ہے ؎

استاد غزل سعدی ست پیش ہمہ کس اما دارد سخن حافظ طرز سخن خاجو

گستی انکو "ایران کا جگمگاتا جوہر تقدس، تبحر اور ادراک کا لاثانی حامل" سمجھتا ہے۔ جامی انکو عندلیب چمن خیراز کہتے ہوئے حب ذیل مشہور رباعی کی تائید کرتے ہیں جس میں شیخ کو فارسی شاعری کے تین پیغمبروں میں سے ایک تسلیم کیا گیا ہے

رُباعی

ور شعر سہ تن پیمبر اند ہر چند کہ لا نبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را فردوسی و انوری و سعدی

شیخ کے ہمعصر خطاب ملک الشعرائی جو ہر طرح شیخ کے سزاوار تھا غالباً انکی عدم موجودگی میں اتابکان فارس نے شاعر ہمگر کو عطا کیا تھا۔ ز رسکہ ہمگر صنف شاعری میں کم سواد تھا لیکن شیخ کی بڑھتی ہوئی شہرت کی کسی طرح پذیرائی نہ کر سکتا تھا۔ جب دوسرے ہم عصر شعرا نے اس سے سعدی اور امامی کے کلام پر محاکمہ کی درخواست کی تو ہمگر نے یہ رباعی لکھی۔

رُباعی

ما گرچہ بہ نطق طوطی خوش نفسیم بر شکر گفتہ ہائے سعدی مگسیم
ور شیوہ شاعری بہ اجماع اُمم ہرگز من و سعدی بہ امامی نہ رسیم

شیخ نے اسکے جواب میں رباعی لکھی

رُباعی

ہر کس کہ بہ بارگاہ سامی نہ رسد از بخت سیاہ و بد کلامی نہ رسد
ہمگر کہ بہ عمر خود نہ کردست نماز شک نیست کہ ہرگز بہ امامی نہ رسد

شیخ بلاشبہ اپنے زمانہ کے فقید المثال شاعر تھے انکا ایک ہم عصر شاعر تمام شیخ کے ساتھ اپنی عدم قابلیت مسابقت پر افسوس کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

ہمام ساخن دلفریب شیریں ست
ولے چہ بود کہ بیچارہ نیست شیرازی

فارسی شاعری کا اسلوب اور شیخ کی غزلیات کی خصوصیت فارسی شاعری اپنی خصوصیات کے لحاظ سے ایک بالکل علحدہ چیز ہے ابتدائی فارسی شعرا اپنے تخیلات کے اعتبار سے بیحد جدت پسند تھے لیکن اس کے بعد نقل اور تتبع کا ایک دور قائم ہو گیا تھا۔ متاخرین میں سے کسی کو بھی اسکی فکر نہ تھی کہ دنیا کے آگے کوئی نئی چیز پیش کرے بلکہ انکی تمام تر کوششیں قدیم روندے ہوئے اور پامال مضامین کو نئے لباس میں پیش کرنے

میں صرف ہونے لگیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فارسی شاعری محدود ہو کر رہ گئی۔ مذکورہ قسم کے شعراء کے کلام کے ہزاروں صفحے پڑھ جائیے لیکن آپ کہیں کسی نئے خیال سے دوچار نہیں گے۔ آپ اپنی تلاش کے دوران میں انہی فرسودہ اور پامال خیالات کا بار بار اعادہ پائینگے

یہ علوم کرنے کے بعد جب ہم سعدی کے کلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم کو تاریخ ادبیات ایران میں ایک عجیب شخصیت نظر آتے ہیں۔ انہوں نے ہم کو نہ صرف بلند پایہ مضامین اور حکیمانہ نکات سے آگاہ کیا بلکہ انکو اپنے خاص شاعرانہ دلچسپ اور لطیف پیرایہ میں بیان کر گئے۔ انکی منظومات فلسفیانہ اور اخلاقی مضامین سے مالا مال ہیں۔ اخلاقی شاعری، اس صنف شاعری میں داخل ہے جس کا ایک خاص مقصد اور خاص پیغام ہوتا ہے۔ اس طرز شاعرانہ میں دنیا کو اخلاقی تعلیم بڑی مشکل ہے ورڈسورتھ کو یہ بات نصیب ہوئی تھی لیکن سوائے ایک دو نظموں مثل "واڈ ٹوڈیوٹی" اور "ٹرن ٹرن ایبی" کے وہ کامیاب نہ ہو سکا لیکن سعدی کا بیشتر کلام حکیمانہ نصائح۔ عاقلانہ مواعظ اور پر لطف نکات سے معمور ہے۔ دنیا نے چند ہی شخصیتیں پیدا کیں جنکی تصانیف کو قبول عام کی عزت نصیب ہوئی۔ سعدی بھی اسی صف مصنفین کے ایک رکن ہیں جنکی تصانیف ہر زمانہ میں قدر کی نگاہ سے دیکھی گئیں اور آئندہ دیکھی جائینگی۔ (ترجمہ)

ترجمان القرآن

تقطیع رائل سائز ۱۲ صفحات (۲۰) مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس

ملنے کا پتہ: تحریک قرآن اکیڈمی حیدرآباد دکن۔ چندہ سالانہ ۵

یہ حیدرآباد دکن کا ایک ماہوار مذہبی رسالہ ہے جو تقریباً ایک سال سے جاری ہے رسالہ کا واحد مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کو قرآن مجید کی صحیح تعلیم دیجائے تاکہ وہ اصلی معنوں میں مسلمان کہلائے جاسکیں حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو انہیں امور پر توجہ کرنیکی زیادہ ضرورت ہے اس لئے کہ محض طوطے کی طرح بے سوچے سمجھے قرآن شریف کا پڑھنا ذرا بھی مفید ثابت نہیں ہو سکتا آج ہم دنیوی علوم وفنون حاصل کرنے کے لئے غیروں کے آگے زانوئے شاگردی تہ کرنا باعث فخر سمجھتے ہیں مگر کبھی ٹھنڈے دل سے اس پر غور نہیں کرتے کہ آخر وہ کونسا سحر تھا کہ ہمارے اسلاف نے صرف قرآن شریف پڑھکر ایک دنیا سے اپنی علمی قابلیت اور استادی کا لوہا منوالیا تھا بات یہ تھی کہ انہوں نے قرآن شریف کو صحیح طور سے پڑھا اور اس پر عمل کیا ترجمان القرآن کی اشاعت کا بھی یہی مقصد ہے کہ ہم اور ہماری نسلیں قرآن شریف کو صحیح طریقہ سے پڑھیں اور اس پر عمل کریں۔

پرتو انجنل

(از)

(انڈین شکسپیر آغا حشر کاشمیری)

جو خزاں ہوئی وہ بہار ہوں جو اتر گیا وہ خمار ہوں
جو بگڑ گیا وہ نصیب ہوں جو اجڑ گیا وہ سنگھار ہوں

میں کہاں رہوں میں کہاں بسوں نہ یہ مجھ سے خوش نہ وہ مجھ سے خوش
میں زمیں کی پیٹھ کا بوجھ ہوں میں فلک کے دل کا غبار ہوں

کوئی زندگی ہے یہ زندگی نہ ہنسی رہی نہ خوشی رہی
مری گھٹ کے حسرتیں مر گئیں میں انہی حسرتوں کا مزار ہوں

مرا حال قابل دید ہے کہ نہ یاس ہے نہ امید ہے
نہ گلہ گذار خزاں ہوں میں نہ سپاس سنج بہار ہوں

وہ ہنسی کے دن وہ خوشی کے دن گئے حشر یاد ہی رہ گئی
کبھی جام بادۂ ناب تھا مگر اب میں اس کا اتار ہوں

ایک دلچسپ سفر

از

سکندر علی صاحب جد

دو گھنٹے کی مسلسل بحث و تمحیص کا آخر نتیجہ نکلا۔ تمام برادران اقامت خانہ نے اس رائے سے اتفاق کیا کہ تعطیلات میں قلعہ دولت آباد، خلد آباد اور غار ہائے الورہ کی سیر کے لئے چلیں گے۔ تین دن کی چھٹی اس فیصلے کے دوسرے ہی دن سے شروع ہوتی تھی۔ صبح ہوتے ہی سامان سفر ٹھیک کیا جانے لگا۔ ملازمین کو ضروری ہدایات دیدی گئیں باورچیوں کو توشہ تیار کرنے کے لئے کہہ دیا گیا۔ مختلف گھریلو کھیل (Home Games) مثلاً شطرنج، ڈراس، فنگر بلیرڈ وغیرہ ساتھ رکھ لئے گئے۔ الغرض شام ہوتے ہوتے سارا سامانِ سفر بالکل بس تھا۔ شام کا کھانا ختم ہوتے ہی تمام سبز بنڈیوں پر لاد دئے گئے۔ ملازمین سے اسٹیشن جلد پہنچنے کی ہدایت کردی گئی اور ہم سب ٹھیک ساڑھے سات بجے اقامت خانہ سے پیدل روانہ ہوئے۔ راستہ بھر کورس (بہت سے آدمیوں کا ساتھ ملکر گانا) ہوتا رہا۔ اسٹیشن پہنچے تو ساڑھے آٹھ بج چکے تھے۔ دوسرے مسافروں کے لئے ہم ایک عجوبہ بنے ہوئے تھے بعض کہہ رہے تھے "اسکول کے لڑکے معلوم ہوتے ہیں، کہیں کھیلنے جارہے ہیں" یہ سنکر ایک صاحب فرمانے لگے "جانہیں رہے ہیں، شاید کوئی ماسٹر صاحب اس گاڑی سے آرہے ہیں۔ انکے لینے کو یہ سب یہاں آئے ہیں" اسی طرح ہمارے متعلق مختلف خیال آرائیاں ہوتی رہیں۔ اتنے میں ٹکٹ خریدنے کی گھنٹی بجی۔ گاڑی اورنگ آباد سے ٹھیک نو بجے چلتی تھی ٹکٹ خرید لئے گئے۔ اب صرف دو چیزوں کا انتظار تھا ایک ٹرین کا دوسرے ——— بستروں کی بنڈیوں کا۔ ہم میں سے

ہر ایک نہایت بیتابی کے ساتھ کبھی ریل کی پٹڑی کی طرف نظر پھیر رہا تھا اور کبھی سڑک کی طرف۔ جو بھی بنڈی آتی دکھائی دیتی "بستروں کی بنڈی" سمجھ لی جاتی اور جو آدمی نظر آتا سب ہم آواز ہو کر "وہ اکریم (چراسی) آیا" بنڈیوں کا خیال دماغوں پر اس قدر مسلط تھا کہ ہمارے ایک دوست وحشت کے عالم میں فرمانے لگے "غضب ہو گیا! ریلیں تو اب تک نہیں آئیں اور بنڈی کی لائیٹ صاف نظر آرہی ہے" ـــــ ادھر ٹرین اسٹیشن میں پہنچی ادھر کریم نے آواز دی "میاں! بنڈیاں آگئیں" ہم سب کے سب بنڈیوں کی طرف لپکے اور آن کی آن میں تمام بستر پلیٹ فارم پر پہنچ گئے۔ وقت نہایت تنگ تھا۔ اس لئے بڑی تیزی سے بستر ٹرین میں پھینکے جانے لگے۔ ہماری اس وحشیانہ حرکت کے خلاف مسافروں نے بھی خوب احتجاج کیا۔ کوئی کہتا تھا "مذہبی ہو؟ نظر نہیں آتا انسان بیٹھے ہیں کہ حیوان" کہیں سے آواز آتی "یہ زنانی ڈبہ ہے کیا اتنا بھی نہیں معلوم؟" ـــــ ہم بھلا ان دھمکیوں کو کیا خاطر میں لاتے۔ مسافر بکتے ہی رہے اور ہم مع اپنے اسباب کے ٹرین میں پہنچ گئے۔ اتنے میں ٹرین چلی اب سوال درپیش تھا جگہ کا اور ریل میں جگہ نکالنے کا معاملہ کتنا پیڑھا ہوتا ہے اس سے تقریباً ہر شریف آدمی واقف ہے ہماری چیخ پکار سے جو مسافر محو سے تھے اٹھ بیٹھے لیکن بعض ستم ظریفوں نے تو کمال ہی کر دیا کہ باوجود ہوشیار ہونے کے سوتے بن گئے اور لگے خراٹے لینے۔ خدا کے فضل سے ہم بھی ان چالوں سے بخوبی واقف تھے۔ ہم نے سب کو جگا دیا، جنھوں نے ذرا سستی کی انہیں ہاتھ پکڑ کے کھٹ سے اٹھا کر بٹھا دیا اس طرح ہمارے لئے کافی جگہ نکل گئی لیکن اکثر مسافر ہماری طرف اس طرح گھور گھور کر دیکھ رہے تھے گویا اب دوڑ کر کاٹ کھائینگے بہر حال پوری فضا ہم "نو واردوں" کے خلاف تھی۔ کسی طرف سے آواز آتی "ہم نے بھی پیسے خرچے ہیں پیسے؟" "کوئی کہتا" گاڑی جیسے انکے باوا جان کی ہے جو بیٹھ گئے پھیل پھیل کر" ایک صاحب فرمانے لگے "ہم کو دھمکاتے بھی ہیں، کیا ہم ان کے گھر کے نوکر ہیں؟ ابھی ابھی گارڈ سے شکایت کر دوں تو سب کو یہیں اتار دے بڑے آئے کہیں کے ڈرانے والے" ـــــ ٹرین پوری تیزی سے اڑی چلی جا رہی تھی۔ انجن کے آواز نے ان "مظلوموں" کی فریاد کو بالکل دبا دیا۔ ذرا سکون ہوتے ہی بعض منچلوں کو گانے کی سوجھی ہارمونیم، طبلہ، ساتھ ہی تھے اور گانے والوں کی بھی کوئی کمی نہ تھی۔ بس ایک بار محفل سماع گرم ہوئی۔ ہمارے ایک دوست نے نہایت ہی دلنشیں آواز میں "درمدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے" گانا شروع کیا۔ ایک تو غزل لاجواب تھی دوسرے گانے والے کی پردرد آواز نے ہر شعر میں کچھ ایسی نشتریت پیدا کر دی تھی کہ سب کی زبان سے بے اختیار "واہ واہ" "سبحان اللہ" نکل رہا تھا۔ جیسے بارہ ہی ایک ایک برہمن مہاراج اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے "منگت منڈلی معلوم ہوتی ہے بھی لڑکوں کی سوچھیں منڈی ہوئی ہیں، سب عورتوں کا پاٹ کرتے ہونگے" میرے پیچھے بنچ پر ایک مولوی صاحب فرما رہے تھے "یہ ہے انگریزی تعلیم کا

اثر۔ سارے عیب و ہنر بن رہے ہیں۔ ناچ، گانا فیشن میں داخل ہوگیا ہے۔ ہندوستان میں پیدا ہوئے اور انگریز بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے بچے اور منہ پر نہ ڈاڑھی کا پتہ نہ مونچھ کا نشان۔ بھاڑ میں جائیں وہ کالج جہاں کی تعلیم کا یہ اثر ہو!! استغفر اللہ من ذالک!!" ـــــ اتنے میں یہ غزل شروع ہوئی ؎

جہاں روشن است از جمالِ محمدؐ
دلم زندہ شد از وصالِ محمدؐ

اب ذرا مولوی صاحب بھی متوجہ ہوئے۔ اس مطلع کو دہرانے کے بعد ہمارے دوست نے ایک نان لگا کر یہ شعر پڑھا

"خوشا چشمِ کو بنگرد مصطفیٰ را
خوشا دل کہ دارد جمالِ محمدؐ

مولوی صاحب نے نہایت والہانہ انداز سے کہا "ماشاء اللہ، سیاں پھر ایک بار! ـــــ ٹرین رکی معلوم ہوا کہ دولت آباد آگیا۔ گانا بجانا ایک دم موقوف ہوگیا۔ سب جلدی جلدی ٹرین سے اترے۔ بنڈیوں پر اسباب لدوایا اور بستی کی طرف روسچ کہہ دلسا لے برہمن گرتو برانہ مانے" کا دلچسپ کورس گاتے ہوئے پیدل روانہ ہوئے۔ ڈاک بنگلہ پہنچے تھے آدھی رات جا چکی تھی۔ تھکے ہوئے تو تھے ہی بستروں پر پڑتے ہی نیند لگ گئی ـــــ موروں کی پکار سے علی الصباح میری آنکھ کھل گئی۔ میں بنگلہ سے باہر نکلا کہ اس سہانی صبح کا لطف اٹھاؤں۔ سب سے پہلے میری نظر قلعہ دولت آباد پر پڑی جو میرے سامنے پورے عظمت و جلال کے ساتھ اپنے اولوالعزم بانیوں کی یاد میں ایک پیکرِ غم بنا کھڑا تھا۔ کیا زمانے کا انقلاب ہے۔ کبھی اس قلعہ کی سنگینی کو دیکھ کر بڑے بڑے مستقل مزاج حملہ آوروں کے چھکے چھوٹ جاتے تھے۔ بڑی بڑی فوجیں مہینوں کے محاصرے کے بعد اس کی ایک اینٹ بھی اپنی جگہ سے ہلا نہ سکتی تھیں جس قلعہ کے اطراف دن رات کشت و خون کا بازار گرم رہا کرتا تھا آج اسی قلعہ سے چند قدم کے فاصلے پر ہم سب، رات بھر اطمینان سے نیندیں لے چکے تھے ـــــ اُن خیالات کے سلسلہ کو ایک تقریر دل پذیر نے اچانک منقطع کر دیا۔

واقعہ دراصل یہ تھا کہ ہمارے ایک ساتھی اپنی تاریخ دانی کا سکہ ایک ہندو دوست پر یوں جما رہے تھے:۔ ..... مہاراج! یہ بنگلہ بھی تاریخی ہے۔ پہلی مرتبہ جب علاؤالدین نے اس قلعہ پر قلعہ کی طرف اشارہ کرکے، حملہ کیا تو وہ اسی بنگلہ میں ٹھہرا تھا، اتنے میں اندر سے آواز آئی "ورا اور میز پر جو یہ آئینہ رکھا ہے یہ وہی آئینہ ہے جس میں اُس نے پدمنی کی صورت دیکھی تھی" ـــــ اس پر ایک فرمائشی قہقہہ لگا

ناشتہ کے بعد تقریباً آٹھ بجے ہم لوگ قلعہ میں پہنچے۔ تمام آثار نہایت تفصیل سے دیکھے ان میں "چاند مینار" "رام دیو کا رنگ محل"، "مسجد عالمگیری"، "چینی محل"، "یہاں ابوالحسن تانا شاہ قید کیا گیا تھا" قابل ذکر ہیں۔ "چاند مینار" کے ایک فارسی کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دیوگری کی فتح کی یادگار کے طور پر اسے علاؤالدین نے تعمیر کرایا تھا۔ "رام دیو کا رنگ محل" بالکل ویران ہو گیا ہے۔ "مسجد عالمگیری" اچھی حالت میں موجود ہے۔ "چینی محل" کی چھت باقی نہیں رہی اب صرف چار دیواری موجود ہے۔ دیواروں میں کہیں کہیں چینی کے ٹکڑے جڑے ہوئے ہیں جو اس کے نام پر دلالت کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہم اصلی قلعہ میں پہنچے۔ مشعل کی روشنی میں اندھیرا راستہ طے کیا گیا۔ بعض ساتھی بہت تھک گئے تھے اور شرم کے مارے کچھ کہہ بھی نہ سکتے تھے اس لئے ہم لوگ ذرا دم لینے کے لئے "بارہ دری" میں بیٹھ گئے۔ یہ عمارت شاہجہاں کے عہد میں تعمیر ہوئی۔ بڑی پُر فضا جگہ ہے یہاں تھوڑی دیر گانا بجانا ہوا۔ پھر "بالاحصار" پر پہنچے۔ یہاں ایک نہایت ہی زبردست توپ رکھی ہوئی ہے جس کا نام "دھول دھان" ہے یہ توپ رام دیو کے زمانے کی ہے۔ اس کا کتبہ دیوناگری خط سے ملتا جلتا ہے۔ اس توپ کو اتنی اونچی جگہ دیکھکر ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ جر ثقیل بہت قدیم زمانہ سے ہندوستان میں استعمال ہوتا ہے۔ بالاحصار پر سے چار پانچ میل اطراف کی سیر بخوبی کی جا سکتی ہے یہاں سے ہرے ہرے جنگل، پانی سے لبریز تالاب، گہرے بہتے ہوئے پہاڑی نالے بہت ہی بھلے معلوم ہو رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک ہم لوگ اس نظر نواز منظر سے لطف اٹھاتے رہے پھر بیت بازی شروع ہوئی اور خوب ہوئی اس قسم کی بیت بازیوں میں میں نے اکثر دیکھا ہے کہ نازک موقعوں پر اسمٰعیل میرٹھی مرحوم کے اشعار اور میلاد شریف کے بند بڑے کام آتے ہیں۔ ایک صاحب نے تو کمال ہی کر دیا ل کے شعر پر جو زور کے تو گھبرا کر کلمہ طیبہ ہی پڑھ دیا اعتراض ہوا تو فرمانے لگے "آپ لوگ عربی وزن سے واقف نہیں۔ کلمہ بھی ایک شعر ہے اور کلام مجید میں سینکڑوں اشعار ہیں سمجھے؟" ——— تقریباً دو بجے واپس بنگلہ پہنچے، کھانا کھایا۔ کچھ تو ستانے لیٹ گئے کچھ شطرنج پر جت گئے، کچھ ڈرافس کھیلنے لگے۔ چار بجے کی چائے کے بعد یہ قافلہ خلد آباد روانہ ہوا۔ راستہ بھر بیت بازی ہوتی رہی ایک جگہ خوب بھیگے اس وقت ہمیں معلوم ہوا کہ پہاڑوں پر بارش کس زور کی ہوتی ہے۔ پانی کے خوف سے ایک صاحب کسی پرانی قبر میں گھس گئے تھے۔ جب یہ "اودھم بلاؤ" اپنا قصہ بیان فرما رہے تھے ان کا تمام جسم سردی کے مارے کانپ رہا تھا دانت بج رہے تھے کسی نے کہا "رات بھی قبر ہی میں بسر کی ہوتی" اس پر کہا "وہاں بھی چین نہ لا۔ تھوڑی دیر تو امن رہا اس کے بعد اطراف کا پانی دھواں دھوں اندر آنے لگا۔

ٹھیک آٹھ بجے خلد آباد کے ڈاک بنگلے میں پہنچے۔ کھانے کے بعد محفل کا رنگ جما ایک طرف گانا ہو رہا تھا ایک

طرف ڈرائنگ ایک کونے میں شطرنج کی بازی جمی ہوئی تھی بعض اپنے بھیگے کپڑے نچوڑ نچوڑ کر ایک ڈوری پر سوکھنے کو ڈال رہے تھے۔ کسی نے ملازم سے کہا، "شطرنج لاؤ؟" وہ غریب سر پر شطرنجی اٹھا لایا۔ اس رات سردی بلا کی تھی اس واسطے کپڑے بھیگے ہوئے تھے ـــــ صبح نیند سے اٹھے تو تمام بنگلہ ابر آلود" تھا۔ یہ بنگلہ اسی پہاڑ پر واقع ہے جس میں غار ہیں۔ بلندی کے سبب ابر کمروں میں گھس آتا ہے چاروں طرف ابر ہی ابر نظر آتا تھا۔ میدان میں ابر ایک تالاب کا سماں پیش کر رہا تھا۔ یہ بھی عجیب پر کیف نظارہ تھا۔ ناشتے کے بعد غار دیکھنے گئے۔ ہماری ہمت و دشوار پسند" نے شاہراہ عام پر چلنے کو ننگ سمجھا اس لئے ہم ایک تنگ پہاڑی رستے سے روانہ ہوئے ہر موڑ پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آگے راستہ نہیں ہے۔ بڑی چٹانوں پر چڑھنا پڑا، کئی نالے عبور کرنے کے بعد مقام مقصود پر پہنچے۔ غاروں کو دیکھکر سب دنگ تھے۔ یہاں کے تمام مجسمے، تصویریں ہندومت، بدھمت اور جین مت سے متعلق ہیں ـــــ مذہبی جوش بھی انسان سے کتنے بڑے بڑے کام کراتا ہے ـــــ موجودہ ترقی یافتہ زمانے میں بھی جب مختلف قسم کے آلات ایجاد ہو چکے ہیں اس قسم کے غاروں کا بنانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ قدیم زمانہ میں ان کے بانیوں کو کیا کچھ دقتیں اٹھانی نہ پڑی ہونگی۔ ان کی "روفرہاد ہمتی" کی بے اختیار داد دینی پڑتی ہے۔ یہاں سے کوئی تین بجے واپس بنگلہ پہنچے۔ کھانا کھایا، تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد واپس خلد آباد روانہ ہوئے۔ بنگلہ سے تھوڑی دور سنگ سیاہ کا بنا ہوا، ایک نہایت ہی مستحکم مقبرہ ہے یہاں دکن کا مشہور اولوالعزم سپہ سالار، صاحب سیف قلم، ملک عنبر ابدی نیند سو رہا ہے یہ وہی ملک عنبر ہے جس کے جیتے جی، دکن میں مغلوں کے قدم نہ جم سکے۔ یہ وہی ملک عنبر ہے جس نے ٹڈی دل، اکبری فوجوں کو ناکوں چنے چبوا دئے تھے۔ یہی تو وہ خاک جو کبھی سیماب طبع عقا آج دائمی قرار و سکون سے ہم آغوش ہے ـــــ موت کے بے پناہ وار نے بڑے بڑوں کے کس بل نکال دئے ـــــ یہاں سے ہم ابوالحسن تانا شاہ کے مزار پر پہنچے۔ قبر کیا ہے یاس و حسرت کا مرقع ہے جس شخص کی نازک دماغی کے افسانے زبان زد خاص و عام ہیں آج سنوں مٹی کے نیچے دبا پڑا ہے۔ جسے چاندنی میں بھی چتر کی ضرورت محسوس ہوتی تھی، آج اس کی قبر پر دن بھر آفتاب چمکتا ہے جس کی خوابگاہ سے باہر بھی حریر و پرنیاں و زربفت کے بڑے بڑے شامیانے لگے رہتے تھے تاکہ صحن میں اوس نہ پڑنے پائے۔ آج اس کی قبر پر سوا سلادھا رمینہ برستا ہے۔ سرہانے کا کتبہ اگر نکال لیا جائے تو کوئی تمیز بھی نہ کر سکے گا کہ یہ کسی بادشاہ کی قبر ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:ـــ

"تخت والوں کا پتہ دیتے ہیں تختے گور کے
ڈھونڈھتا ہے یہاں تک بعد ازاں کچھ بھی نہیں"

اس کے بعد ہم لوگ حضرت برہان الدین رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مقدس پر فاتحہ خوانی کے لئے حاضر ہوئے یہاں سے چند ہی قدم کے فاصلے پر زمانہ شناس متقل مزاج اور عالی ہمت بانیٔ سلطنت آصفیہ کی دائمی خواب گاہ ہے۔ یہ پیر جواں ہمت، اپنے شبستان راحت میں مشکل چار پانچ گھنٹے سوتا تھا۔ اور آج قبر کے تنگ آغوش میں کیسا نخت لیٹا ہوا ہے! یہاں سے نکل کر ہم ایک ایسی قبر پر پہنچے جس کی چودیواری میں پاؤں رکھتے ہی دل ودماغ کی حالت دگرگوں ہو جاتی ہے۔ یہاں وہ شہر دل محو خواب ہے جس کی شمشیر خارا شگاف کی دھاک سارے ہندوستان پر بیٹھی ہوئی تھی۔ جس کے باب عالی کے آگے بڑے بڑے راجوں مہاراجوں کے سر جھکتے تھے۔ جس کے تیور بدلے ہوئے دیکھکر بہادروں کے پتے پانی ہو جاتے تھے جس کے آہنی ارادوں کو دنیا کی کوئی طاقت بدل نہیں سکتی تھی۔ یہ معمولی مٹی کی قبر عالمگیرؒ کی ہے۔ جس کی سپاہ کے کوچ سے بڑی بڑی سلطنتوں کی بنیادیں ہل جاتی تھیں۔ اس قدر عظیم الشان، اتنا باقتدار اور ایسا صاحب جلال وجبروت شہنشاہ آج اس قدر بیکس اور بے بس پڑا ہے کہ ایک ادنیٰ چیونٹی کو بھی اپنی جگہ سے ہٹا نہیں سکتا۔ عبرت کا مقام ہے!

جن کے ڈنکے سے گرجتے تھے زمیں و آسماں

دم بخود ہیں مقبروں میں "ہوں نہاں" کچھ بھی نہیں

یہاں فاتحہ پڑھنے کے بعد ہم نے دولت آباد کا رخ کیا۔ راستہ میں عالمگیر ہمکا ذکر چلا۔ استاذی سید وہاج الدین صاحب نے اپنی بیش بہا اور دلچسپ معلومات سے ہمیں مستفید کیا۔ دو تین میل تک یہی سلسلہ رہا۔ اس کے بعد صوفیائے کرام کے عقائد کی بحث چھڑ گئی، پھر موجودہ زمانے کے شعرا کے کلام پر تنقید وتبصرہ رہا۔ ہمارے لائق استاد نے اقبال، جوش، فانی، جگر، اصغر، عزیز، صفی وغیرہ کے سیکڑوں اشعار سنائے اور نہایت پُرمغز بحث فرمائی۔ یہ سلسلہ اس قدر دلچسپ تھا کہ دس میل کی مسافت طے ہو گئی اور کسی کو تپہ بھی نہ چلا۔ رات کے بارہ بجے سٹیشن دولت آباد کے ڈاک بنگلہ میں پہنچے۔ سب طلبا کو ترکے اٹھنے کی تاکید کر دی گئی کیونکہ دوسرے دن اورنگ آباد پہنچنا ضروری تھا۔ لیکن اس قدر زیادہ تھی کہ آنے کے بعد آدھ گھنٹے کے اندر ہی اندر سب سو گئے۔ اتفاق سے صبح سویرے "دو بجے" میری آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ "ساری انجمن بیہوش ہے"۔ میں نے بلند آواز سے ایک ایک کا نام لے کر پکارنا شروع کیا تاکہ سب جان لیں کہ کون پہلے اٹھا، "وہی اشفاق! اٹھو بھی، نو بج رہے ہیں تو!" ارے مقصود! سنتا بھی ہے کہ نہیں! صبح چھ بجے سے چیخ چیخ کر گلا بیٹھ گیا مگر کوئی خدا کا بندہ ٹس سے مس تک نہیں ہوتا۔ نحوس کہیں کے! میری اس تیخ پکار سے سب اٹھ بیٹھے۔ ناشتہ کے بعد ایک کرایہ کی لاری میں لد کر، اورنگ آباد روانہ ہوئے۔ چوک میں پہنچتے ہی ٹن ٹن دو بجے چھٹی تھی تو تین دن

کے لئے ہمیں ہوسٹل کی طرف سے ایک دن کا وظیفہ ملا تھا۔

غزل

(از)

مصطفےٰ علی اکبر صاحب گرامی

ہجوم برق و بلا ہیں کرشمہ ساز آنکھیں
شرابِ ناب ہیں مستی میں نیم باز آنکھیں

وہ برق پاشیاں شوخی میں اے معاذ اللہ
جلائیں خرمنِ دل کو نہ فتنہ ساز آنکھیں

سما گیا ہوں میں اُن میں حجاب کی صورت
مجھے نہ ڈھونڈیں کہیں وہ جان نواز آنکھیں

کہاں ملیگا پتہ میرے نقشِ ہستی کا
چھپالیں اپنے میں مجھکو وہ مست ناز آنکھیں

ادائے بندہ نوازی پہ جان دیتا ہوں
پلا کے ہوگئیں اپنی سی بے نیاز آنکھیں

انہی سے ہوتی ہیں ناز و نیاز کی باتیں
بنی ہیں جذبۂ دل کو زباں راز آنکھیں

ہر ایک ذرہ بتیاب دل ہی بن جائے
کریں جو سلسلۂ جستجو دراز آنکھیں

کہاں کی بت شکنی توبہ توڑتے ہی بنی
ہوئی ہیں غزنوی دل کو تری ایاز آنکھیں

گرامی ان ہی میں پنہاں ہیں میری مرگ و حیات
جگر گذار بھی ہیں ان کی دل نواز آنکھیں

تنقیدیں

بچوں کی تفسیر | سائز پونیہ پاؤ ضخامت ۱۳۶ صفحات قیمت عدر مع محصول لینے کا پتہ دفتر قرآنی تحریک حیدرآباد دکن

اس وقت تک زبان اردو میں قرآن مجید کی بیسیوں تفسیریں لکھی گئیں اور آئندہ بھی لکھی جائینگی لیکن وہ تفسیریں صرف ان لوگوں کے لئے کارآمد ثابت ہوسکتی ہیں جو علوم فن میں کافی طور پر مہارت رکھتے ہوں ایسی کوئی تفسیر اس وقت تک شائع نہیں ہوئی تھی جو بچوں کے لئے بھی مفید ہو تی۔ چنانچہ اسی غرض کو مدنظر رکھتے ہوئے حیدرآباد دکن میں "قرآنی تحریک" کے نام سے ایک انجمن قائم ہوئی ہے اس انجمن کے لائق ترین کارکنوں نے "پارہ عم" کی تفسیر تیار کی ہے اس تفسیر کے مصنف نے جو معرکتہ الآرا کام کیا ہے یہ ہے کہ پوری آیتہ یا سورۃ کی تفسیر لکھنے سے پیشتر اس آیتہ یا سورۃ کے ایک ایک لفظ کے معنی الگ الگ لکھ کر پھر اجتماعی صورت میں معانی لکھے ہیں اس کے بعد نہایت صاف اور سادہ زبان میں تفسیر لکھی ہے جو بچوں کیلئے بھی مفید اور کارآمد ہے حقیقت یہ ہے کہ جب تک قرآن شریف کو سمجھ کر اور اس کے مطالب پر غور کرکے نہ پڑھا جائے ہم اس سے مقصد فوائد حاصل نہیں کرسکتے۔

عروج | یہ ایک ہفتہ وار اخبار ہے جس کا ساتواں نمبر ہمارے سامنے ہے مضامین کی نوعیت اور اخبار کی پالیسی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ اخبار محض زراعت پیشہ طبقہ کی غرض سے جاری کیا گیا ہے ہماری دعا ہے کہ اخبار مذکور اپنے اغراض و مقاصد میں خاطر خواہ کامیاب ہو کیونکہ آج سب سے زیادہ اسی غریب اور بے زبان طبقہ کی اصلاح و امداد کی ضرورت ہے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہمارے عیش و آرام کا سارا دارومدار غریب مزارعین ہی کی محنت و مشقت پر منحصر ہے۔ اس لئے ہر شخص جو اپنے دل میں ذرا بھی حمیت و غیرت رکھتا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ سب سے اول اس طبقہ کی اصلاح کی طرف توجہ کرے۔

ہم کارکنان عروج کو انکے اس نیک اور بلند عزم پر مبارکباد دیتے اور امید کرتے ہیں کہ وہ مستقبل قریب میں اخبار کی طباعت اور کتابت کو بہتر بنانیکی کوشش بھی فرمائینگے۔

اخبار کی سالانہ قیمت للعہ کلدار ہے۔ ملنے کا پتہ۔ جھنگ گھیانہ (پنجاب)

بشریٰ | تقطیع ضخامت ۴۶ صفحات قیمت سالانہ ۴ کلدار فی پرچہ ۴ر

(مقام اشاعت ۳۱۔ کتابت خاں اسٹریٹ مونٹ روڈ مدراس)

رسالہ بشریٰ ۱۹۳۳ء سے جاری ہوا ہے۔ نام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف ایک مذہبی رسالہ ہے لیکن حقیقت میں مذہبی تاریخی علمی اور ادبی مضامین کا مجموعہ ہے جسکے مدیران مولوی عبدالرزاق صاحب فاضل دیوبندی اور مولوی ابوالجلال صاحب ندوی ہیں۔

مدراس جیسے مشہور شہر سے اس رسالہ کا نکلنا ضروری اور لازمی امر تھا کیونکہ ہندوستان کا یہ جنوبی حصہ ابھی تک اردو زبان کے ان بیش بہا لٹریچر اور مضامین سے یکسر ناآشنا ہے جن سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ واقف ہو چکا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ کارکنان رسالہ باوجود انتہائی مشکلات کے اپنے عزم وارادے پر قائم رہکر اجرائے رسالہ میں کوئی دقیقہ اپنی کوششوں کا باقی نہ چھوڑینگے۔ اس طرح مسلمان مدراس کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے صوبہ کے ایک قابل قدر رسالہ کی امداد فرمائیں۔

زندگی ہندوستانیوں کی روزانہ معاشرت میں کچھ ایسی فضول اور بیہودہ رسمیں شامل ہوگئی ہیں جو انکو دن بدن تنزل اور تباہی کے عمیق غار میں گراتی چلی جارہی ہیں انہیں خرابیوں کو دور کرنے کے لئے پنجاب کے مشہور شہر امرتسر سے چند باہمت حضرات نے سوشل اصلاح کے سلسلہ میں اردو زبان کا پہلا رسالہ زندگی کے نام سے شائع کرنا شروع کیا ہے۔ رسالہ کے اغراض ومقاصد نہایت پاک اور اعلیٰ ہیں بشرطیکہ نیک نیتی کے ساتھ ان پر عمل کیا جائے کارکنان رسالہ کی یہ ہمت قابل صد ہزار تحسین ہے کہ انہوں نے محض ملکی بہبودی اور رفاہ عام کے خیال سے سوسہتم اصلاح جیسے شغل انسان کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔

رسالہ کا چندہ سالانہ عہ کلدار ہے لئے کا پتہ۔ دفتر رسالہ زندگی ہال بازار امرتسر۔

استاذ الاطبا لاہور میں آل انڈیا انجمن خادم الحکمت کے نام سے طبی اغراض ومقاصد کے تحت ایک انجمن قائم ہے جس کا ایک ماہواری رسالہ موسوم بہ تبصرۃ الاطبا بھی شائع ہوتا ہے اس رسالہ کا خاص نمبر جس کا نام درج عنوان ہی ہمارے پیش نظر ہے رسالہ کے اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ لاہور کی اس انجمن کے بانی کا لقب استاذ الاطبا ہے۔ جن کو اراکین انجمن موجد طب جدید بھی کہتے ہیں۔ رسالہ میں اکثر امراض اور انکے علاج کے متعلق نہایت فاضلانہ پیرایہ میں بحث کیگئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ چند مفرد ادویات کے خواص اور انکے طریق استعمال پر بھی کافی وضاحت سے روشنی ڈالی گئی ہے یہ رسالہ طبیبوں اور دیدوں کے لئے خاص طور پر مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ خاص نمبر کی قیمت عہ سکہ کلدار ہے۔ اور تبصرہ الاطبا کے سالانہ خریدار کو مفت تبصرہ الاطبا کی سالانہ قیمت عہ کلدار ملنے کا پتہ دفتر رسالہ تبصرہ الاطباء ۵ فلیمنگ روڈ لاہور

علمی خبریں

بنگال میں اُردو

سنہ ۱۹۳۱ء کے اعداد و شمار کے مطابق صوبہ بنگال میں ۱۶۴ مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ بنگال میں انقطاع عالم سے آکر لوگ آباد ہو گئے ہیں بنگال کی کل آبادی (۵۱۰۸۰۰۰۰) ہے اس میں سے (۱۸۹۱۳۳۷) ہندوستانی (اردو) بولتے ہیں۔ اردو کے بعد غیر بنگالی زبانوں میں سب سے زیادہ تعداد اڑیا بولنے والوں کی ہے اس کا شمار (۱۵۹۰۰۰۰) کے قریب ہے جو اردو کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے۔ صرف کلکتہ میں پچاس مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں بولنے والوں کی کل تعداد ۱۱۹۶۷۲۴ ہے ان میں سے بنگالی بولنے والے ۶۴۶۴۵۱ ہیں اور ہندوستانی بولنے والے ۴۳۶۱۲۳ ہیں اگر چہ نہیں اعداد و شمار سے بنگالی میں اردو کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے لیکن اگر دوسرے بڑے بڑے شہروں کے اردو بولنے والوں کا مقابلہ کلکتہ سے کیا جائے تو پھر ایک حیرت انگیز انکشاف ہوتا ہے اُن بڑے بڑے شہروں کی آبادی حسب ذیل ہے جس میں زیادہ تر اردو بولی جاتی ہے۔

دہلی	۴۴۷۴۴۲	کانپور	۲۴۳۷۵۵
لاہور	۴۲۹۷۴۷	آگرہ	۲۲۹۷۶۴
لکھنو	۲۷۴۶۵۹	بنارس	۲۰۵۳۱۵
امرتسر	۲۶۴۸۴۰	الہ آباد	۱۸۳۹۱۴
		پٹنہ	۱۵۹۶۹۰

اِن شہروں میں صرف دہلی کی آبادی کلکتہ کے اردو بولنے والوں کی تعداد سے بقدر ۱۱۳۱۹ کے زیادہ ہیں لیکن یہ امر یقینی ہے کہ دہلی میں اُن لوگوں کی تعداد ۱۱۳۱۹ سے کافی زیادہ ہے جو اردو نہیں بولتے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کلکتہ اردو بولنے والوں کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ بنگال میں اردو زبان کی اہمیت تسلیم کرنے کے لئے اس سے بڑھ کر اور کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

(ہمایوں)

دُوربین

انگلستان میں ایک ایسی دوربین تیار کیگئی ہے جس سے کافی فاصلہ کی اشیاء اور نزدیک ترین چیزیں ہر دو آسانی کے ساتھ دیکھی جا سکتی ہیں اس دوربین کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ عام دوربینوں کی طرح اسکے ذریعہ سے دیکھنے

چیزیں چھوٹی معلوم نہیں ہوتیں بلکہ اپنی اصلی حالت میں دکھائی دیتی ہیں۔ اگر فوٹو کے کیمرہ کے آگے اس دوربین کو لگا دیا جائے تو دور دراز فاصلہ کی پہاڑوں اور جنگلوں وغیرہ کی بالکل اصلی اور نہایت عمدہ تصویر کھینچ جاتی ہے حال ہی میں ۹۰ میل کے فاصلہ سے ایک پہاڑ کی تصویر لیگئی جو بہت ہی صاف اتری۔

پڑھنے والا آلہ جرمنی کے ایک باشندے نے اس قسم کا آلہ ایجاد کیا ہے کہ اگر اس میں کوئی اخبار رکھدیا جائے تو وہ اس کو نہایت آواز سے پڑھنا شروع کر دیتا ہے اس ایجاد سے یہ فائدہ ہوا کہ ہر شخص بغیر پڑھے چپ چاپ لیٹ کر اس آلہ کی زبان سے اخبار و واقعات کو سن سکتا ہے۔

ایک عجیب دوا جزائر غرب الہند کے ایک ضعیف العمر حبشی نے سالہا سال کے تجربہ کے بعد کسی جڑی بوٹی سے ایک خاص دوا بنائی ہے اسکی چند گولیاں کھانے سے سیاہ فام اور کالا کلوٹا آدمی گورا چٹا ہو جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ اس بوڑھے کا رنگ بھی انہیں گولیوں کے کھانے سے بالکل سفید ہو گیا ہے

فضا میں تحریر انگلستان میں ایک ایسا برقی چراغ جلایا گیا ہے جس کی روشنی سے فضا کے بادلوں پر کتابت ہو سکتی ہے چنانچہ وہاں ایک کمپنی قائم ہوئی ہے جو اس سے فائدہ اٹھا کر فضا میں تجارتی اعلانات اور سیاسی خبریں شائع کرنا چاہتی ہے

پودوں کو دیمک نہ لگیگی نیم کی کھلی کو خوب باریک پیسکر اسے پودے کے دور میں چاروں طرف دو دو فٹ تک ۱½ انچ موٹی تہ میں بچھا کر اسے اچھی طرح مٹی میں ملا دو تو خواہ پودا کتنا ہی کمزور کیوں نہ پڑ گیا ہو اوسے ہرگز دیمک نہ لگے گی۔

پودا لگانے سے پہلے بھی یہ عمل مفید ثابت ہوا ہے جس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ پودا نصب کرنے سے پیشتر نیم کی بسی ہوئی کھلی گڑھے کی مٹی میں ملا دو۔

پٹرول کا فقدان ماہرین سائنس کا اندازہ ہے کہ اگر موٹر سائیکل موٹر اور دوسرے انجنوں میں موجودہ رفتار سے پٹرول خرچ ہوتا رہا تو آج سے پانچ سال بعد پٹرول کا سخت قحط نمودار ہوگا اگر اہل سائنس نے ابھی سے کوئی ایسی چیز تجویز نہ کی جو پٹرول کے خلاقہ پر اسکی جگہ کام دیسکے تو لوگوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑیگا۔

ستارہ نما مچھلی امریکہ کے کسی حصہ میں ایک عجیب قسم کی مچھلی دستیاب ہوئی ہے اس مچھلی کے ۱۹ آنکھیں ہیں رات کے وقت یہ مچھلی اس طرح چمکتی ہے جس طرح آسمان پر ستارہ چمکتا ہے۔

مختصر فہرست کتب مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی محمود حیدرآباد دکن

(۱) رؤف رحیم۔ مصنفہ مولوی محمد حمید اللہ صاحب ماہر ملوی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لاجواب اور عدیم النظیر سوانح عمری جو معتبر اور مستند کتب تواریخ کے حوالہ جات سے مرتب کیگئی ہے قیمت ..... پلیعہ

(۲) آفریقہ کے دو چاند۔ مصنفہ مولانا ابو الکمال صنا ماہر ملوی حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے عہد خلافت کا وہ اہم اور تاریخی واقعہ جو فتح افریقہ کے دوران میں حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو پیش آیا تھا۔ قیمت ..... عہ ۱۱

(۳) تذکرہ حضرت عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔ مصنفہ مولوی فضل اللہ صاحب آج دنیا میں وہ کونسا تعلیم یافتہ مسلمان ہے، جو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے اسم گرامی سے واقف نہیں اگر آپ اس جلیل القدر ہستی کے حالات زندگی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو اس تذکرہ کو پڑھ کر اپنی ایمان کو تازہ کیجئے قیمت ..... عہ

(۴) کلیات نعت مولوی محسن کاکوروی۔ جسطرح شعرائے عرب میں حضرت حسان بن ثابتؓ کو داعی رسول کا شرف حاصل تھا اسیطرح شعرائے اردو میں حضرت محسن کاکوروی کو بھی نعت گوئی کا اعزاز حاصل ہے یہ کلیات عاشقان رسول اللہ کیلئے ایک بیش بہا تحفہ ہے قیمت ..... عہ ۴

(۵) طوفان متبسم۔ شوکت تھانوی کے مزاحیہ مضامین اور افسانوں کا مجموعہ دلچسپ اور فرحت انگیز مجموعہ۔ قیمت ..... عہ

(۶) سیلاب متبسم۔ شوکت تھانوی کے مزاحیہ مضامین آج ملک میں جس قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اس کا مادہ کی چنداں ضرورت نہیں چنانچہ یہ کتاب بھی شوکت صاحب کے بیش بہا مضامین کا ایک نادر مجموعہ ہے۔ قیمت ..... عہ

(۷) پردیس کی بانہیں۔ مرزا حسین احمد بیگ صاحب ناظم عدالت ملک سرکار عالی کا وہ لاجواب سفرنامہ جو صاحب موصوف نے اپنے سفر یورپ کی واپسی کے بعد ترتیب فرمایا ہے۔ قیمت ..... عہ

(۸) تمدن یورپ۔ مصنفہ ڈاکٹر احسان محمد خاں صاحب ایم اے علیگ جو لوگ اندھا دھند یورپ کی تقلید پر آمادہ ہیں اور انہیں یہ نہیں سوچتے غور اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ قیمت ..... عہ ۱۲

(۹) موناوانا۔ ایک انگریزی ڈرامہ کا اردو ترجمہ ترجمہ جلیل احمد صاحب قدوائی ایم اے۔ یہ ایک ادبی اور اخلاقی ڈرامہ ہے جو اردو ادبیات میں اپنی قسم کی بالکل نئی چیز ہے۔ قیمت ..... عہ ۱۴

(۱۰) میں نے ایک کروڑ روپیہ کیسے کمایا۔ یورپ کے مشہور انجینئر سازمٹر مائینگ کے خود نوشتہ حالات سے جسے شیخ ضیاء الحق صاحب سابق ایڈیٹر روزنامہ پیشوا نے اردو کا لباس پہنایا ہے۔ قیمت ..... عہ ۸

(۱۱) نرگس۔ مولانا اسلم صاحب کا نہایت معرکتہ الآرا فسانہ جس کو صحیح معنوں میں ادب لطیف کی جان کہہ سکتے ہیں۔ قیمت ... عہ

(۱۲) میک اپ۔ مترجمہ رحمن صاحب عکاس دہلوی مختلف قسم کی صورتیں بدلنے کی نہایت آسان اور انوکھی ترکیبیں قیمت ۱۵

(۱۳) محشرستان۔ مصنفہ محشر عابدی صاحب محشر عابدی صاحب

وکن کے اُن ممتاز نوجوانوں میں سے ہیں جو اردو ادب کی خدمت کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے ہیں حال ہی میں آپ کے افسانوں کا یہ مجموعہ شائع ہوا ہے۔ قیمت مجلد ..... عہ

(۱۴) رفیق تنہائی اور دیگر افسانے۔ مصنفہ سید علی عباس صاحب حسینی ایم۔ اے صاحب موصوف کے سات افسانوں کا ایک مختصر سا مجموعہ ہے جو حد سے زیادہ دلچسپ ہے قیمت ..... عہ

(۱۵) فیض اللغات۔ لغت اردو کی نہایت عمدہ اور مفید لغت ہے جو دور حاضرہ کے طلبار کے لئے بیحد کارآمد ثابت ہوئی ہے قیمت ..... عہ

(۱۶) عزیز اللغات۔ مصنفہ عزیز صاحب لکھنوی مصنف [illegible] اردو کی دنیا میں جو یایہ رکھتے ہیں وہ اہل الشمس ہے اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ ایسے بلند پایہ شاعر نے جو لغت ترتیب دیا ہے وہ کن خوبیوں کا حامل ہو سکتا ہے۔ قیمت ..... ہے

(۱۷) نظام علی خاں حصہ اول۔ مولفہ مولوی محمد سراج الدین صاحب طالب۔ حضرت آصف جاہ اول بانی سلطنت آصفیہ کے چوتھی فرزند رشید نظام علی خاں آصفجاہ ثانی کے سوانح حیات قیمت عہ

(۱۸) میر عالم۔ مولفہ مولوی سراج الدین صاحب طالب سلطنت آصفیہ کے مشہور عالم وزیر میر عالم کے زندگی کے اہتمام بالشان واقعات کی مکمل تصویر قیمت ..... ہے

(۱۹) شکر شیریں۔ مولفہ مولوی سراج الدین صاحب طالب سلطنت آصفیہ کے دیوان حیدر یار خاں الملقب بہ شیر جنگ

سوانح حیات۔ قیمت ..... عہ

(۲۰) رامائن۔ مصنفہ راجہ راجیشور راؤ صاحب (اصغر) (درما) سری راجیشور آنند کند کا منوہر نخن چہ تر بالتصویر قیمت ..... عہ

(۲۱) فن کڑھت اور چکن سازی۔ مصنفہ منشی احمد علی خاں صاحب نواب محبوب علی خاں صاحب۔ اس کتاب کے مطالعہ سے بہت جلد کڑھت چکن سازی کا فن حاصل ہو سکتا ہے قیمت ..... ہے

(۲۲) خواتین کی دستکاریاں۔ مرتبہ آمنہ نازلی صاحبہ اس کتاب کے مطالعہ سے ہماری پردہ نشین خواتین بہت کچھ ہنر سیکھ کر اپنی مالی پریشانیوں کو دور کر سکتی ہیں۔ قیمت ۱۰ر

(۲۳) پردہ تعلیم۔ مصنفہ حضرت امام اکبرآبادی وکیپٹن ڈاکٹر نصیر الدین صاحب۔ موجودہ زمانہ کی تعلیم نے کس حد تک اسلامی تعلیمات پر اپنا اثر ڈالا ہے وہ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کو بخوبی واضح ہو جائیگا۔ قیمت ۱۵ر

(۲۴) مفید نسواں۔ مصنفہ محترمہ بلقیس بیگم صاحبہ یہ کتاب خانہ داری کے تجربات کا دوسرا حصہ ہے جس کا مطالعہ ہر عورت کے لئے بیحد ضروری ہے۔ قیمت ۱۰ر

(۲۵) آئینہ جمال۔ مصنفہ بلقیس خاتون صاحبہ جمال بریلوی خاتون جمال صاحبہ کی چند بیش بہا اخلاقی اور ادبی نظموں کا نایاب مجموعہ۔ قیمت ۱۵ر

(۲۶) مزیدار کہانیاں۔ مولفہ سید ابو تمیم صاحب فرید آبادی بچوں کیلئے چند مفید اور دلچسپ کہانیوں کا مجموعہ قیمت ۳۶ر

(۲۷) مشرقی مغربی کھانے۔ مولفہ مصنفہ آمنہ نازلی صاحبہ
اس کتاب میں مشرقی مغربی ہر دو قسم کے کھانوں کے پکانیکی نہایت آسان اور رزو فہم ترکیبیں لکھی گئی ہیں۔ قیمت ..... عہ

(۲۸) عصمتی دسترخوان۔ مرتبہ محترمہ آمنہ نازلی صاحبہ اس میں مختلف قسم کے ہندوستانی کھانوں کے پکانیکی ترکیبیں درج ہیں قیمت ..... عہ

(۲۹) خانہ داری کے تجربات۔ مرتبہ بلقیس بیگم صاحبہ عورتوں کو گھر گرہستی کے کاروبار انجام دینے کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے ان سب کا شرح اور مفصل بیان قیمت .. ۱۵

(۳۰) عصمتی کشیدہ مرتبہ آمنہ نازلی صاحبہ۔ آجکل کشیدہ کے کام کو جو مقبولیت حاصل ہے وہ ظاہر ہے اگر آپ اپنی ستورات کو اس مفید فن سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں تو انکو اس کتاب کے مطالعہ کی ترغیب دیجئے۔ قیمت ..... عہ

(۳۱) موتیوں کا کام۔ مرتبہ آمنہ نازلی صاحبہ آجکل ریشمی اور سوتی بیل بوٹوں کی طرح مختلف وضع کا موتیوں کا کام بھی نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے چنانچہ یہ کتاب اس موضوع پر مرتب کی گئی ہے۔ قیمت ..... عہ

(۳۲) ادب زرین۔ مصنفہ محترمہ محجاب اسمٰعیل مختلف اخلاقی اور ادبی مضامین کا دلکش اور نایاب ذخیرہ قیمت ۱۰

(۳۳) مشاہدات سائنس۔ مصنفہ سید محمد عمر حسین صاحب علم سائنس پر نہایت محققانہ اور عالمانہ تبصرہ قیمت ..... عہ

(۳۴) نکات رموزی حصہ اول ..... ملا رموزی صاحب کا نام مختاج تعارف نہیں اس قدر ہی کافی ہے کہ یہ کتاب ملا صاحب کی تصنیف ہے۔ قیمت ..... عہ

(۳۵) نکات رموزی حصہ دوم۔ " " قیمت ... عہ

(۳۶) نشاد[illegible]ری صاحب قیمت ..... عہ

(۳۷) شفاخانہ مجموعہ مفتم " قیمت ..... عہ

(۳۸) دیوان ملا رموزی۔ مصنفہ ملا رموزی صاحب قیمت ۵

(۳۹) لاٹھی اور بھینس۔ " قیمت ..... عہ

(۴۰) عورت ذات " قیمت ..... للعہ

(۴۱) زندگی " قیمت ..... عہ

---

(۱) اردو شہ پارے۔ حصہ اول از ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زور ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ تاریخ اردو سے قدیم اور ابتدائے اردو سے لیکر ولی اور نگ آبادی تک نظم و نثر کا بہترین انتخاب معہ نو تصاویر شعرائے قدیم ضخامت ۴۰ صفحات قیمت مجلد ۱۲

(۲) روح تنقید۔ از ڈاکٹر صاحب موصوف اردو میں فن تنقید کی پہلی کتاب ہے قیمت ..... عہ

(۳) تنقیدی مقالات۔ از ڈاکٹر صاحب موصوف روح تنقید کا دوسرا حصہ پیش کردہ تنقیدی اصولوں کی روشنی میں شعرا کے کلام پر تنقید و تبصرہ ضخامت ۵۰ صفحات قیمت مجلد ..... عہ

مجلہ مکتبہ

(۳)

خریداری میں مزید سہولت

جو حضرات مکتبہ ابراہیمیہ سے ایک سال میں چالیس روپیہ کے مطبوعات مکتبہ یا ساٹھ روپے کی عام مذاق کی اور درسی کتابیں یکمشت یا بدفعات نقد خرید فرمائیں گے ان کے نام رسالہ سال بھر کے لئے بلاقیمت جاری ہوسکے گا۔ اور حضرات بھی جو چھ ماہ میں پچیس روپے کے مطبوعات مکتبہ یا پینتیس روپے کی درسی و دیگر کتابیں بدفعات یا یکمشت نقد خرید کریں گے ان کی خدمت میں چھ ماہ کی مدت کے لئے مجلہ مکتبہ بلاقیمت حاضر ہوگا۔ یکمشت خریدنے والے حضرات کے نام رسالہ فوراً جاری کردیا جائے گا جو حضرات بدفعات کتابیں خریدیں گے ان کو ایک رسید دیجائیگی۔ جس میں خریدی ہوئی کتابوں کی مجموعی قیمت درج ہوگی۔

خریدار صاحبین کو چاہئے کہ وہ اس رسید کو اپنے پاس محفوظ رکھیں جس وقت حسب صراحت بالا رقم معینہ کی تکمیل ہوجائے وہ رسیدیں منتظم مجلہ مکتبہ کے پاس بھیجدیں رسالہ ان کے نام جاری کردیا جائے گا رسیدیں دوسروں کے نام منتقل بھی ہوسکتی ہیں اس طرح کئی اشخاص مل کر بھی اس رعایت سے استفادہ کرسکتے ہیں)